

سلسلہ نزوۃ الصغیرین

مجلد ۱

غلامانِ اسلام

جس میں اُن مقدر ہستیوں کے سَوَاحِ حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و جستجو سے
یکجا کیے گئے ہیں جن کو غلام یا آزاد کردہ غلام ہونے کے باوجود اسلامی سوسائٹی میں عظمت
و اقتدار کا فلک الافلاک سمجھا گیا ہے اور جن کے علمی، مذہبی، تاریخی اور اصلاحی کارنامے
نقشِ دَوَام بکسر سینہٴ عالم پر ثبت ہو چکے ہیں۔

تالیف

مولانا سعید احمد ایم۔ اے۔ فاضل دیوبند

مطبوعہ جید برقی پریس لہی

سوانح عمری ۱۹۲۲ء
سلسلہ زندۃ المصنفین

(۷)

غلامانِ اسلام

جس میں اُن مقتدر، مستیوں کے سوانح حیات اور کمالات و فضائل بڑی تحقیق و جستجو سے یکجا کیے گئے ہیں جن کو غلام یا آزاد کردہ غلام ہونے کے باوجود اسلامی سوسائٹی میں عظمت و اقتدار کا فلک الافلاک سمجھا گیا ہے اور جن کے علمی، مذہبی، تاریخی اور اصلاحی کارنامے نقشِ دوام بن کر سینۂ عالم پر ثبت ہو چکے ہیں

تالیف

مولانا سعید احمد ام لے فاضل دیوبند

منہج زندۃ المصنفین کے اہتمام سے

جید بقی پریس دہلی میں طبع ہوئی

مجلد
۴

(۱۳۵۹ھ)
(۱۹۴۰ء)

غیر ملکہ
میں

حَقُوقِ طَبَع

ندوة الصنفین کے لیے محفوظ ہیں

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۹	حضرت ابو کبشہ		مقدمہ
۷۰	حضرت زید بن بولہ		صحابہ کرامؓ
	ابا بعینہؓ	۲	حضرت ثوبان
۷۱	حضرت عکرمہ	۴	حضرت بلال بن ابی رباح
۷۷	دنا فغ بن کاؤس	۸	حضرت شہید بن نان
۸۲	سعید بن جبیر	۱۲	حضرت ابو لکیمہ
۹۸	سلیمان بن یسار	۱۳	حضرت سلمان فارسی
۱۰۱	مجاہد بن جبر (یا جبر)	۲۴	حضرت زید بن حارثہ
۱۰۴	عطاء بن ابی رباح	۳۸	حضرت عمار بن یاسر
۱۱۴	طاؤس بن کيسان	۵۰	حضرت سالم
۱۲۳	سلیمان بن مہران (اعمش)	۵۵	حضرت عابر بن تمیمہ
۱۳۱	ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی	۵۸	حضرت ابو رافع
۱۴۰	کحول المشقی	۶۲	حضرت شقران صامح
۱۴۵	مفسور بن زاذان	۶۳	حضرت نجاب بن آدث
۱۴۸	میمون بن مہران	۶۹	حضرت جناب مولیٰ عقبہ بن غزوہ

ب

صفحه	مضمون	صفحه	مضمون
۲۳۵	حضرت عبداللہ بن مبارک	۱۵۳	حضرت سلمہ بن دینار
۲۵۶	یحییٰ بن معین	۱۵۷	عبداللہ بن عثمان
۲۷۰	یحییٰ بن سعید القطان	۱۶۶	عمر بن دینار
۲۷۹	سیفان بن عیینہ	۱۷۱	سیلمان بن طرخان تمیمی
۲۸۶	امام محمد بن الحسن الشیبانی	۱۷۵	حسن بصری
۲۹۹	یزید بن ہارون السلی	۱۸۳	محمد بن سیرین
۳۰۶	لیث بن سعد	۱۹۱	عابد الحالیۃ الراحمی
۳۱۶	عبداللہ بن وہب	۱۹۷	عطاء بن یسار
۳۲۲	عبدالرحمن بن ہمدانی	۱۹۹	ابو بکر بن عیاش
۳۳۳	ولید بن مسلم	۲۰۱	یزید بن اسلم
۳۳۸	حماد بن زید	۲۰۵	یزید بن ابی حبیب
۳۴۱	ابن جریر القرطبی	۲۰۸	عابد الزناد عبداللہ بن وکوان
۳۴۷	علی بن شہر	۲۱۰	مدینۃ الراۃ
۳۴۹	ابو معشر السندی	۲۲۰	محمد بن عثمان
۳۵۱	عبدالغزیز بن عبداللہ الماجشون	۲۲۳	محمد بن اسحاق
۳۵۶	علی بن المدینی		اتباع تابعین وغیرہم

صفحة	مضمون	صفحة	مضمون
	ارباب كشف وكرامات	٣٦٤	محمد بن يحيى الذهلي
٣٣٩	ابو يحيى مالك بن دينار البصري	٣٤٦	ابو محمد يحيى بن يحيى الليثي
٣٦١	ابو محفوظ معروف بن فيروز كرخي	٣٨١	محمد بن عمر الواقدي
٣٤٥	ابو بشر صالح بن بشير المري	٣٩٥	محمد بن سعد الزهري
٣٨٢	ذوالنون مصري	٣٩٨	يحيى بن ابى زائدة
	علماء شعر وادب	٣٠٣	قتيبة بن سعيد الشافعي
٣٩٩	ابو دلامة زندي بن الجون	٣٠٩	ابو زرعة عبيد الله بن عبد الكريم
٥١١	احمد بن محمد بن عبد ربه	٣٢٢	شعبة بن الحجاج بن الورد
٥٢١	ابو عبد الله ياقوت الحموي	٣٣٦	اسماعيل بن علقمة الرومي
٥٣٠	ابو الدرداء ياقوت الرومي	٣٣٦	يحيى بن محمد بن صاعد

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
ع	۱۰	مخالفت	مخالفت	۲۲۱	۱۳	واجب	واجب
۱۲	۶	آمیہ	آمیہ	۲۲۶	۸	غلق	غلق
۲۰	۱۴	لیکینگے	لیکینگے	"	۱۶	کا اندازہ اس	کا اس
۲۳	۱۳	خولد	خوید	۲۶۰	۲	تنبہ	تنبیہ
۳۲	۳	کی	کے	۲۷۵	۱۰	اگرچہ ظاہری	اگرچہ ظاہری
"	"	اٹھائیں	اٹھائے	۳۲۸	۱۲	معینا	معتینا
۳۷	۸	۹۴	۹۱	۳۳۲	۱۵	سب ال بیرے	سب ال بیرے
۵۴	۸	تم لوگ متا کرو	تم اپنی متائیں ظاہر کرو	۳۱۶	۱۵	مسروڑا	مسروڑا
۵۶	۲	عبداللہ بن ابی کر	عبداللہ بن ابی کر	۳۲۰	۸	بنی قصلب	بنی قصلب
۵۸	۲	ستے	تھا	۳۴۵	۱۳	بخوری	بخوی
۷۱	۹	جد جمد	جد و جمد	۳۸۴	۱۱	طامت بود و داسر	طامت بود و داسر
۸۳	۱۰	اس میں	زمین کی گشت میں	۳۸۵	۳	محیط	محیط
۱۲۱	۱۰	مجھے	مجھ سے	۳۸۷	۱۳	بنتا	ہنتا
۱۲۷	۷	فقر منش	فقر منش	۳۹۳	۲	تویہ	توبہ
۱۲۸	۹	ہیں	سے	۵۳۱	۷	زیادہ	زیادہ تر
۱۳۱	۱۱	اسی لیے	اس لیے				
۱۳۸	۱۴	رازگار	روزگار				
۱۶۷	۱۰	سُفان	سُفیان				
۱۷۶	۲	کیشن	کشش				
۱۸۹	۳	وزعا	وزعا				

اِنْتَبَا

اُن مقدس، پاکیزہ روحوں کے نام جن میں سے ہر ایک
زبانِ حال سے پکار پکار کہہ رہی ہے۔

گرچہ خورِ دم نسبتِ بزرگ

ذرہٴ آفتابِ تابانیم

ندوۃ المصنفین دہلی

تفصیل
(۱۹۵۹)

مقدمہ

۱۹۷۹
۱۳۵۱

اس کتاب کے پہلے حصہ میں جو اسلام میں غلامی کی حقیقت کے نام سے شائع ہو چکا ہے، یہ ثابت کیا گیا تھا کہ اسلام نے غلامی کے رواج کو کس مصلحت سے ایک قلم ممنوع قرار نہیں دیا اور اُس نے اس رواج کو باقی رکھا بھی تو کن اصلاحات و ترمیمات کے ساتھ جس کی وجہ سے غلامی غلامی نہیں بلکہ برادری بن گئی۔ اب اس دوسرے حصہ میں تاریخی شہادتوں کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کی تعلیمات پر کس طرح عمل کیا، غلاموں سے متعلق ان کی ذہنیات میں اسلام نے کیسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ اور اس انقلاب سے مسلمانوں کی اجتماعی و تمدنی زندگی کس حد تک متاثر ہوئی۔ قبل اس کے کہ آپ اصل کتاب کا مطالعہ کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ میں اختصار کے ساتھ ان عظیم الشان نتائج و اثرات کا ذکر کر دیا جائے جو غلامی اور غلاموں سے متعلق اسلام کی روشن تعلیمات، اور اُس کے بلند نقطہ نظر پر مرتب ہوئے اور جن کا ثبوت آپ کو اصل کتاب کے ہر صفحہ میں ملیگا

اسلام میں غلامی کا تصور | اسلام سے پہلے دنیا کی متمدن قوموں تک نے غلامی کو نوع انسانی کی ایک مستقل صنف قرار دے کر عام انسانوں کو آزاد اور غلام کی دو قسموں پر تقسیم کر رکھا تھا اور پھر جتنے تمدنی اور معاشرتی حقوق تھے وہ سب آزاد لوگوں کے لیے مخصوص تھے۔ غلام اُن سے بہرہ اندوز

نہیں ہو سکتے تھے۔ ان قوموں کی اس ذہنیت کا اثر یہ ہوا کہ غلام کو سوسائٹی کی نگاہ میں ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ سوشل زندگی میں اُس کا کوئی حصہ نہ تھا۔ پھر اُس کی بیوی بچے اور اولاد در اولاد اُن سب کے ساتھ اسی نفرت و حقارت کا معاملہ ہوتا تھا، لیکن اسلام نے غلامی کو اُس زمانہ کے آئینِ جنگ کے مطابق محض ایک قسم کی سزا قرار دیا، جس کا تعلق اُس شخص کی ذات سے دائمی نہیں بلکہ محض عارضی اور زوال پذیر ہوتا ہے۔ اسلام میں جس طرح ذاتِ پات کی اور ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ کی طبقاتی تقسیم قطعاً ایک بے معنی چیز ہے۔ اسی طرح اسلامی نقطہ نظر اس کی اجازت نہیں دیتا کہ انسانی سوسائٹی کو آزاد اور غلاموں کے دو طبقوں تقسیم کیا جائے۔ اور پھر دونوں کے مدنی و شہری حقوق کی الگ الگ تشخیص و تعیین کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں تک غلامی کی حیثیت سزا کی سی ہے آزاد اور غلام میں فرق و امتیاز ہے لیکن سوشل معاملات، تمدنی حقوق اور انسانی مقصدیات کے اعتبار سے آقا اور غلام دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مصر کے نامور فاضل اور مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم نے بالکل صحیح لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

”اسلام نے غلاموں کی حالت کو سدھارا اور آزادی کی راہ میں ان کی دستگیری کی، اسلام نے

کھانے پینے، لباس اور تعلیم و تہذیب اور دوسرے بڑے بڑے مدنی و شہری حقوق

(Civil rights) میں آقا اور غلام دونوں کو برابر کے درجہ میں رکھا ہے“

آزاد کردہ غلام کی حیثیت یہی وجہ ہے کہ اسلام میں غلام جب تک غلام رہتا ہے اُس کے لیے بحیثیت سزا یافتہ ہونے کے کچھ ایسی پابندیاں ضروری ہیں جن سے اُس کے انسانی شرف و عظمت پر کوئی اثر

امام نووی اسی حقیقت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ حَكْمَ السَّيِّدِ عَلَيْهِ وَمِلْكُهُ لَهُ
 غلام پر اُس کے آقا کا حکم اور اُس کی ملکیت غلام کی
 كَحَبْلِ فِي رَقَبَةِ الْعَبْدِ وَكَالْفِضْلِ
 گردن میں ایک رسی اور اُس طوق کی طرح ہے جو اس
 الْمَانِعِ لَهُ مِنَ الْخُرُوجِ فَاِذَا اعْتَقَ
 کو بچنے سے منع کرے لیکن جب وہ آزاد ہو جاتا ہے
 فَكَأَنَّهُ اُطْلِقَتْ رَقَبَتُهُ مِنْ ذَلِكَ
 تو گویا اُس کی گردن رسی یا طوق سے بالکل آزاد ہو جاتی

ولاد کا تعلق | بلکہ آزاد ہونے کے بعد غلام اور آقا میں ایسا تعلق اور رابطہ قائم ہو جاتا ہے کہ غلام اپنے آقا کے خاندانی یا قبائلی شرف و مجد میں برابر کا شریک سمجھا جاتا ہے، شریعت اسلام کی اصطلاح میں اس تعلق کو ولاد کہتے ہیں۔ اور اس کو الولاء المحمۃ النسب“ فرما کرتا مضبوط اور ناقابل انفکاک قرار دیا گیا ہے کہ جس طرح وہ شخص جو اپنے باپ کے علاوہ اپنے آپ کو کسی اور شخص کا بیٹا بتاتا ہو عند الشرع ملعون ہے اسی طرح جو غلام کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے اُس پر بھی لعنت بھیجی گئی ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”موئی القوم منہم د کسی قوم کا موئی اُسی کا ایک فرد ہوتا ہے علامہ ابن خلدون اس کی توضیح اس طرح کرتے ہیں :-

”اہل مصیبت جب غیر سب کے لوگوں کے ساتھ کوئی محافت کرتے ہیں، یا ان کو فلام بتاتے

ہیں اور یہ لوگ ان کے ساتھ گھل مل کر رہتے ہیں تو یہ بھی مصیبت میں اہل قبیلہ کے شریک بنتے ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔ "مولى القوم منہم" یہ مولیٰ عام ہے، خواہ مولیٰ رِق ہو یا مولیٰ "لفظ" پھر تگے چل کر لکھتے ہیں:-

تمام بڑی بڑی حکومتوں کے آزاد کردہ غلاموں کا حال یہی تھا، یہ حکومت کے ولاد میں حصہ دار ہونے کے باعث نہایت عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جلتے تھے۔ چنانچہ حکومت بنو عباس میں ترک موالی، بنو ہرک، اور بنو نجحت اس دعوے کے شاہد عدل ہیں۔ ہر ایک کو معلوم ہے کہ ہارون رشید کے ولاد کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے جعفر بن یحییٰ بن خالد کس قدر منظم و محترم سمجھا جاتا تھا۔

آزاد کردہ غلام کے مدنی حقوق آزاد ہونے کے بعد اب وہ تمام کام کر سکتا ہے جو ایک حُرِ اصل انسان کے لیے جائز ہیں، وہ لشکروں کی قیادت کر سکتا ہے۔ چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے، اور اپنے اندر دینی و بیرونی معاملات میں تصرف و اختیار کا پورا مجاز ہے۔

قیادت لشکر حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ غلام زادہ تھے، اور کمن بھی لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس لشکر کی قیادت کے لیے منتخب فرمایا۔ جس میں حضرت عمر ایسے کا بر صبا بہ شامل تھے۔ یہ لشکر مقام خندق تک پہنچا تھا کہ سید کوثرؓ کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے بعض حضرات کی چہ میگوئیوں کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو یہی باقی رکھا، اور اب آپ نے اس لشکر کو روانہ کیا تو اس شان سے کہ حضرت ایامہ

گھوڑے پر سوار تھے۔ اور خود خلیفہ اسلام اُن کی مشایعت کے لیے پایادہ چل رہا تھا۔ اُسامہ بولے
 ”آپ کو خدا کی قسم! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیے، ورنہ پھر میں بھی اُترا جاتا ہوں“ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا
 ”نہیں تمہیں خدا کی قسم! تم ہرگز نیچے نہ اُتو اور میں بھی سوار نہیں ہوں گا“

امامت آج کل نمازیں امامت ہر کمرہ و مہ کر لیتا ہے، لیکن عہد صحابہ میں اس منصب و قیام کی یہ بول
 حالت نہیں تھی۔ اُس زمانہ میں وہی حضرات امامت کر سکتے تھے جو علم و فضل اور تقویٰ و طہارت
 میں نمایاں شخصیت رکھتے تھے اور مسلمانوں میں جنہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اسلام
 کو غلامی کے رواج پر بدنام کرنے والوں کو تعجب ہو گا کہ اس عہد میں احرار کی طرح غلام بھی امامت
 کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے حلیل القدر صحابہ ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے حضرت سالمؓ جو
 خَدِیجہ بن ابی امیہ کی امامت کا واقعہ حدیث کی متعدد صحیح کتابوں میں مذکور ہے، وہ تو خیر آزاد کردہ غلام
 تھے۔ ان کے علاوہ متعدد واقعات ایسے بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ غلام غلامی کی حالت میں
 امامت کرتے تھے۔ مثلاً ابوسفیان جو عبداللہ بن احمد کے غلام تھے آزاد ہونے سے پہلے بھی نماز پڑھاتے
 تھے، اور اکابر صحابہ ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے، چنانچہ داؤد بن ابی حصین کے الفاظ یہ ہیں: بِإِثْنِ
أَبِاسْفِيَانَ كَانَ يُؤَمِّدُ بَنِي عَبْدِ اللَّهِ شَهْلَ فِي مَسْجِدِهِمْ وَهُوَ مَكَاتِبُ فِي رَمَضَانَ وَفِيهِمْ قَوْمٌ قَدْ
شَهِدُوا بَدْرًا وَالْعَقَبَةَ۔ یہ واقعہ تو اُن کے مکاتیب ہونے کے زمانہ کا ہے، لیکن ایک مرتبہ جبکہ یہ مکاتیب
 بھی نہیں بلکہ قرین محض تھے نماز پڑھا رہے تھے کہ محمد بن مسلمہ، اور سلمہ بن سلمہ جو مشہور صحابی ہیں ادھر
 سے گزرے تو ابوسفیان کی قرأتِ شُننے کے لیے کھڑے ہو گئے، اور پھر فرمایا:-

ماہذا من امامہ بائیں ایسے امام ہیں تو مصافحہ نہیں ہے۔

اسی طرح ذکوان بھی جو حضرت عائشہ کے غلام تھے اور جن کو انہوں نے فداء کر دیا تھا قریش کی امامت کرتے تھے۔ عبداللہ بن ابی مُلیک کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ مقام حراء اور تبوک کے درمیان قیام پذیر تھیں، ان سے شرف نیاز حاصل کرنے قریش کے بڑے بڑے وفد آتے تھے، اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو جاتا تھا تو حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر امامت کرتے تھے، اور اگر وہ موجود نہ ہوتے تو ذکوان (فتا۱) اس فرض کو انجام دیتے تھے۔

شادی [آج کل سادات اور شیوخ غیر ذات کے لوگوں سے خواہ وہ کیسے ہی حُر الاصل ہوں ازدواجی تعلق قائم کرنا اپنے لیے باعثِ ننگ سمجھتے ہیں، لیکن عہد صحابہ و تابعین میں غلاموں سے متعلق اسلام کی پیدا کی ہوئی ذہنیت کا اثر یہ تھا کہ نہایت نجیب الطرفین حضرات بھی باندیوں اور غلاموں سے شادی کرنے کو ذرا معیوب خیال نہیں کرتے تھے۔ امام زین العابدینؑ جو خاندان نبوت کے چشم و چراغ تھے اُن سے بڑھ کر نجیب و شریف کون ہوگا، سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کی والدہ محترمہ (شہربانو) بیوہ ہو گئیں تو امام زین العابدینؑ نے اُن کا نکاح امام حسینؑ کے غلام زبید سے کر دیا اور خود اپنا نکاح اپنی ایک باندی سے اُسے آزاد کر کے کر لیا۔ عبدالملک بن مروان نے اس پر طعن کیا تو امام عالی مقام نے جواب میں ارشاد فرمایا: ہم سب کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسوہ حسنہ تھے۔ آپ نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے اپنا نکاح اُن سے کیا، اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش کو اپنے غلام حضرت

زید کے جہالہ عقید میں دیا۔

حنظلہ ناموس | غلاموں اور باندیوں کے ناموس کی حفاظت بالکل احرام کے ناموس کی طرح کی جاتی تھی اگر کوئی شخص اس پر حملہ کرتا تو اُسے خاطر خواہ سزا ملتی تھی۔ عہد فاروقی کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی غلام نے ایک باندی کے ناموس کو مجروح کرنے کی کوشش کی، حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے غلام کے کوڑے لگوائے اور اُس کو شہر بدر کر دیا۔

کسی غلام اور حُر میں کوئی جھگڑا ہوتا تھا، تو غلامی اور آزادی سے صرف نظر کر کے معاملہ کی واقعی تحقیق کی جاتی تھی۔ اور پھر جس کا حق ثابت ہوتا تھا، اُسے بے تکلف دلا دیا جاتا تھا، ایک مرتبہ حضرت اُسامہ بن زید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور عمرو بن عثمان میں ایک جائداد سے متعلق نزاع ہو گیا، دونوں میں سے ہر ایک اُس کی ملکیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ عمرو بن عثمان نے کہا "اے اُسامہ! کیا تمہیں میرا مولیٰ بننے سے نفرت ہے؟ حضرت اُسامہ نے فرمایا "بخدا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلا کے بدلہ میں تو میں تجھ سے نسبِ حلق قائم کرنے کو بھی قبول نہیں کر سکتا" فیصلہ کے لیے دونوں حضرت معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سعید بن العاص اس مجلس میں موجود تھا، وہ یہ دیکھ کر عمرو بن عثمان کے حامی ہو گئے اور اُسے حجت کی تلقین کرنے لگے۔ اب حضرت حسنؓ آگے بڑھے اور وہ حضرت اُسامہ کے پہلو میں بیٹھ کر انہیں دلیل بتانے لگے۔ اس کے بعد عتبہ بن ابی سفیان، عمرو بن عثمان کا حامی ہو گیا۔ اتنے میں امام حسینؓ بھی تشریف لے آئے اور وہ بھی حضرت اُسامہ کی حمایت کرنے لگے۔ غرض کہ اس طرح دو پارٹیاں ہو گئیں۔ ایک جانب عبد الرحمن

بن ام حکم اور ولید بن عقبہ تھے جو عمرو بن عثمان کے حامی تھے، اور دوسری جانب حضرت عبداللہ بن عباس، اور عبداللہ بن جعفر تھے جو حضرت اسامہ کی تائید کر رہے تھے، دونوں طرف کے دلائل و شواہد سننے کے بعد امیر معاویہ نے فرمایا ”جو اصل معاملہ ہے وہ مجھ کو معلوم ہے، جب یہ جائداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو عطا فرمائی تھی، اُس وقت میں خود وہاں موجود تھا“ اس فیصلہ کو سن کر تمام انہنی جو یہاں موجود تھے بہت خوش ہوئے اور گھر واپس چل آئے تحصیل علم و فضل | غلاموں اور آزادوں میں سوشل مساوات اور برابری کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ تحصیل علم و کمال کے دروازے دونوں پر کھلیاں کھلے ہوئے تھے اور جو غلام اپنی فطری استعداد، محنت اور ذاتی ذوق و شوق کے باعث علم و فضل میں کوئی نمایاں مقام حاصل کر لیتے تھے اُن کی تعظیم و تکریم اُن کی علمی جلالتِ شان کے مطابق کی جاتی تھی، بڑے بڑے سلاطین و امراء اُن کی قدر دانی کرتے، اور اُن کی عظمت و برتری کو تسلیم کرتے تھے۔ عہد تابعین تو اس لحاظ سے خاص طور پر مشہور ہے کہ اس زمانہ میں فقہ کے اکثر مراکز پر موالی کا قبضہ تھا۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ جب عبادہ ثلاثہ یعنی حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کا انتقال ہو گیا تو تمام ممالک میں فقہ کے مراکز موالی کی طرف منتقل ہو گئے۔ چنانچہ کہیں حضرت عطاء بن ابی رباح ہیں میں طاؤس بن کسان پیامہ میں بھی بنی ابی کثیر، بصرہ میں حسن بصری، کوفہ میں ابراہیم الحنفی، شام میں مکحول اللہ شقی، اور خراسان میں عطار الخراسانی فقہ میں مرجعِ انام تھے۔ البتہ مدینہ میں صرف حضرت سعید بن المسیب فقہ کے امام

سمجھے جاتے تھے، جو قرشی الاصل تھے۔ اُستادِ کریم علی جوہر صاحب نے مشہور کتاب ”اسلام اور مصنف“ میں لکھتے ہیں:-

”غلام زیادہ تر روم، فارس، حبش، سوڈان وغیرہ اُن قوموں میں سے ہوتے تھے جو جزیرۃ العرب کے پُرسوں میں واقع تھیں اور جنہوں نے عربوں سے جنگ کی تھی ان میں کثرت سے وہ لوگ تھے جن کی اولاد کو مسلمانوں نے اچھی تربیت دی، اُن کو قرآن و سنت کا عالم بنایا جسکی وجہ سے علم و فضل میں عربی الاصل صحابہ اور کبار تابعین کے ہمسر ہو گئے، کوئی شہر یا انہیں تقاضا میں طلب علم والی کی بھاری تعداد موجود نہ ہو اور بعض شہروں میں تو فقہاء و موالی کی تعداد عرب فقہاء سے کہیں زیادہ تھی۔“

اسلام کی عام اخلاقی تعلیم اور خصوصاً اُن تعلیمات نے جو غلاموں اور باندیوں سے متعلق تھیں، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال نے عربوں کی پُرانی ذہنی عصبیت میں بہت کچھ تبدیلی پیدا کر دی تھی، لیکن پھر بھی عام لوگوں میں پُرانی ذہنیت کا کچھ اثر باقی تھا کہ اکابر صحابہ اور اہل بیت کے عمل نے اس کا بالکل خاتمہ کر دیا، جاہل کا بیان ہے کہ لوگ باندیوں سے نکاح کرنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، اور اسی طرح جو باندیوں کے لطف سے ہوتے تھے ان کو بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، لیکن جب ان لوگوں نے حضرت ابوالقاسم بن محمد بن ابی بکر سالم بن عبداللہ بن عمرو بن علی بن الحسین کو دیکھا کہ ان تینوں کی والدائیں محترمہ وہ خواتین تھیں جو جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور اس کے باوجود مدینہ حجاز اور عراق میں کیا تمام روکڑ زمین

لے مجملہ البلدان ج ۳ ص ۳۱۲ سے الاسلام والحضارة العربیة ج ۱ ص ۹۴۔

اسلامی نقطہ نظر اور قرآن و حدیث کے حکموں کی روشنی میں

سے علی بن الحسینؑ کی والدہ ماجدہ کے متعلق اس روایت کو اگرچہ ابن قفلان جیسے نامور مورخ نے قبول کیا ہے تاہم اسکی صحت میں بہت کچھ کلام کی گنجائش ہے۔ مگر عیساکہ ظاہر ہے اس وقت ہمارا موضوع اس روایت کی تفسیر نہیں بلکہ غلاموں اور باندیوں کے متعلق

میں کوئی نہ تھا جو عزت و شرف میں ان کا حریف بن سکے، تو ان لوگوں کی ذہنیتوں میں بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی، ابو العباس مبرد نے اسی قسم کا ایک واقعہ لکھا ہے جس سے جا حظ کی تائید ہوتی ہے۔ اس واقعہ میں بھی حضرت ابو القاسم، سالم، اور علی بن حکیم رحمہم اللہ کا تذکرہ ہے۔

مسلمانوں کی اس پاک صاف ذہنیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول استاذِ کرد علیؒ "وہ غلاموں کے ساتھ اپنا جیسا معاملہ کرتے تھے۔ اُن کے لیے فراخی عیش کے دروازے کھلے رکھتے تھے انہیں تعلیم دیتے اور بہترین تربیت سے آراستہ کرتے تھے، ان کی قدر و منزلت کرتے تھے غلاموں کا نکاح اپنی بیٹیوں سے، اور اپنا نکاح لونڈیوں سے کرتے تھے، یہاں تک کہ غلام لطف و کرم کی اس رُوح پرور فضا میں رہ کر اپنے آپ کو آزاد، اور آقا کے گھر کا ایک فیملی ممبر سمجھتا تھا۔

اس اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر، غلاموں، اور غلام زادوں نے تاریخ میں کیسے کیسے عجیب و غریب علمی اور علمی شاندار کارنامے کئے؟ اور مسلمانوں نے ان کے کمالات ذاتی، اور علم و فضل کی کس طرح قدر کی؟ اور اسلامی سوسائٹی نے اُن کے ساتھ کس تعظیم و تکریم کا معاملہ کیا؟ یہ چند سوالات ہیں جن کے تحقیقی و مستند جوابات آپ کو زیرِ نظر کتاب کے صفحات میں ملینگے۔

آخر میں کتاب کی نسبت دو ایک باتیں عرض کرنی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب اس کتاب کی تصنیف کا ارادہ کیا گیا تھا، تو خیال تھا کہ اس میں محدثین و فقہاء اور اولیاء

وصوفیہ کے ذکر کے ساتھ اُن سلاطین و امراء کا ذکر بھی شامل کر دیا جائے جنہوں نے غلام ہونے کے باوجود عظیم الشان سیاسی کام انجام دیے ہیں لیکن تاریخ و سیر کی کتابوں کا مطالعہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ سلاطین و امراء کا ذکر تو درکنار ایک ضخیم جلد میں تمام محدثین و فقہاء کا تذکرہ بھی نہیں آ سکتا، چنانچہ اس کتاب میں بہت ہی منتخب اور نمایاں اربابِ علم و فضل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اگر ان کا استیعاب کیا جاتا تو انہی کے حالات میں کئی جلدیں ہو جاتیں۔ پھر غلام سلاطین و امراء بھی اس کثرت سے ہیں کہ اُن کے ذکر کے لیے ایک جگہ فی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس بنا پر مجبوراً اس کتاب کو علماء و فضلاء کے ذکر تک محدود رکھا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عربی زبان میں ”مولیٰ“ کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس کے معنی آزاد کردہ غلام بھی ہیں۔ اور مولیٰ اُس کو بھی کہتے ہیں جو غمی ہونے کے یا وصف کسی عربی خاندان میں مسلمان ہوا ہو، اور اُس سے مخالفت کر لی ہو۔ اس بنا پر میں نے یہ نہیں کیا کہ ہر وہ شخص جس کے نام کے آگے ”مولیٰ“ کا لفظ لکھا دیکھا اُس کو غلام یا مِلّہ اسلام کی فہرست میں شامل کر لیا، بلکہ اپنی بساط کے مطابق تحقیق کی ہے کہ مولیٰ سے واقعی آزاد کردہ غلام مراد ہو یا نہیں؛ اسی بنا پر امام بخاری وغیرہ اصحاب کا ذکر چھوڑ دیا گیا جن کو بعض ارباب سیر نے مولیٰ لکھا ہے۔ لیکن دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہاں دلائل و عتاقہ مراد نہیں بلکہ دلائل اسلام مراد ہو۔ اسی طرح میں نے امام شعبی وغیرہ ایسے اصحاب کا تذکرہ بھی شامل کتاب نہیں کیا ہے، جن کی نسبت ایک ضعیف سی روایت ہے کہ ان کی ماں جنگِ جلولاء کے قیدیوں میں سے تھیں اور حضرت شعبی کے والد مشر حِیل کے حصّہ میں آئی تھیں۔ کیونکہ اگر یہ روایت قوی ہوتی تب بھی اولاد

چونکہ خیرالابوین کے تابع ہوتی ہے۔ اس لیے حضرت شعبی غلام نہیں کہلا سکتے تھے۔

کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے عہد صحابہ کے غلاموں کا تذکرہ ہے، پھر تابعین اور اُس کے بعد اتباع تابعین وغیرہم کا۔ یہ تقسیم طبقہ وار ہے۔ افسوس ہے کہ میں سنین کے اعتبار سے ترتیب قائم نہیں رکھ سکا، یعنی اس میں آپ کو بعض اُن بزرگوں کے حالات پہلے ملینگے جن کا بعد میں انتقال ہوا ہے۔ اور جو سند وفات کے اعتبار سے ان سے مقدم ہیں ان کا ذکر بعد میں ہے۔ ناموں کی تقدیم و تاخیر میں میں نے حتی الوسع جلالتِ مرتبت کا لحاظ ضرور رکھا ہے لیکن کہیں کہیں اس کا خلاف بھی ہو گیا ہے

واقعات کی تحقیق و تنقیح میں متعدد و بھر محنت و جستجو سے کام لیا گیا ہے جو نہایت ہی مستند تاریخی مآخذ ہیں، اُن کی مدد سے معتبر اور بالکل صحیح واقعات فراہم کر کے احتیاط سے مرتب کیے گئے ہیں۔

مجھ کو یہ کہنے میں مسرت ہے کہ اگر برادر محترم مولانا عتیق الرحمن صاحب عثمانی خود کا بیویاں اور پر و فوں کی تصحیح نہ کرتے تو یقیناً کتاب میں بعض جگہ میری کوتاہی کی وجہ سے نہایت فاحش غلطیاں رہ جاتیں لیکن اس کے باوجود یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ کتاب اب بھی غلطیوں سے بالکل مبرا ہے۔ اول تو کوئی انسانی کام خطا سے یوں بھی خالی نہیں ہوتا اور پھر کام بھی ایک اُس بندہ عاجز کا جو سراپا تقصیر خطا ہو۔ اُس کی نسبت بالکل صحت کا دعویٰ کس طرح ہو سکتا ہے؟ بہر حال یہ جو کچھ بھی ہوا ہے اللہ کی توفیق

سہی انجسام پذیر ہو گا ہے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ اَعْلٰی الْعَظِیْمِ دُوْحَسْبٰی وَنَعْمَ الْوَكِیْل

سعید احمد

ندوة المصنفین دہلی

۱۸ جون ۱۹۴۰ء

غلامانِ اسلام

تالیف

مولانا سعید احمد صاحب ایم اے فاضل دیوبند

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ثوبانؓ

والد کا نام جبریا مجدد تھا، کنیت ابو عبد اللہ، اور نام ثوبان۔ یمن کے باشندے تھے پہلے غلام تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد کر دیا، اور فرمایا ”اگر تم اپنے خاندان میں جانا چاہتے ہو تو وہاں چلے جاؤ، اور اگر یہاں قیام کرنا پسند کرو تو تم میرے اہل بیت میں سے ہو“ انہوں نے بارگاہ نبوی میں رہنا ہی اختیار فرمایا اور سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ایک مرتبہ آپ نے اہل بیت کے لیے دعا کی، حضرت ثوبان بولے ”انا من اہل البیت“ (میں بھی اہل بیت میں سے ہوں؟) حضرت نے فرمایا ”ہاں! جب تک تم کسی روزانہ کی چوکت پر نہ کھڑے ہو یا کسی امیر کے پاس سوال کرنے نہ جاؤ۔“

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما رہے حضرت ثوبان جلوت و خلوت میں آپ کے ساتھ رہے، وفات کے بعد کچھ دنوں تک مدینہ میں ہی قیام رہا، پھر رملہ (شام) میں اقامت اختیار کر لی اور وہیں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت ثوبان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شریف غلامی حاصل تھا وہ اس کا

اس قدر احترام کرتے تھے کہ ایک مرتبہ محسوس ہوا کہ وہاں کا گورنر آپ کی عیادت کے لیے نہ آیا تو آپ نے اُس کو لکھا "اگر موسیٰ اور عیسیٰ کا غلام تمہارے یہاں ہوتا تو کیا تم اُس کی عیادت کے لیے نہ آتے؟ گورنر حضرت ثوبان کے ان الفاظ سے اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً بدحواسی کے عالم میں گھر سے نکلا اور آپ کے گھر آکر دیر تک مزاج پرسی کرتا رہا۔

حضرت ثوبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لیے آپ کو احادیث کثرت سے یاد تھیں، اور پھر حفظ حدیث کے ساتھ وہ اُس کی اشاعت و تبلیغ کا فرض بھی انجام دیتے تھے۔ اس فضل و کمال کی وجہ سے لوگ آپ سے احادیث سننے کے متعلق رہتے تھے ایک بار لوگوں نے اس کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فرمایا "جو مسلمان خدا کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے۔ خدا اُس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے۔ اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔"

بڑے بڑے علماء اُن سے اپنی سموعد احادیث کی تصدیق کراتے تھے۔ معدان بن طلحہ جلیل القدر محدث تھے۔ انہوں نے حضرت ابو ذرؓ سے ایک حدیث سنی تو اُس کی تصدیق حضرت ثوبان سے کی۔

معدان کے علاوہ ابودائس الخولانی، ابو عامر الہامانی، عبد الرحمن بن غنم، جبرین نفیر اور دوسرے ائمہ حدیث نے ان سے روایت کی ہے۔

حضرت بلال بن رباحؓ

ابو عبد اللہ کنیت، بلال نام، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا۔ اصل کے اعتبار سے حبشی تھے۔ مکہ میں پیدا ہوئے، اُمیہ بن خلف اُن کا آقا تھا۔

اسلام آپ اُن سات السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ میں سے تھے جنہوں نے توحید کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہا۔ اس جرم میں اُن کا آقا اُمیہ بن خلف اُن کو سخت اذیتیں پہنچاتا تھا، تپتی جوی ریگ، اور جلتے ہوئے سنگریزوں پر ان کو لٹا دیتا اور زد و کوب کرتا۔ مشرکین کے لٹکے ان کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر اس زور سے کھینچتے کہ دم گھٹنے لگتا تھا۔ مگر توحید کی شراب طہور نے ان کو جس کیفِ جاں نواز سے آشنا کر دیا تھا، اُس کا نشہ کہیں ان تکلیفوں سے کم ہو سکتا تھا۔ ابو جہل اُن کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی گرمی تیز ہو جاتی، تو پوچھتا "بلال! اب بھی محمد کے خدا سے باز نہ آو گے؟" شمع نبوت کا یہ پروانہ جاں نثار اس وقت بھی کتا "أَحَدٌ أَحَدٌ" یعنی خدا ایک ہے ایک ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک روز اس حالت میں دیکھا تو خرید کر آزاد کر دیا۔

فضائل | حضرت بلال کی آواز نہایت شیریں اور دلکش تھی، اس لیے مدینہ طیبہ میں جب مسجد کی تعمیر ہو چکی اور نماز پنجگانہ کا اہتمام کیا گیا، تو حضرت بلال مؤذن مقرر ہوئے۔ آپ اسلام کے

سے طبقات ابن سعد مذکورہ حضرت بلال سے اسد الغابہ ذکر حضرت بلال۔

سب سے پہلے موزن ہیں۔

آپ سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہتے تھے۔ یہاں تک کہ غزوات میں بھی شریک رہے۔ معرکہ بدر میں اُمیہ بن خلف انہی کی شمشیر ابدار سے قتل ہوا۔ فتح مکہ کے وقت کو کبہ نبوی مکہ میں شان و تجل کے ساتھ داخل ہوا تو حضرت بلال اُس وقت بھی ہمراہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ”بلال اکعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دو“ اللہ اکبر! وہ حیم قدس جس کو اسلام کے معمار ولین حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا تھا، ایک عرصہ تک بتکدہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد غلام کی اذان توحید سے گونجا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:-

ابوبکر سَيِّدُنَا وَاعْتَقَ سَيِّدَنَا یعنی ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور اُنہوں نے ہمارے سردار یعنی بلالؓ کو آزاد کرایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ”ایک دن فجر کی نماز کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو بلا کر پوچھا ”اپنا کوئی ایسا عمل تم مجھ کو بتاؤ جس پر ثواب کی توقع سب سے زیادہ ہو، کیونکہ میں نے تمہارے جو توں کی آواز اپنے آگے جنت میں سُنی ہے حضرت بلالؓ نے فرمایا ”میں نے ایسا عمل تو کوئی نہیں کیا، البتہ دن رات میں کوئی وضو ایسا نہیں ہے کہ اُس کے بعد میں نے

لے حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر خوش ہو کر شیشہ پڑھا:-

هنيئاً زادك الرحمن خيراً فعدا دمكت تاركك يا بلال

مہارک ہو خدائے مہربان کی خوشخبری، تم نے لے لیا بلال اب اپنا بدلہ پا لیا۔

لے بخاری باب مناقب حضرت بلال۔

نماز نہ پڑھی ہوئے

سبقتِ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر میں ساتھ رہنے کے باعث حضرت بلالؓ کو جو شرف حاصل تھا، تمام صحابہ اُس کا احترام کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں کسی کام کے لیے رُوسلے مکہ کا ایک گروہ باپ خلافت پر حاضر ہوا اور باریابی کی اجازت طلب کی۔ ان کے ساتھ حضرت بلالؓ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے حضرت بلالؓ کو اندر بلایا۔ بعض سردارانِ قریش کو یہ بات ناگوار گزری اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ شرفاً منظرِ میٹھے ہیں اور ایک غلام کو شرفِ باریابی حاصل ہو رہا ہے۔ اِس پر عکرمہ بن ابی جبل نے کہا ”بلانے والے نے سب کو ایک آواز سے بلایا لیکن ہم نے اُس وقت بھی اُس آواز کو جد میں سنا۔ لہذا اب بھی وہ ہی لوگ پہلے باریابی حاصل کرنے کے حقدار ہیں جنہوں نے اسلام کی آواز پر ہم سے پہلے لبیک کہا۔ آج ہمیں شکایت کا کوئی حق نہیں ہے۔“ نکاح آپؐ نے متعدد نکاح کیے تھے اور اُن کی بعض بیویاں عرب کے شریف و مغز فائدہ مند سے تعلق رکھتی تھیں۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ابن ابی بکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہماری ہمیشہ کا نکاح کسی سے کر دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا ”تم بلالؓ کو چاہتے ہو؟“ وہ پھر واپس آئے اور یہی عرض کیا۔ حضورؐ نے پھر وہی فرمایا تین مرتبہ ایسا ہی ہوا، بالآخر وہ راضی ہو گئے اور کہا ”آپؐ کو اختیار ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ابو بکرؓ کی صاحبزادی کا نکاح حضرت بلالؓ سے کر دیا۔ حضرت قتادہؓ کی روایت کے مطابق آپؐ کا ایک نکاح بنو زہرہ کی

ایک عرب عورت سے بھی ہوا تھا۔ اور آپ کی بیوی کا نام ہند اخوانیہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلال ملک شام میں جا کر متوطن ہو گئے تھے۔ بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے وہاں بھی ایک نکاح کیا تھا۔

علیہ حضرت بلال کا جسم لاغر، رنگ سیاہ، اور قد نہایت طویل تھا۔ سر کے بال نہایت گھنے، خدارا اور اکثر سفید تھے۔

وفات ۱۱۰ھ میں کم و بیش ساٹھ برس کی عمر میں وفات پائی اور دمشق میں باب الصغیر کے قریب دفن ہوئے۔

۱۰ طبقات ابن سعد ص ۱۶۹ جلد ۲ ۱۱ ابن عساکر ص ۲۰۱ جلد ۳

۱۲ مولانا شبلی نے حضرت بلال کے واقعہ نکاح کو مؤثر پیرایہ میں نظم کیا ہے، ہم اس کو ذیل میں درج کرتے ہیں:-

بارگاہ نبوی کے جو موزن تھے بلال
جب یہ چاہا کہ کریں عقدہ زمیں کہیں
ہوں غلام ابن غلام اور حبشی زادہ
ابن فضائل پر مجھے خواہش تزیج بھی ہے
گردنیں جھکے کی کتنی تھیں کہ دل کو منظر
عبد فادق میں جبرن کہ ہوئی ناکی و فاق
مٹ گیا کج زمانہ سے ہمارا آقا!
اس مساوات پر جو معشر اسلام کو ناز
کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جا کے انصارہ ہما جیسے کیا یہ کھل کر
یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و مند
ہر کوئی جس کو نہ پوچھو تیرا قربت سمجھو
جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر
یہ کیا حضرت فاروق نے بادیہ تر
اٹھ گیا آئی فقیہ حشیم پیغمبر
نہ کہ یورپ کی مساوات کہ ظلم اکبر!

۱۳ طبقات ابن سعد ص ۱۷۰ جلد ۲ ۱۴ ابن عساکر ص ۲۰۱ جلد ۳

حضرت صہیب بن سنان

صہیب نام اور ابو یحییٰ کنیت تھی، والد کا نام سنان، اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت قعیدہ تھا۔ ان کے والد اور ان کے چچا شاہ فارس کی طرف سے مقام ابلہ میں حاکم تھے۔ ان لوگوں کے مکانات لبِ دجلہ شہر موصل کے پاس تھے۔ اہل روم نے ان پر ٹخوں مارا اور حضرت صہیب کو جو اُس وقت صغیر السن تھے پکڑ کر لے گئے اور غلام بنا لیا۔ پھر ان کو قبیلہ کلب کے لوگوں نے خرید لیا اور مکہ لے آئے۔ عبداللہ بن جدعان نے کلب سے خرید کر آزاد کر دیا۔ لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے اور عبداللہ بن جدعان سے محالفت کر لی تھی۔ اور ابن جدعان کی اخیر زندگی تک اُس کے ساتھ رہے۔

اسلام آگے معظمہ میں تیس آدمی اسلام لاچکے تھے کہ حضرت صہیب، حضرت عمار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ آپ نے ان میں اور عمار بن صفوان کے درمیان مواخات کرادی تھی۔

کفار و مشرکین مکہ نے ان پر طرح طرح کے جانگسل مصائب توڑے۔ بالآخر حضرت علی کی مسیت میں ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ مکہ سے روانہ ہوئے تھے کہ کفار نے تعاقب کیا۔ انہوں نے اپنا ترکش سنبھال لیا، اور فرمانے لگے ”اے قریش کے لوگو! تم جلتے ہو میں تم سب کو اچھا تیرا نذاہوں، خدا کی قسم تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ جتنے تیر میرے پاس ہیں، وہ سب

میں تم ختم کر دوں گا، اور اس کے بعد اپنی تلوار سے کام لوں گا، جب تک وہ میرے ہاتھ میں ہوگی
 ہاں اگر تم میرا مال چاہتے ہو، تو میں تمہیں بتا دوں۔ ان لوگوں نے کہا ”اچھا تمہیں اپنا مال ہی
 بتا دو“ چنانچہ حضرت صہیبؓ نے اُن کو اپنے مال کا پتہ بتا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس
 کی خبر ہوئی تو فرمایا ”اے ابوبکھی! تمہاری تجارت بہت اچھی رہی۔ اور اس پر یہ آیت نازل
 ہوئی :-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي نَفْسَهُ
 ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ مُتَوَكِّفٌ
 عَنِ الْعِبَادِ
 مہربان ہے۔

مزاح | طبیعت میں مزاح بعد تھا خود فرماتے ہیں کہ میں مکہ سے روانہ ہو کر قبا میں آنحضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس وقت آپ کے سامنے کھجوریں رکھی ہوئی تھیں اور
 آپ اُن کا شغل کر رہے تھے، میری ایک آنکھ آشوب کڑی تھی۔ راستہ میں تشنگی اور بھوک کا غلبہ ہا
 تھا اس لیے جلتے ہی میں نے کھجوریں کھانی شروع کر دیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ”کیا تم آشوب چشم کی
 حالت میں بھی کھجوریں کھاتے ہو؟“ میں بولا ”یا رسول اللہ! میں اُس آنکھ کی طرف سے کھاتا
 ہوں جو اچھی ہے۔ سرد کائنات یہ سنتے ہی مسکرائے لگے، یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔“
 غزوات | حضرت صہیبؓ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ غزوہ بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے
 معرکوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ عالم پیری میں وہ لوگوں کو جمع کر کے بہت

لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں کی دھچپ داستان سنایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو ان سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیب ہی میرے خانے کی نماز پڑھائیں اور اہل شوریٰ جب تک مسئلہ خلافت کو طے نہ کریں وہ خلیفہ کے فرائض انجام دیں۔ چنانچہ انہوں نے تین دن تک بڑی خوش سلیقی کے ساتھ امامت کا فرض انجام دیا۔

حضرت صہیبؓ کا بچپن رومیوں میں گزرا تھا۔ اس لیے زبان میں عبیت پیدا ہو گئی تھی حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے "اے صہیب تم میں صرف تین باتیں ہیں جن کو میں برا سمجھتا ہوں اگر وہ نہ ہوتیں تو میں کسی کو تم پر فضیلت نہ دیتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے کو عرب کی طرف منسوب کرتے ہو۔ حالانکہ تمہاری زبان عجمی ہے۔ اور تم اپنی کنیت ابو یحییٰ بتاتے ہو جو ایک نبی کا نام تھا۔ اور اپنا مال فضول حسیع کرتے ہو۔ حضرت صہیبؓ نے فرمایا: میں مال بجا خرچ نہیں کرتا۔ اور میری کنیت ابو یحییٰ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے۔ لہذا میں اس کو ترک نہ کروں گا، اور میں اپنے تئیں جو عرب کی طرف منسوب کرتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں درحقیقت عربی ہی ہوں، مگر کسی میں اہل روم مجھ کو پکا کر لے گئے تھے۔ اس لیے میں نے ان کی زبان حاصل کر لی۔"

حلیہ | حضرت صہیبؓ کا قد درمیان تھا، نہ بہت کوتاہ، نہ زیادہ دراز۔ رنگ بہت سرخ تھا سر کے بال گھنے تھے بڑھاپے میں منہدی کا خضاب کرتے تھے۔

وفات | سنہ میں بجا و شوال مدینہ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ستر برس کی تھی۔

بتبع میں مدفون ہوئے۔

فضائل آپ نے متعدد حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے صہیب روم کا پھل ہے اور آپ کی دجوبی کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ ایک بار ابوسفیان دسلمان ہونے سے قبل حضرت سلمان، حضرت بلال، اور حضرت صہیب کے پاس سے گزرا تو ان تینوں نے کہا ”اللہ کی تلوار نے اب تک اس دشمن خدا کی گردن نہیں اڑائی“ حضرت ابو بکر نے یہ سنا تو فرمایا ”تم لوگ قریش کے بزرگ کی نسبت ایسا کہتے ہو؟ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا ”تم نے شاید ان کو خفا کر دیا؟ اگر واقعی ناراض کر دیا ہے تو گویا تم نے اپنے خدا کو ناراض کر دیا“ یہ سن کر حضرت ابو بکر ان تینوں بزرگوں کے پاس آئے۔ اور فرمایا ”اے میرے پیارے بھائیو! کیا میں نے تم کو ناراض کر دیا۔“ انہوں نے کہا ”نہیں ہم غضبناک نہیں ہوئے اے بھائی خدا ہماری مغفرت کرے۔“

حضرت صہیب کی نسبت ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

فَعَدَّ الْعَبْدُ صَهَيْبَ لَوْلَاهُ خَفِيفٌ صَهَيْبٌ اُحِبُّهُ بَنَدٌ هِيَ، اَكْرَهُهُ اللّٰهُ كَاخُوفٌ

اللّٰهُ لَمْ يَضَعْهُ ذَكَرْتُهُ، تَبَّ بَعْدُ اُسَ كِي مَعْصِيَتِهِ ذَكَرْتُهُ۔

اسلام کی ایک یہ بھی عجیب شان ہے کہ وادیِ فاران کے داعیِ حق کی دعوتِ توحید پر کفر و شرک کی شدید مخالفتوں اور عداوتوں کے باوجود جن بزرگوں نے سب سے پہلے اس دعوت کو قبول کیا، ان میں حضرت ابو بکر ایسے بزرگ قریش کے ساتھ حضرت بلال، حضرت صہیب

لہ اسد الغابہ ذکر حضرت صہیب علیہ صلیع مسلم بحوالہ کتاب التاج اجماع لاصول ج ۳ ص ۴۴۴ لہ ایضاً

حضرت عمار اور حضرت خُتَاب ایسے "غلاموں" کے سوا گرامی بھی نظر آتے ہیں جن کی ذات گرامی اسلام کے لیے سرمایۂ افتخار اور جن کے اعمال مسلمانوں کے لیے باعثِ تقلید تھے۔ یہی وہ بزرگ تھے جنہوں نے سطوتِ اسلام کا پرچم لہرایا، اور اُس کی عظمت و بزرگی کا اعتراف اہلِ عالم سے کرایا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

حضرت ابونُکیہ

یسار نام، ابونُکیہ کنیت، قبیلۂ ازد سے تعلق رکھتے تھے، صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ دعوتِ اسلام کی صدا، کفر شکن مکہ میں نئی نئی بلند ہوئی تھی کہ آپ مسلمان ہو گئے، حضرت بلال اور حضرت صہیب کی طرح ان پر بھی شدید مظالم کئے جاتے تھے۔ آتشِ خیز دوپہر میں ان کو تیتی ہوئی ریت پر منہ کے بل لٹا کر ایک بھاری پتھر رکھ دیا جاتا تھا کہ خبش نہ کر سکیں۔ یہاں تک کہ حضرت ابونُکیہ اس ظلم کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو جاتے تھے۔ ایک بار امیہ نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ان کو جلتی ہوئی ریت پر ڈال دیا اور گلا گھونٹنے لگا۔ اتنے میں اُس کا بھائی ابی بن خلف ادھر سے گزرا اور کہنے لگا "اور مارو" چنانچہ امیہ براہِ رات رات یہاں تک کہ اُن کو بے جان سمجھ کر چھوڑ دیا۔ حضرت ابوبکر ادھر سے گذرے، ابونُکیہ کو اس حال میں دیکھ کر جی بھر آیا فوراً اُن کو خریدیا اور فی سبیل اللہ آزاد کر دیا۔

ہجرت و وفات | آزادی کے بعد ہجرت ثانیہ کے موقع پر حبشہ چلے گئے۔ سخت ترین مصائب و آلام برداشت کرنے کی وجہ سے اعضا درمیں اضمحلال پیدا ہو گیا تھا۔ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکے اور غزوہ بدر سے پہلے ہی وفات پا گئے۔

حضرت سلمان فارسی

نام و نسب | اسلام سے پہلے آپ کا نام مابہ تھا، مجوسی المذہب تھے، آپ کے والد اصفہان کے قریہ جی کے باشندے تھے۔ بعض کہتے ہیں آپ فارس کے شہر رامهرمز سے تعلق رکھتے تھے والد کا نام یوزدخان بن مورسلان تھا جو فارس کے ایک آشکدہ کی خدمت کرتے تھے۔ صیفہ معاش کا شتکاری و زمینداری تھا۔

اسلام سے پہلے | حضرت سلمان کے والد ان کے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کو لوہیوں کی طرح گھر سے باہر نہ جانے دیتے تھے حضرت سلمان فطرۃ مذہبی جوش و ولولہ لے کر آئے تھے۔ اس لیے آتش کدہ کی خدمت اس انہماک سے کرتے تھے کہ آگ بابر روشن رہتی تھی۔ میاںیت کی ایک مرتبہ والد نے کہا کہ میں اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے خود جا نہیں سکتا، طرف میلان | تم ہو آؤ۔ سلمان راضی ہو گئے، راستہ میں ایک گرجا ملا جس میں اُس وقت نماز

۱۔ طبقات ابن سعد ۴ ق اول ص ۹۱۔

۲۔ لیکن ابن حبان اور عاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت سلمان ایک بادشاہ کے لڑکے تھے۔ عاتکہ ابن جبر نے بھی فتح الہامی میں اس کو نقل کیا ہے۔

ہو رہی تھی، سلمانؑ کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ گھڑے تو والد کو اس کی خبر ہوئی وہ بہت برہم ہوئے۔ اور اُن کو گھر میں مقید کر دیا۔ انہوں نے عیسائیوں سے کہلا بھیجا کہ کوئی قافلہ شام جائے تو مجھ کو اُس کی خبر کرنا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ سلمانؑ موقع پا کر اس قافلہ کے ساتھ شام کی طرف چل دیے، جہاں پہنچ کر انہوں نے معلوم کیا کہ عیسائیوں کا یہاں سب سے بڑا پیشوا کون ہے؟ لوگوں نے کہا، بشپ۔ سلمانؑ اس بشپ کے پاس گئے اور اُس کے کیرکٹر کا مطالعہ کرنے لگے۔ یہ شخص انتہادرجہ کا ذلیل فطرت اور بد عمل تھا۔ سلمانؑ اس کی بد علی کو دیکھ کر دل ہی دل میں کہتے تھے مگر کہہ نہیں سکتے تھے۔ آخر کار وہ مر گیا، اور اُس کا قائم مقام جو دوسرا بشپ ہوا وہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا، سلمانؑ اُس سے بہت مانوس تھے۔ جب یہ مرنے لگا تو سلمانؑ نے پوچھا اب میں کس کے پاس جاؤں۔ اُس نے موصل کے کسی شخص کے پاس جانے کی ہدایت کی۔ سلمانؑ یہاں آئے تو دیکھا کہ واقعی یہ شخص بڑا عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار ہے۔ مگر چند روز کے بعد جب اس کا بھی انتقال ہونے لگا تو اُس نے سلمانؑ کو وصیت کی کہ مقام نصیبین کے فلاں شخص کے پاس چلے جائیں۔ بشپ کی وصیت کے مطابق سلمانؑ نے نصیبین اگر دیکھا کہ واقعی یہ شخص بھی پہلے دو بشپوں کی طرح عابد و زاہد ہے۔ اتفاق کی بات چند روز کے بعد اُس کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور اُس کی وصیت کے مطابق حضرت سلمانؑ عمو ریہ آئے۔ یہاں انہوں نے کچھ کمبیاں خریدیں اور اُن سے معاش کا انتظام کرنے لگے۔ آخر کار وقت آیا کہ اس اسقف کا سا خیات بھی چھلکنے لگا۔ سلمانؑ نے اُس سے کہا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ بشپ بولا۔ اب میری نظر میں کوئی بشپ ایسا نہیں ہے جس کے پاس جانے کی میں تم کو ہدایت کروں البتہ

ہاں اُس نبی کے ظہور کا انتظار کرو جو ریگستانِ عرب سے اُٹھ کر دینِ براہمی کو زندہ کرے گا۔ اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا، لیکن صدقہ کو اپنے لیے حرام سمجھے گا۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔ اگر تم اس سے بل سکو تو ضرور ملنا۔

غلامی | اس بَشپ کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک حضرت سلمانِ عَمَویہ میں مقیم رہے۔ کہ راتنے میں بنو کلب کا ایک قافلہ ان کے پاس سے گزرا۔ سلمان نے ان لوگوں سے کہا میں تم کو اپنی بکریاں اور گائیں دیدونگا۔ تم مجھ کو اپنے شہر میں لے چلو۔ قافلہ راضی ہو گیا، اور حضرت سلمان ان کے ساتھ چلے آئے۔ مگر بعد میں ان لوگوں نے غداری کی۔ وادی القریٰ پہنچ کر انہوں نے حضرت سلمان کو غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ انہوں نے یہاں کھجوریں دیکھیں تو سبھے میرا گوہر مقصود ہیں لیگا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے۔ حضرت سلمان اپنے آقاؤں کی شدید سختیوں کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے پھر جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے۔ اُسی دوران میں بنو قریظہ کے ایک شخص نے حضرت سلمان کو خرید لیا، اور اپنے ہمراہ اُن کو لے کر مدینہ چلا آیا۔

قبولِ اسلام | قیامِ مدینہ کے زمانہ میں حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ میں اپنے اقلہ کے باغ میں ایک صخت کلم کر رہا تھا۔ اتنے میں اُس کا ایک چچا زاد بھائی آیا اور کہنے لگا خدا ہی قیلہ (انصاف) کو غارت کرے میں اُن کے پاس سے ابھی گزرا تو دیکھا کہ ایک شخص جو اپنے تئیں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور جو مکہ سے آیا ہے۔ یہ سب لوگ اُس کے ارد گرد جمع ہیں۔ میں یہ سننے ہی اس درجہ اثر پذیر ہوا کہ ایک بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ قریب تھا کہ درخت سے گر پڑوں۔ بڑی عجلت

کے ساتھ اپنے آقا کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اُس نے میرے طمانچہ مارا اور کہنے لگا
 تم اپنا کام کرو تجھ کو ان باتوں سے کیا غرض؟ حضرت سلمان اُس وقت تو خاموش ہو گئے۔ سات
 ہوئی تو کوئی چیز لے کر بار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض
 کی کہ میرے پاس یہ چیز جمع ہو گئی تھی، اب میں اس کو آپ کے پاس بہ طور صدقہ لے کر آیا ہوں
 کیونکہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک صالح بزرگ ہیں، اور آپ کے ساتھ حاجت مند لوگ ہیں
 آنحضرت نے اُس کو دیکھ کر اپنا دست مبارک روک لیا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کھاؤ۔
 چنانچہ وہ سب کھانے میں مشغول ہو گئے اور سلمان واپس چلے آئے۔ پھر ایک مرتبہ اور آپ
 کی خدمت میں حب سابق کوئی چیز لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے،
 صدقہ نہیں۔ آپ نے دست مبارک بڑھایا اور اُس میں سے خود بھی کھایا اور دوستوں کو بھی
 کھلایا۔ حضرت سلمان فرماتے ہیں میں نے یہ دیکھ کر کہا: یہ دو علامتیں تو صحیح نکلیں، اب ایک خاتم
 نبوت کی علامت اور رہ گئی ہے، اُس کا بھی امتحان کر لینا چاہیے۔ چنانچہ ایک اور دن حضرت
 سلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اُس وقت ایک جناب
 کے ساتھ قبیعہ الغرقہ جا رہے تھے۔ حضرت سلمان خاتم نبوت دیکھنے کی غرض سے پیچھے ہو گئے۔
 آنحضرت نے ان کا منشا معلوم کر لیا اور اپنے دوش مقدس سے چادر سرکادی حضرت سلمان
 نے خاتم نبوت دیکھی تو فوراً بڑھ کر بوسہ دیا اور رونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ان کو اپنے سامنے بٹھالیا۔ اب حضرت سلمان نے آپ کو اپنا پورا واقعہ سنایا جس پر آپ نے
 بڑی ہنسی لی، اور یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ کے اصحاب بھی اس کو سنیں۔ اس وقت حضرت سلمانؓ

اس وقت لازوال کے مالک تھے جس کی تلاش جستجو میں وہ اب تک سرگرداں پھرتے رہے تھے۔
آزادی | لیکن غلامی کے باعث وہ آزادی کے ساتھ تمام اسلامی مسرۃ الفیٰ انجام نہیں دے سکتے تھے۔ چنانچہ آپ بدر و احد کے معکوں میں شرکت نہیں فرما سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلمان کی اس مجبوری و بے بسی کو محسوس کرتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا: ”تم اپنے آقا سے مکاتبت کرو حضرت سلمان نے آقا سے اس کی خواہش ظاہر کی۔ معاملہ تین سو کھجور کے درخت لگانے اور چالیس اوقیہ سونے کے ادا کرنے پر طے ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ کھجور کے درخت لگانے میں سلمان کی مدد کریں۔ سب نے حسبِ مقدرت ان کی امداد کی جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے۔ رہا سونا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک شخص انڈے کی برابر سونا لپیے ہوئے حاضر خدمت ہوا۔ تو نے پر معلوم ہوا کہ ٹھیک چالیس اوقیہ تھا آنحضرت نے بلا کہ حضرت سلمان کو دلوادیا جس کو ادا کر کے وہ نعمت آزادی سے بہرہ اندوز ہو گئے۔

موافات | آزادی کے بعد عرب کے قاعدہ کے مطابق ضروری تھا کہ کسی کے حلیف ہو کر رہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کی موافات حضرت ابوالدرداء سے کر لوائی غزوہ خندق | آزادی کے بعد سب سے پہلا معرکہ خندق کا پیش آیا۔ حضرت سلمان نے اس میں بڑے جوش و خروش اور شوق و ذوق کے ساتھ شرکت فرمائی، بلکہ حق یہ ہے کہ اس سرگرد کی

لے معنی کوئی سادہ دے کر آزادی حاصل کرو۔

لے شروع سے یہاں تک کے تمام حالات اُمداداً ج ۲ ص ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱ سے اخذ ہیں۔

کامیابی ظاہری اسباب کے پیش نظر ٹھہری حد تک حضرت سلمان کی تجربہ کاری، دانائی اور فراست کے ہی باعث تھی۔ اس غزوہ میں عرب کے مختلف قبائل ایک زبردست جمعیت کی صورت میں مسلمانوں کے خلاف اُمنڈائے تھے۔ حملہ مدینہ پر تھا۔ جس کے ارد گرد نہ قلعہ تھا اور نہ نفیس تھی۔ اُدھر دشمنوں کی جمعیت کثیر اور مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کیا، حضرت سلمان ایران کی معرکہ آرائیاں دیکھے ہوئے تھے جنگ کے اصول سے پوری طرح باخبر تھے۔ حضرت سلمان نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے کھلے میدان میں جنگ نہ کرنی چاہیے، بلکہ مناسب یہ ہوگا کہ چاروں طرف خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دیا جائے، اس تجویز کو پسند کیا گیا، خندق کھودی گئی تو اُس کی کھدائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس شریک تھے۔ آپؐ نے انصار و مہاجرین کی یہ محنت و مشقت دیکھی تو بے ساختہ زبان مبارک سے نکلا اللّٰهُمَّ اِنَّ الْعِيشَ الْعِشَ الْاٰخِرَةَ، فَاَغْفِرْ لَاصْنَابِ وَالْمُهَاجِرَةِ (ترجمہ: اے اللہ زندگی تو دراصل آخرت ہی کی زندگی ہے۔ پس تو انصار و مہاجرین کو بخش دے)۔ فداکاران رسالت پناہ نے نبوت کی لسانِ صدق و محبت کو یوں نواپیرا دکھا تو جو بیش اطاعت میں بول اُٹھے۔

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلٰى الْاِحْمَادِ مَا بَقِيْنَا اَبْدًا

ہم ہی ہیں جو جنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جہاد پر بیعت کی، جب تک ہم زندہ رہیں گے یہ واقعہ ۸۔ ذی قعدہ سنہ ۱۰ کا ہے۔ حضورؐ پر نوے نے خود حد و قائم کیں۔ داغ بیل ڈال کر

دش دش گز زمین دس دس آدمیوں پر تقسیم کر دی۔ انصار و مہاجرین میں اختلاف ہوا کہ حضرت سلمان کدھر رہینگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سلماکُنْ منا اهل البیت (سلمان تو ہمارے اہل بیت میں سے ہے)

حافظ ابن حجر کی روایت کے مطابق دشمنان اسلام چوبیس ہزار کی فوج گراں لیے ہوئے مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ یہاں آکر دیکھا خندق کھدی ہوئی ہے، اور اندر پہنچنا سخت دشوار ہے۔ وہ اس طریقہ جنگ سے پہلے سے بے خبر تھے وہیں محاصرہ کر کے پڑ گئے۔ تقریباً ایک ماہ تک مسلسل محاصرہ قائم رہا۔ مگر شہر تک پہنچنا اُن کو نصیب نہ ہوا۔ مشرکین میں سے عمرو بن عبدود ایک مشہور بہادر جنگجو تھا، وہ بہت کر کے آگے بڑھا اور خندق عبور کر گیا۔ اب اُس نے عرب کے دستور کے مطابق للکار کر کہا "کون ہے جو میرے مقابل آئے" حضرت علیؑ نے فرمایا: "میں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خود دستِ مبارک سے تلوار عنایت کی اور عامہ باندھا، کچھ گفتگو کے بعد دونوں میں جنگ ہوئی۔ عمرو بن عبدود کے پہلے وار کے بعد حضرت علیؑ نے اس زور سے حملہ کیا کہ اُن کی تلوار حریفِ مقابل کا شانہ کاٹ کر نیچے آتر آئی۔ ساتھ ہی حضرت علیؑ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ اس فتح میں بڑا دخل خندق کو تھا، جس کا مشورہ حضرت سلمان نے ہی دیا تھا، اس لیے اس غزوہ کی کامیابی کو حضرت سلمان کے فضائل میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

خندق کے بعد کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا جس میں حضرت سلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ شریک نہ ہوئے ہوں۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:-

وَلَمْ يَتَّخِذْ مِنْ مَعْدِنِهَا جَدًّا لِيَتَخَذَ لَهُ خَذَقَ كَيْ يَدَّأِ بِكَيْ غَزْوَةٍ مِنْهُمْ نَحْنُ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دصال کے بعد عہد فاروق کی ایرانی جنگوں میں بھی آپ شریک ہوئے اور چونکہ یہ خود ایرانی الاصل تھے اور جنگ کے طریقوں سے پوری طرح باخبر، اس لیے آپ سے اسلامی لشکر کو بڑی مدد ملی۔

گورزی | حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں مدائن کے گورز تھے۔ اس کے باوجود مدیونشی و فقر کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاس صرف ایک عبا تھی جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے، اور اُس کا آدھا حصہ ادا کرتے اور آدھا بچھاتے تھے۔

زہد و اتقا | زہد و اتقا کی شان یہ تھی کہ عمر بھر کبھی کوئی گھر نہیں بنایا۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ نے حضرت سلمانؓ سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے لیے ایک مکان بنادیں۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا: کیوں! کیا تم میرے لیے ایسا مکان بنانا چاہتے ہو جیسا کہ تمہارا مکان مدائن میں ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: نہیں ہم آپ کے لیے بانس کا مکان بنائینگے جس کی چھت گھانسر اور بھوس کی ہوگی، اور جو اس قدر مختصر ہوگا کہ آپ کھڑے ہونگے تو اُس کی چھت آپ کے سر کو لگیگی۔ اور آپ لیٹینگے تو اُس کی دیواریں آپ کے دونوں پہلوؤں کو لگیں گے۔ حضرت سلمانؓ بولے: ”تم نے میرے دل کی بات پالی ہے۔“

پہلے گز چکا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت سلمانؓ

دونوں میں مواخات کرادی تھی۔ حضور پر نور کی وفات کے بعد ابوالدرداء شام چلے گئے۔ اور حضرت سلمان عراق میں قیام پذیر تھے۔ شام سے حضرت ابوالدرداء نے اپنے بھائی کو لکھا کہ میں یہاں بہت خوش ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مال و اولاد و دونوں کی نعمت وافر عطا فرمائی ہے۔ اور میں یہاں ارض مقدس میں ہوں۔ آپ نے اس کا جواب لکھا: سنو! مال و اولاد کی کثرت یا ارض مقدس میں ہونا خیر نہیں ہے بلکہ خیر یہ ہے کہ تم کوئی ایسا عمل کرو جو تمہارے لیے مفید ہو، اور تم اپنے تئیں مرزدہ لوگوں میں سے سمجھو۔

فضائل | حضرت سلمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا اقرب حاصل تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: "سلمان رات کو دیر تک آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم کو یہ ڈر ہو گیا کہ کہیں آپ ہم سے غافل نہ ہو جائیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت تین شخصوں کی مشاق ہے۔ علی، عمار، اور سلمان۔" حضرت علی سے کسی نے حضرت سلمان کے علم کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا: "انہیں اول و آخر کا علم دیا گیا ہے اور وہ ایک ایسے سمندر ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔" حضرت مصیب کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق مصیب، بلال اور سلمان پر ناراض ہو گئے۔ آنحضرت کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق سے ناراضگی کا اظہار کیا جس پر انہیں پشیمان ہونا پڑا۔

ایک دفعہ حضرت سلمان نے اپنے اسلامی بھائی ابودرداء کی بیوی کو آشفۃ حال دیکھا،

پوچھا۔ تم نے یہ کیا صورت بنا رکھی ہے؟ وہ کہنے لگی ”میں کس کے لیے بناؤں سنگار کروں۔ تمہارے بھائی تو بالکل ہی تارک دنیا ہو گئے ہیں۔“ حضرت ابوالدرداء مکان پر تشریف لائے تو حضرت سلمان کے لیے کھانا منگایا، مگر خود معذرت کی کہ میں روزہ سے ہوں۔ حضرت سلمان بولے ”تو میں بھی کھانا نہ کھاؤں گا“ رات کو آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ شب کے آخر میں حضرت ابو درداء عبادت کے لیے اُٹھے تو آپ نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ”تم پر تمہارے رب تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی کا سب کا حق ہے۔ روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے۔ لگے دن صبح کو دونوں نے یہ معاملہ بارگاہ رسالت پناہ میں پیش کیا“ آپ نے ابوالدرداء سے مخاطب ہو کر فرمایا ”سلمان تم سے زیادہ مذہب سے واقف ہیں“ لے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقرب خاص رکھنے کی وجہ سے صحابہ کرام بھی آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ حضرت عمر کے پاس آئے۔ آپ اُس وقت تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ حضرت عمر نے آپ کو دیکھتے ہی تکیہ آپ کے لیے ڈال دیا۔ حضرت سلمان نے فرمایا ”اللہ اور اُس کے رسول نے بالکل سچ فرمایا۔“ عمرؓ بولے ”اے ابو عبد اللہ کچھ بیان کیجیے آپ نے فرمایا ”میں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت آپ ایک تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ آپ نے اُس کو میرے سامنے ڈال دیا پھر فرمایا ”اے سلمان جو کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس جلسے اور وہ اُس کے لیے ازار و تعظیم و تکریم اپنا تکیہ پیش کر دے تو خدا اُس کی مغفرت کر دیگا۔“

حضرت حماد بن حبل خود بہت بڑے عالم اور صاحب کمال بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک مرتب اپنے شاگرد سے کہا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا، ان میں ایک حضرت سلمان کا بھی نام تھا ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان علم سے پُر ہے۔ آپ نے اُن کو سلمان الخیر کا لقب بھی عطا فرمایا تھا۔

علامت اور وفات | آپ کی عمر کے متعلق ارباب سیر و تاریخ نے عجیب و غریب روایتیں لکھی ہیں۔ صاحب اصحابہ فرماتے ہیں ”اس میں تو کسی کو شک ہی نہیں کہ حضرت سلمان کی عمر ڈھائی سو برس کی تھی۔ پھر ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے اسی برس کی عمر پائی تھی بہر حال حضرت عثمان کے عہد خلافت میں علیل ہوئے حضرت سعد آپ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، آپ رونے لگے۔ سعد نے فرمایا ”آپ روتے کیوں ہیں؟ اب موت قریب آرہی ہے۔“ آنحضرت آپ سے خوش دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اب آپ وہاں اُن سے جا کر ٹینگے۔ بولے خدا کی قسم! میں موت سے نہیں گھبراتا۔ اور نہ دنیا کی حرص میری دامگیر ہے۔ رونایہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارا ماں ایک مسافر کے سامانِ رحلت سے زیادہ نہ ہو، اور میرے پاس یہاں اس قدر سامان جمع ہیں جسے سعد فرماتے ہیں کہ کل سامان جس کو ماںپ سے تعبیر کیا گیا تھا، یہ تھا۔ ایک بڑا پیالہ، ایک لگن اور ایک تسلیہ۔ اس کے بعد سعدؓ نے کہا ”مجھ کو کوئی نصیحت کیجیے۔“ فرمایا ”جب کسی کام کا قصد کرو، فیصلہ کرو، یا تقسیم کرو تو خدا کو یاد رکھو۔“

حضرت سعد کے علاوہ دوسرے احباب نے بھی آپ سے وصیت و نصیحت کی دھڑا
کی تو آپ نے فرمایا "تم میں سے ہر شخص کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ حج، عمرہ، جہاد کرتے یا
قرآن پڑھتے ہوئے جان دے اور گناہ و مصیبت کی حالت میں نہ مرے۔" اخیر لمحاتِ زندگی
میں سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب آئے تو دیکھا اشیاءِ قدس کا طائر
زدیں بالِ قنصِ عسری سے جدا ہو کر طارِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گیا ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت زید بن حارثہؓ

نام و نسب [زید نام، کنیت اُسامہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یثقی آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کے محبوب، لقب تھا۔ والد کا نام حارثہ اور ماں کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا، والد
یمن کے ایک نہایت معزز قبیلہ قضاہ سے تعلق رکھتے تھے اور والدہ قبیلہ طے کی ایک شاخ بنو معن
سے تھیں۔

غلامی [حضرت زید ابھی صغیر اس تھے کہ ان کی والدہ انہیں ساتھ لے کر اپنے قبیلہ بنو معن کے
پاس گئیں۔ راہ میں بنو معن کی ایک جماعت نے غارتگری کی اور زید کو غلام بنا کر بازارِ عکاظ میں
بیچنا چاہا۔ حکیم بن حزام نے اپنی بھوپتی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے لیے چار سو درہم
کے بدلے میں خرید کر لیا۔ سعادتمندی و اقبال ازل میں مقدر ہو چکا تھا حضرت خدیجہ نے (نبوت سے
قبل) انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہمیشہ کر دیا اس وقت حضرت زید

کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ سرورِ عالم نے ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنالیا چنانچہ لوگ عام طور پر آپ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے۔ پھر جب آیت **تَادَعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ** لوگوں کو ان کے باپوں کے ہم سے بلانا نازل ہوئی تو یہ کہنا چھوڑ دیا گیا۔

حضرت زید کے والد کو ان کے اس طرح گم ہو جانے کا بڑا صدمہ ہوا یہ سب کے چہیتے اور لاڈلے تھے۔ صاحبِ اسد الغابہ اور ابن سعد نے ان کے چند اشعار جو انہوں نے فراقِ فرزند کے بے تاب ہو کر کہے تھے نقل کیے ہیں :-

- ۱۔ بکیث علی زید لوطا درما فعل آخى فیرجی اما تى دوئبہ الاجل
- ۲۔ فوالله ما ادرى ان كنت سائلا اغالك سهل الارض ام غلاك البعل
- ۳۔ غیاکیت شعری هل لك الدر حجة فحسبى من الدنيا سرجوعك لی بجل
- ۴۔ تذکرینذا الشمس عند طلوعها وقصر ذکراہ اذا قادربا الطفل
- ۵۔ وان هبت الارواءم یقین ذکره فیا طول ما خزنی علیہ ویا وجل
- ۶۔ میا عمل نعت العیس فی الارضین کحل ولا اسام التطواف او تسام الابل
- ۷۔ حیاتی اور ناتی علی منیتى وکل امره فان وان عترة الامل
- ۸۔ وادعی بدقیسا وعسرا کلینهما وادعی یزیداً ثم من بعد جمیل

ترجمہ

- ۱۔ میں دیک کے بے رویا پٹیا پھر بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کا مال کیسا ہے یا وہ زندہ ہے کہ پھر اس سے ملنے کی توقع کی جائے۔ یا وہ مر گیا ہے۔

۲۔ بعد اگوچ میں سوال کرتا پھرتا ہوں لیکن پھر بھی نہیں جانتا کہ تجھ کو نرم زمین نے ہلاک کر دیا یا سخت زمین تجھ کو لے گئی۔

۳۔ اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تو کبھی واپس آئیگا یا نہیں۔ تیرا واپس آنا ہی میرے لیے دنیا میں بہت کافی ہے۔

۴۔ آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اُس کی یاد دلاتا ہے، اور پھر جب ڈوبنے کے قریب ہوتا ہے تو اُس وقت بھی اُس کی یاد پیش آتی ہے۔

۵۔ ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اُس کی یاد کو بھڑکا دیتی ہیں۔ آہ! میرا غم کتنا طویل و دراز اور میرے خوف کا کیا عالم ہے۔

۶۔ میں پوری کوشش کے ساتھ دنیا بھر میں اونٹ پر بیٹھ کر چکر لگاؤں گا اور ان چکروں کو ٹھکانا نہیں، یہاں تک کہ ادنیٰ ہی تک جاؤں۔

۷۔ زندگی بھر! یہاں تک کہ مجھ پر موت آجائے، اور ہر آدمی فنا پذیر ہے۔ اگرچہ اُس کو امید دے دو کہ وہ رکھا ہو۔

۸۔ میں قیس اور عمرو دونوں کو اس کے جستجو کی وصیت کرتا ہوں اور یزید کو ان کے بعد جیلہ کو وصیت کرتا ہوں۔ (جیل سے مراد حضرت زید کے بھائی جلیل بن عمارؓ ہیں اور یزید ان کے علاقائی بھائی تھے)

ایک سال کلب کے چند آدمی حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ آئے۔ یہاں انہوں نے زیدؓ کو دیکھا تو پہچان لیا، انہوں نے ساتھ چلنے کو کہا ہوگا حضرت زیدؓ نے فرمایا ”میری طرف سے

یہ پیغام میرے گھروالوں کو پہنچا دینا۔

- ۱۔ اَحِبُّ اِلٰی قَوْمٍ اِنْ كُنْتُ نَاسِئًا فَاِنِّي قَعِيدٌ اِلَيْهِ عِنْدَ الْمَشْأَمِ
- ۲۔ فَكُفُّوا مِنْ الْوَجْدِ الَّذِي تَدْتَجَاكُمُ وَلَا تَعْمَلُوا فِي الْاَمْرِ نَصًّا اِلَّا بِكُمُ
- ۳۔ فَاِنِّي بِحُجْرَةِ اللَّهِ فِي خَيْرٍ اَسْرَةٍ كِرَامٍ مَّعَيًا كَا بَرٍّ اَبَدٍ

(ترجمہ)

- ۱۔ میں اپنی قوم کا مشاق ہوں اگرچہ بعید ہوں۔ میں خانہ کعبہ میں مشعر احرام کے قریب ہتا ہوں۔
- ۲۔ پس تم اُس غم سے باز آ جاؤ جس نے تم کو غلین کر رکھا ہے۔ اور اونٹوں کو زمین میں مت نہکاؤ۔
- ۳۔ کیونکہ میں محمد اللہ بہت اچھے قبیلے میں ہوں جو پستاپشت سے معد کے شریف آدمیوں کا قبیلہ ہے۔

کلیوں نے جا کر حضرت زید کے والدہ حارثہ کو اس واقعہ کی پوری اطلاع دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کے پاس یہ مقیم تھے، آپ کے اور آپ کے اہل خانہ کے حالات بھی سنائے۔ حارثہ کی چشم تمنا جو دیدہ یعقوب کی طرح ایک ”روزن دیوار“ ہو کر رہ گئی تھی اُس میں پھر امید و ارمان کا نور جھلکنے لگا۔ یہ اور اُن کے بھائی کعب دونوں فدیے لے کر حضرت رسالتآب کی خدمت بلند مرتبت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ”اے عبدالمطلب کے فرزند ارجمند۔ اے ہاشم کے نور نظر، اے اپنی قوم کے سید اعلیٰ ہم آپ کے پاس اپنے بیٹے کے معاملہ میں گفتگو کرنے آئے ہیں، آپ اُس کو ہمارے حوالہ کر کے ہم پر احسان کیجیے، اور اُس کا فدیہ قبول فرمائیے“ آپ نے پوچھا ”وہ کون ہے؟“ بولے ”زید بن حارثہ“ ارشاد ہوا کیا اس کے علاوہ کوئی اور صورت بھی ہو سکتی ہے؟“ انہوں نے پوچھا ”وہ کیا؟“ فرمایا ”زید کو بلا لو

اُسے اختیار دے دیدو، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو ساتھ چلا جائے۔ اگر مجھ کو ترجیح دے تو میں اس شخص پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا جو مجھ کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ سب اس پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ زید بن حارثہ کو بلا یا گیا۔ آپ نے پوچھا: ”تم انہیں پہچانتے ہو۔ بولے: جی ہاں! یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا ہیں“ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ”راہیں، تو مجھ کو جلتے ہی ہو۔ اور میرا تمہارے ساتھ جیسا کچھ طرز رہا ہے اُس کو بھی جالتے ہو، اب تمہیں اختیار ہے، مجھ کو پسند کرو یا ان دونوں کو اختیار کر لو“

حضرت زید سرور کونین کی غلامی کا شرف و مجد حاصل کر چکے تھے جس پر دنیا جہان کی نعمتیں اور آذایاں قربان کی جاسکتی ہیں بے تامل بولے: ”میں ان دونوں کو ترجیح نہیں دیتا میں وہ نہیں ہوں کہ کسی کو آپ پر ترجیح دے سکوں، آپ میرے لیے بمنزلہ والد بھی ہیں اور چچا بھی۔ حارثہ اور ان کے بھائی کعب بولے: ”زید! افسوس! تم آزادی پر غلامی کو اور اپنے باپ اور چچا پر غیر کو ترجیح دیتے ہو؟ فرمایا: ”جی ہاں! مجھے اس ذاتِ گرامی میں کچھ ایسی ہی غیلا نظر آتی ہیں کہ میں کبھی کسی شخص کو ان پر ترجیح نہیں دے سکتا“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کی غیر معمولی وفاداری و اطاعت کو شی کا یہ ولولہ انگیز مظاہرہ دیکھا تو فرطِ رحم و شفقت سے حضرت زید کا ہاتھ پکڑ کر مقامِ حبر تک تشریف لائے، اور اعلان فرما دیا: ”اے وہ لوگو جو اس وقت موجود ہو۔ تم سب گواہ رہو کہ زید میرا فرزند ہے، وہ میرا وارث ہوگا، اور میں اُس کا وارث ہوں گا۔ حضرت زید کے والد اور چچا نے یہ دیکھا تو فرطِ مسرت سے بے قابو ہو گئے اور نکال پلے گئے“

اسلام | پھر جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرق مبارک پر ختم رسالت کا کنج گوبریں کھا گیا۔ اور اسلام کا شروع شروع میں غلغلہ بلند ہوا تو حضرت زید بھی دولتِ اسلام سے بہرہ اندوز ہوئے بلکہ امام زہری کی روایت ہے ما علمنا احداً اسلم قبل زید بن حارثہ (ہم کو نہیں معلوم کہ حضرت زید سے پہلے کوئی اور اسلام لایا ہو، لیکن اس میں علماء نے کلام کیا ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ جس طرح عورتوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی حضرت خدیجہ مردوں میں حضرت ابو بکر صدیق اور بچوں میں حضرت علی ہیں۔ اسی طرح غلاموں میں سے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت زید ہیں حضرت حمزہ مسلمان ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے ان کی موافقات کرا دی۔

نکاح | حضرت ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا اور کنیز تھیں۔ آپ نے حضرت زید کا نکاح ان سے کر دیا، جن کے بطن سے حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔

ہجرت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ حضرت زید بھی مدینہ پہنچے۔ آنحضرت نے ان کو حضرت اسید بن حضیر انصاری کا جو قبیلہ عبد الاشمل کے معزز رئیس تھے، بھائی بنا دیا اور ان کے رہنے کے لیے ایک مکان مخصوص کر دیا۔ یہیں آپ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے کر دیا۔ مگر بطن کی عدم موافقت کے باعث دونوں میں نباہ نہ ہو سکا، مجبوراً حضرت زید نے آپ کو طلاق دیدی۔ یہاں یہ واضح رہنا چاہیے کہ حضرت زید کا نکاح حضرت زینب کے ساتھ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے اور رائے سے ہوا تھا۔ حضرت زینب اس رشتہ پر رضامند نہیں

تھیں لیکن آپ کو حضرت زید بہت عزیز تھے، اس لیے آپ نے چاہا کہ ان کا نکاح آپ کی پھوپھی زاد بہن (زینب) سے ہو جائے جو حسب و نسب میں مرتبہ بلند رکھنے کے ساتھ حسن و جمال میں بھی ممتاز تھیں۔ حضرت زینب نے حضرت رسالتآب کے رجحان طبع کا احترام کرتے ہوئے زید سے نکاح کرنا منظور تو کر لیا، لیکن یہ ظاہر ہے میاں بیوی کے تعلقات، اگر دونوں کے مزاج میں موافقت نہ ہو اس طرح کے ظاہری رکھ رکھاؤ سے بھد نہیں سکتے۔ چنانچہ یہی ہوا، دونوں میں آئے دن نا اتفاقی رہنے لگی۔ حضرت زید بارگاہ رسالت پناہ میں بیوی کی تیز زبانی اور عدم موافقت کا شکوہ کرتے تھے، اور چلہتے تھے کہ طلاق دے دیں۔ آپ نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا، اور ارشاد ہوا:-

امسك عليك ذعجك انت الله تم اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور خدا سے ڈرو۔
 حضور پر نور کو خیال یہ ہوتا تھا کہ میں نے بہت کچھ کمین کر تو زینب کو نکاح پر آمادہ کیا تھا۔ اب ان کو طلاق مل گئی تو انہیں طبعی طور پر اس کا بڑا رنج و ملال ہو گا۔ اور چونکہ اس نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا دخل تھا۔ اس لیے حضرت زینب کی طلاق کا خیال کر کے آپ خود بھی یک گونہ انفعال و اتر محسوس کرتے تھے، جیسا کہ آپ کا جملہ بالا ظاہر کرتا ہے۔
 دونوں میں نا اتفاقی برپا ہو گئی یہاں تک کہ حکم و ان ختم الا یقیناً حدہ اللہ اللہ نوبت طلاق کی آگئی۔ حضور پر نور رحمۃ اللعالمین تھے، آپ کو طبعاً اس کا ملال ہوا۔ اور خصوصاً حضرت زینب کی دل شکستگی و خانہ ویروانی کا خیال آپ کو اور بھی تکلیف پہنچاتا تھا۔ اب آپ نے چاہا کہ کسی طرح اس کی مکافات کر دیں اور نکاح و طلاق سے جو زخم حضرت زینب کے

دل پر لگا تھا۔ اُس کی کوئی تدبیر چارہ گری کریں۔ مکافات کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا تدبیر ہو سکتی تھی کہ آپ نے خود اُن کو شرفِ زوجیت بخشا چاہا حضرت زینب کے نکاح میں بہت کچھ حکمتیں ہونگی۔ بادی النظر میں تین فائدے تو بالکل عیاں ہیں۔

(۱) اسلام میں غلام رہنے سے کسی کی ذات پر بڑبڑ نہیں لگ جاتا حضرت زید غلام تھے مگر اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن سے کر دیا۔

(۲) پھر پھوپھی زاد بہن جو ایک غلام کی مطلقہ بیوی تھیں، آپ نے اُن سے نکاح کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی، بلکہ پوری بشارت طبع کے ساتھ نکاح کیا۔

(۳) تیسرا اہم فائدہ جو اس سے حاصل ہوا وہ یہ بتانا تھا کہ تے پالک کا حکم اپنے بیٹے کا سا نہیں ہے، اُس کی بیوی اگر مطلقہ ہو جائے تو اُس سے نکاح ہو سکتا ہے۔

پھر اس واقع سے جہاں یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں سرکارِ دو جہاں کی مروت، رحمت و رافت، اور وضع و پاسداری بھی نمایاں ہوتی ہے کہ محض حضرت زینب کی دل شکنی کو دودھ کرنے کے لیے آپ نے اُن سے نکاح کیا۔

چنانچہ انقضاءِ عدت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کی معرفت خود اپنے نکاح کا پیام حضرت زینب کے پاس بھیجا، وہ خود مائلہ و فہیمہ تھیں جانتی تھیں کہ میرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ایسا معمولی واقعہ نہیں ہے کہ قرآن کی کوئی آیت اُس کے متعلق نازل نہ ہو۔ بولیں ”دیکھیے خدا کی طرف سے کیا حکم آتا ہے“ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا

جب زید نے حاجت پوری کر لی تو ہم نے اُن کا نکاح آپ سے کر دیا

اسی واقعہ کے سلسلہ میں منافقوں نے جو ناگوار شہرت پیدا کر دی تھی قرآن حکیم نے اس کے رد میں سہرا دیا :-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن سُرُسُوْلَ اللّٰهِ وَحَايَةَ النَّبِيِّيْنَ
محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔
مسلمانوں کو حکم دیا گیا :-

اَدْعُواهُمْ لَابَائِهِمْ هُوَ اقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ
لوگوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو اللہ کے نزدیک یہ زیادہ قرین انصاف ہے۔

لہ اس واقعہ کے سلسلہ میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :-

اِذْ قَوْلَ الَّذِي اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمَتْ عَلَيْهِ
جبکہ آپ نے اس سے جس پر اللہ نے اور آپ نے انعام کیا تھا
اَمْسَكَ عَابِدُكَ نَرَحْكَ وَاَتَقَ اللّٰهُ وَتَخَشَى
میں نے آپ پر کما کما اپنی بیوی کو روکے رہا اور اللہ سے ڈرا اور
فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ
تم آپ اپنے نفس میں وہ چیز چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ
وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ
ظاہر کرنے والا تھا، اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے۔ حالانکہ
اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اُسے ڈرا جائے۔

متعصب عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کو عجیب و غریب رنگ دے کر لکھا ہے۔ اور کسی دور کا کیا ذکر خود
بعض علماء تفسیر نے اپنی کتابوں میں ایسی بے سرو پا روایتیں بھردی ہیں جن کے باعث مفسرین کو اسلام پر حرج
آیہی کا موقع ملتا ہے خاص حضرت زینب کے نکاح سے متعلق عام تفسیروں میں جو روایتیں پائی جاتی ہیں، ملاحظہ
ابن حجر ان کی نسبت بالکل صفائی سے فرماتے ہیں :-

ووردت آثار اخوی اخراجاً ابن ابی حاتم
اس کے علاوہ وہ دوسرے آثار جن کو ابن ابی حاتم و طبری نے
الطبری ونقلها كثير من المفسرين لا ينبغي
بیان کیا ہے اور جن کو بہت سے مفسرین نے نقل کیا ہے۔
ان کے ساتھ مشغول ہونا مناسب نہیں ہے۔

کارنامے | حضرت زید تیر اندازی میں یگانہ روزگار تھے۔ معرکہ بدر سے غزوہ موتہ تک تمام اہم اور زبردست معرکوں میں شریک رہے۔ حضرت عائشہؓ تو یہاں تک فرماتی ہیں کہ حضرت زیدؓ کسی سریہ (فوج کشی) میں شریک ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہی کو سردار بناتے تھے۔ اور اگر حضرت زیدؓ آپ کی وفات کے بعد بھی زندہ ہوتے تو حضور پر نورؐ ان کو ہی اپنا خلیفہ مقرر کرتے۔ چنانچہ سریہ قردہ، سریہ مجوم، سریہ عیص، سریہ طرف و حسیٰ ان سب مہمات میں اسلامی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) نہایت افسوس کی بات ہے، ارباب تفسیر روایتوں کی نقل میں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتے۔ اور طرفیہ ہے کہ آیتوں کو ایسے ایسے معانی پہناتے جلتے ہیں جو ہر ایک روایت پر منطبق ہو جائیں ورنہ یہ صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی آیات بالا میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ نبوت میں کسی قسم کی گستاخی کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ پہلو بھی پیدا ہو سکے۔

تخصی فی نفسک ما اللہ مبسد یہ آپ اپنے نفس میں وہ چھپاتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اس انخفا سے مراد صرف یہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات حضرت زینب کی دل شکنی کو رفع کرنے کے لیے جو خود ان سے نکاح کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ آپ اس کو لوگوں پر اس اندیشے سے ظاہر نہیں کرتے تھے کہ قرآن مجید میں اب تک منہی کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے۔ منافقین اب اس خبر کو سنیں گے تو عہد جاہلیت کے خیال کی بنا پر طعن شرمع کر دیں گے۔ کوتاہ نظر غیر مسلم مصنفین نے اس واقعہ کو ایک افسانہ کا رنگ دے رکھا ہے۔ حالانکہ اگر وہ ذرا تعصب اور بے جا حسد سے ہٹ کر دیکھیں تو انہیں یہ واضح ہو جائے کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تردد اور پھر آیت کے نزول کے بعد اس کا صاف و صریح اعلان کر دینا خود سرورِ عالم کے نبی برحق اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔ غور کیجیے ایک طرف تو آپ حضرت زید سے یہ فرماتے ہیں کہ اپنی بیوی کو طلاق مت دو۔ اللہ سے ڈرو۔ اور دوسری طرف آپ کا عمل یہ ہے کہ حضرت زیدؓ نہایت مجبوری طلاق دے دیتے ہیں تو آپ خود نکاح کا پیام ان کے پاس بھیجے ہیں۔ ان دونوں حقیقتوں کو سامنے رکھیے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینبؓ کو نکاح کسی غلط خاطر کی بنا پر تھا یا محض اس لیے کہ آپ ان کی نفسی تسلی کرنی چاہتے تھے، اور یہ تھا منظور تھا کہ منہی کا حکم بالکل فرزند کا سامنے ہو۔

لشکر کی قیادت حضرت زید ہی کے سپرد تھی جس کو آپ نے بخوبی سرانجام دیا۔ اور کامیاب باہر آد ہو کر واپس آئے۔

فضائل حضرت زید کی فضیلت بزرگی کے لیے یہی بات کیا کچھ کم ہے کہ تمام صحابہ کرام میں صرف حضرت زید کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بہت زیادہ محبت تھی آپ خاوندِ نبوت ہیں بالکل ایک فیلی ممبر کی حیثیت سے رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص زید کی شان میں گستاخی کا کوئی کلمہ کہہ دیتا تو آپ کو اس کا بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے ”ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر سی فوج کسی مہم پر روانہ کی اور حضرت اسامہ بن زید کو اس کا سردار بنادیا۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا، تو آنحضرت نے فرمایا ”اگر تم اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو (تو کوئی مضائقہ نہیں) اس سے پہلے اس کے باپ زید بن حارثہ کی سرداری پر بھی تم لوگ اسی قسم کا اعتراض کر چکے ہو۔ قسم خدا کی وہ یقیناً امارت کا سزاوار تھا، اور لوگوں میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا اور اس کے بعد یہ اسامہ سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔“

حضرت زید روئی کی طرح سپید تھے، اور حضرت اسامہ کا رنگ سیاہ تھا۔ بعض مفسدہ پرداز اس اختلاف رنگ کی بنا پر حضرت اسامہ کے نسب میں طعن کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ باتیں سنتے تھے تو طول ہوتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو مسکراتے ہوئے اور اس قدر خوش کہ آپ کا چہرہ اقدس جگمگا اٹھا تھا۔ اور آتے ہی فرمایا۔ ”عائشہ! ہمیں خبر نہیں، ابھی

ایک قیافہ شناس آیا تھا جس کا نام حمز زنگا تھا۔ اُس وقت زید بن حارثہ اور اُسامہ دونوں ایک چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے اور اُن کے پاؤں کھلے ہوئے تھے۔ اس شخص نے دونوں کے پاؤں دیکھتے ہی کہا کہ یہ پاؤں بالکل ایک دوسرے کی مانند ہیں (یعنی ان دونوں میں باپ بیٹے کا رشتہ ہے)۔

اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت زید و اُسامہ کے ساتھ غائبِ محبت کا ثبوت ملتا ہے کہ اگرچہ قیافہ شناس کی بات اسلام میں حجت نہیں ہے، تاہم سرورِ عالم نے اس کی زبان سے ایک ایسی بات سنی جس سے حق کی تصدیق و توثیق ہوتی تھی تو آپ اُس سے خوش ہوئے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں ”ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ حضرت زید کہیں باہر سے مدینہ میں آئے۔ اور میرے مکان کی گڈی کھٹکھٹائی۔ سرورِ کائنات یہ سنتے ہی بیٹا ہانڈ اٹھے، یہاں تک کہ آپ نے لباس کا بھی اہتمام نہیں کیا، آپ کی چادر مبارک زمین پر گھسٹ رہی تھی اور جاتے ہی حضرت زید سے ملنا کیا، اور اُن کو بوسہ دیا۔“

حضرت زید کے ساتھ اس درجہ تعلق خاطر رکھنے کی وجہ سے آپ حضرت زید کی اولاد کے ساتھ بھی پیچہ شفقت و محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر نے مسجد میں ایک شخص کو دیکھا کہ مسجد کے کسی گوشہ میں اپنے کپڑے گھسیٹ رہا ہے۔ عبداللہ بن

دینار پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن سے آپ نے فرمایا ”دیکھو یہ کون ہے؟ اے کاش یہ میرے پاس آئے“ ایک شخص بولا ”کیا آپ اسے نہیں جانتے؟ یہ تو محمد اُسامہ کا فرزند ہے حضرت عبداللہ بن عمر نے یہ سننے ہی سر جھکا لیا، اور ہاتھوں سے زمین کریدنے لگے۔ پھر فرمایا ”اگر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو ضرور پسند کرتے۔“

حضرت اُسامہ خود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اور حضرت حسنؓ کو پکڑتے اور دونوں کے لیے دعا فرماتے۔

اللَّهُمَّ اجِبْهُمَا يَا قِيَّامُ اجِبْهُمَا لَے اللہ تو ان دونوں سے محبت کر کیونکہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں

حضرت اُسامہ تو پھر بھی بیٹھے تھے۔ حوالہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ حجاج بن ایمن جن کے باپ یعنی امیہ حضرت اسامہ بن زید کے علاقائی بھائی تھے۔ اور جو ابھی کسین ہی تھے، مسجد میں آئے، اور بچوں کی طرح ادھ کچری نماز پڑھنی شروع کر دی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا ”نماز لو ٹاؤ“ پھر جب وہ واپس چلے گئے تو آپ نے پوچھا ”یہ کون تھے؟“ حوالہ نے کہا ”یہ حجاج بن ایمن بن اُم ایمن ہیں“ حضرت ابن عمرؓ بولے ”اگر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو ضرور ان سے محبت کرتے۔“

حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے ”بجز حضرت زید افسری کے لائق تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے محبوب تھے۔ پھر یہی ابن عمرؓ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت اُسامہ کا

لے بخاری باب مناقب زید بن حارثہؓ ایضاً ۷۱۵ ایضاً۔

ونلیفہ میرے وظیفہ سے زیادہ مقرر کیا تھا میں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا اے بیٹے اُسے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھ سے زیادہ، اور اسی طرح اُس کے باپ (زید) تیرے باپ سے
زیادہ محبوب تھے۔

غزوہ موتہ اور جمادی الاولیٰ ششہ میں موتہ کا جو شام کا ایک مقام ہے، غزوہ پیش آیا جس کی
شہادت تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کے نام ایک خط
تحریر فرمایا، اور حضرت حارث بن عمر کو نامہ بری کے لیے مقرر کیا۔ یہ خط ایجا رہے تھے
کہ علاقہ بلاق کا ایک رئیس حکمران جس کا نام شرییل بن عمرو اور عیسائی مذہب کا پیرو تھا،
اُس نے حارث کو قتل کر دیا۔ قاصد کو قتل کرنے کا رواج کہیں بھی نہیں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بد عہدی پر بڑا غصہ آیا، اور آپ نے تین ہزار
مجاہدین اسلام کی ایک فوج حضرت حارث کا انتقام لینے کے لیے روانہ کی۔ اس لشکر میں
حضرت جعفر طیار حضرت علیؑ کے حقیقی بھائی، اور عبداللہ بن رواحہ جو ایک معزز انصاری
اور مشہور شاعر تھے، شریک تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے لشکر کی قیادت کا شرف
حضرت زید بن حارثہ کو ہی بخشا۔ لوگوں نے اور خود عبداللہ بن رواحہ نے شکایت کی۔ مگر
آپ نے فرمایا: تم جاؤ تمہیں معلوم نہیں کہ خیر کس میں ہے؟ اور ارشاد ہوا کہ اگر زید شہید ہو جائیں
تو جعفر بن ابی طالب، اور اگر وہ بھی قتل ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ لشکر کے امیر ہوں
حضرت زید نے حسب دستور اس غزوہ میں بھی خوب داؤد شجاعت دی لیکن آخر امر چھپا

لکھا کر شہید ہو گئے۔ آپ کے بعد علم حضرت جعفر کے دست مبارک میں آیا۔ انہوں نے بھی جوانی و بہادری کے حیرت انگیز جوہر دکھائے۔ انجام کار وہ بھی شہادت کبریٰ کا جام نوش کر کے خاموش ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بزرگوں کی شہادت کا حال سنا تو بڑا رنج ہوا اور فرمایا۔

اخوانی و مونسائی و محدثائی یہ دونوں میرے بھائی، میرے مونس اور مجھ کو بات چیت کرنے والے تھے۔
 عمر اور علیہ شہادت کے وقت حضرت زید کی عمر بچپن برس کی تھی۔ ان کا رنگ کھلا ہوا گندمی تھا اور پست قامت تھے۔

ازواج شادیاں مختلف اوقات میں متعدد کی تھیں بیویوں کے نام یہ ہیں:-

امّ امین، امّ کلثوم بنت عقبہ۔ درہ بنت لبب، ہند بنت العوام، زینب بنت جحش۔
 اولاد دولڑکے اسامہ بن زید، اور زید بن زید تھے، اور ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام رقیہ تھا، حضرت اسامہ کے علاوہ دونوں بچے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔

عمار بن یاسر

نام و نسب | اعمار نام ابو الیقظان کنیت والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے
 "عمار بن یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن محصین بن الوذیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارث

۱۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۲۷ ۲۔ اصحاب ج ۳ ص ۲۶ ۳۔ اسد الغابہ ذکر زید بن حارثہ

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۳۰۔

ابن عامر الاکبر بن یام بن منس بن مالک بن اود بن زید بن شجب اللذیحی ثم الحنسی۔
 ان کے والد یاسر قحطانی النسل تھے۔ یمن ان کا اصل وطن تھا۔ اپنے دو بھائی عمار
 اور مالک کے ساتھ ایک گم شدہ بھائی کی جستجو میں لکڑہنچے، وہ دونوں واپس لوٹ گئے حضرت
 یاسر یہیں مقیم ہو گئے۔ اور بنو مخزوم کے حلیف ہو کر اس قبیلہ کے ایک شخص ابو حذیفہ بن المغیرہ کی
 جاریہ سیمتہ سے شادی کر لی۔ انہیں کے بطن سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ مان کی وجہ سے
 یہ بھی غلام سمجھے جاتے تھے۔ ابو حذیفہ نے ان کو بچپن میں ہی آزاد کر دیا تھا۔ اس بنا پر یہ بنو
 مخزوم کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے۔

اسلام | حضرت عمار بن یاسر اسلام قبول کرنے کی سعادت و شرف کے اعتبار سے
 السابِقون الاولون میں سے ہیں۔ یہ اور حضرت صہیب دونوں ساتھ ایمان لائے تھے
 وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقم کے دروازہ مکان پر دیکھا تو پوچھا۔
 ”آپ یہاں کس مقصد سے آئے ہیں؟“ بولے ”پہلے تم اپنا مقصد ظاہر کرو“ میں نے کہا ”محمد
 (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننی چاہتا ہوں“ کہنے لگے ”میرا مقصد بھی یہی
 ہے“ اس کے بعد دونوں ساتھ چلے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر
 مشرف ہوئے اسلام ہوئے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار جس وقت اسلام
 لائے تھے اُس وقت تک حضرت ابوبکر صدیق کے علاوہ صرف پانچ غلاموں اور دو
 عورتوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت مجاہد کی روایت ہے کہ اس وقت تک صرف

سات اصحاب نے ہی اسلام قبول کیا تھا، مگر صحیح یہ ہے کہ کچھ اوپر بیس لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔

تعالیف و اصحاب اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ یہ خود دنیوی فحاشت و ثروت نہیں رکھتے تھے، اور اُس وقت تک اُن کی والدہ سمیت بھی بنو مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں۔ اور اسلام کا صلہ وہاں فروز کچھ اس طرح اس خاندان کو منور کر چکا تھا کہ حضرت عمار کے علاوہ اُن کی والدہ اور والد بھی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اس بنا پر کفار اُن پر سخت سے سخت مظالم کرتے تھے۔ جلے ہوئے ریت پر لٹا دیتے اور بُری طرح زد و کوب کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان تینوں کو تیا جا رہا تھا کہ حضرت سروژ عالم کا اُدھر سے گزر ہوا۔ اپنے شیدائیوں کو اس حالت میں دیکھ کر آپ کا دل بھرتا یا اور فرمایا ”اے آلِ یاسر تم صبر کرو۔ تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔“

حضرت سیمہ آپ کی والدہ سمیت کے ساتھ بد بخت ابو جہل نے انتہا درجہ کا وحشیانہ معاملہ کیا جس کی شہادت کی وہ تاب نہ لاسکیں اور جاں بحق ہو گئیں۔ ان کو اسلام کی راہ میں اس طرح شہید ہو جانے میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ ابو جہل غزوہ بدر میں مارا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا ”اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل کو قتل کر دیا۔“ ابنِ قتیبہ کو دھوکا ہوا ہے، وہ کہتا ہے کہ حضرت یاسر کے بعد سیمہ کا نکاح ایک شخص ازرق نامی سے ہو گیا تھا۔ یہ سیمہ حضرت عمار کی نہیں بلکہ زیاد کی والدہ ہے۔

ایک مرتبہ مشرکین نے حضرت عمار کو پانی میں اس قدر غوطے دیے کہ وہ بالکل بہ چوس ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان ظالموں نے ان کی زبان سے ایک ناشائستہ کلمہ بھی کہلوا لیا، اس وقت تو انہیں مصیبت سے نجات مل گئی، مگر بعد میں ہوش آیا تو غایت مذمت و خجالت کے ساتھ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھ کر چھپا "کیا بات ہے" انہوں نے پورا واقعہ اول سے آخر تک کہہ سنایا، آپ نے فرمایا "تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟" کہا "میرا دل ایمان پر مطمئن ہے۔" سرکارِ دو جہاں نے غایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھے، اور فرمایا "کوئی مضائقہ نہیں" اس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ بَعْدَ اِيْمَانِهٖ لَا مَسَآءَةَ لَهٗ ۗ
وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاٰمِنِآءِ ۚ

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے

مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو

دُاس سے باز پرس نہ ہوگی

سعید بن جبیر کہتے ہیں "میں نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس سے دریافت کیا "کیا مشرکین مسلمانوں کو اس قدر ذیتیں پہنچاتے تھے کہ اگر وہ اُن کی تاب نہ لا کر دین چھوڑ دیتے تو انہیں معذور سمجھا جاتا" فرمایا "اے نبی! یہ لوگ ان غریبوں کو مارتے تھے ان کو بھوکا پیاسا رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ درد و کرب کے مائے اُٹھنے بیٹھنے سے بھی عاجز ہو جاتے تھے۔ اور بعض تو مجبور ہو کر مشرکین کے مشارکے مطابق نادرست باتوں کا

لے طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عمار و اسد الغابہ۔

انہار اپنی زبان سے کر بیٹھے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے جو کچھ فرمایا بعینہ حضرت عمار پر صادق آتا ہے۔ انہوں نے اسلام کی راہ میں طبع طرح کی سخت اور ناقابل برداشت مصائب اٹھائیں، لیکن زبان سے لغزش ہو جانے کے باوجود ان کا دل برابر صبر و استقامت کے ساتھ ایمان پر مطمئن رہا یہاں تک کہ ان کی تسلی اور معاملہ کی صفائی کے لیے قرآن مجید کی ایک آیت نازل ہوئی۔

ہجرت | بعضوں کا خیال ہے کہ حضرت عمارؓ ان لوگوں میں سے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ مگر بعض اس سے مختلف ہیں۔ مدینہ کی ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عمارؓ بھی روانہ ہوئے اور اس سرزمینِ قدس میں پہنچ کر حضرت بشر بن عبداللہ بن زکریا کے مہمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ان کی موافقات حضرت حذیفہ بن الیمانؓ انصاری سے کرادی، اور مستقل سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔

تیسرے مسجد قبا | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو حضرت عمارؓ نے خیال کیا کہ سید عالم کے لیے ایک مکان سے چارہ نہیں ہے کہ جب آپ اپنے قیلولہ سے فارغ ہو کر اٹھیں تو اس کے سایہ میں تشریف فرما ہوں، اور وہاں نماز پڑھیں، چنانچہ آپ نے تمہیں جمع کیے، اور مسجد قبا کی تعمیر کی یہ مدینہ کی سب سے پہلی مسجد تھی جو حضرت عمارؓ کے ہاتھ سے انجام کی گئی تھی۔

تیسرے مسجد نبوی | ہجرت کے چھ سات ماہ بعد مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی گئی تو حضرت عمارؓ نے اس میں

بھی حصہ لیا۔ آپ اینٹ گارالا کر دیتے تھے اور زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

عن المسلمون نبتنی المساجد ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں۔

سب لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے، اور حضرت عمارؓ دو دو اینٹ لاتے تھے۔

ایک دفعہ اس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرے تو آپ نے اُن سے ازارِ شفقت فرمایا "اے عمار، سنو تم کو باغی فرقہ قتل کریگا، اور تم اہل جنت میں سے ہو"۔

ایک مرتبہ کسی نے اُن پر اتنا بوجھ لا دیا کہ لوگوں کو خیال ہوا آج عمارؓ بھینگیں گے۔ وہ اس

سے پہلے بھی تکلیف شاقہ کی شکایت کر چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کر

کچھ بلٹیں اُتار کر پھینک دیں اور ارشاد ہوا۔ افسوس! ابنِ سمیہ تمہیں گروہِ باغی قتل کریگا۔

غزوات کی شرکت [حضرت عمارؓ شروع سے بڑے پُر جوش اور بہادر مسلمان تھے غزوہ بدر سے غزوہ

تبوک تک جتنے معرکے پیش آئے، پوری بہادری اور دلیری کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ

علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں جو جنگیں ہوئیں اُن

میں سے اکثر میں شریک رہے۔ پامہ کی جنگ میں اُن کا ایک کان شہید ہو گیا جو پاس ہی

زمین پر پھٹک رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس زور سے پے پے حملے کرتے رہے کہ

جس کسی طرف کا رخ کیا صفیں کی صفیں الٹ گئیں۔ ایک دفعہ کچھ لوگ دل شکستہ ہو کر اقدام

سے جی چرانے لگے۔ انہوں نے ایک چٹان پر کھڑے ہو کر زور سے کہا "اے مسلمانوں کے

گروہ! کیا تم جنت سے بھاگتے ہو، میں عمار بن یاسرؓ کو کیا تم جنت سے گریز کرتے ہو۔ دیکھو!

میں عمار بن یاسر ہوں۔ آؤ میری طرف۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں ”عمار یہ کہتے جاتے تھے۔ اور میں اُن کے کان کو دیکھ رہا تھا کہ لٹکا ہوا تھا“ اور وہ بڑے زور سے حملے کرتے تھے۔ کوفہ کی گورنری | حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اُن کو حضرت عبداللہ بن مسعود کے ہمراہ کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ اس موقع پر آپ نے جو فرمان اہل کوفہ کے نام ارسال کیا تھا، ہم اُس کو ذیل میں بعینہ نقل کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ اجلہ صحابہ صاحبِ علم و فضل آزاد کردہ غلاموں کی کتنی توقیر کرتے تھے، تحریر فرماتے ہیں۔

اما بعد فانی بعثت الیک عمار بن	اما بعد میں عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود
یاسر امیراً و عبداللہ بن مسعود معلماً	کو وزیر و معلم بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہوں ابن مسعود
و وزیراً و قد جعلت ابن مسعود علی	تمہارے بیت المال کے منتظم ہونگے۔ یہ دونوں محمد
بیت مالکم و انہما لمن النبیاء و من	صلی اللہ علیہ وسلم کے شریف ساتھیوں میں سے
اصحاب محمد من اہل بدین فاسمعوا	ہیں اور غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت رکھنے والے
لہما و اطیعوا و اقدما بھما و قد اثنو علیکم	ہیں، تم سب ان کا کما مانو، اطاعت کرو اور ان
بابن ام عبد علی فہنی و بعثت عثمان	دونوں کی پیروی کرو۔ میں تمام عبد کے بیٹے عبداللہ
ابن حنیف علی السواد و رزقہم کل	بن مسعود کو تمہارے پاس بھیج کر تم کو خود اپنے نفس
یوم شاة فاجعل شطرها و بطنہا	پر ترجیح دی ہے، اور عثمان بن حنیف کو ارض سواد
لعماء و الشطر الباقی بین ہؤلاء	کی پائش کے لیے بوجھا ہوں۔ انکی خوراک کیلئے ایک بکری

الثلاثۃ ۴ یدیم مقرر کی جاتی ہو جس کا ایک حصہ درپٹ عمار کو لٹکا اور قبضہ تھے ان

تینوں کے مہیاں قیم کر دیے جائیگے۔

حضرت عمارؓ نے ایک سال نو ماہ تک فرائض امارت بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیے لیکن کوفہ کے لوگ انتہاء درجہ کے تند مزاج اور متلون واقع ہوئے تھے کسی ایک امیر کی اطاعت پر قائم رہتے ہی نہ تھے۔ عمارؓ سے قبل یہاں کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ ان کی اہلیت و قابلیت میں کیا کلام ہو سکتا ہے مگر کوفہ والوں نے حسب عادت ان کی اتنی شکایتیں دہر بار خلافت تک پہنچائیں کہ آخر کار انہیں معزول کرنا پڑا حضرت سعدؓ کے بعد جب عمارؓ گورنر ہو کر آئے، تو ان کے ساتھ بھی ان لوگوں نے یہی معاملہ کیا، اور حضرت عمر فاروقؓ کے پاس بار بار لکھ کر بھیجا کہ ”عمارؓ کمزور ہیں، انہیں سیاست نہیں آتی“ خلیفہؓ دوم کو اہل کوفہ کی اس تلون مزاجی پر بڑا افسوس ہوا، اور آپؓ نے فرمایا:-

من عذیری من اهل الکوفۃ ان اہل کوفہ کی طرف سے مجھ کو معذور رکھنے والا کون ہو اگر استعملت علیہم القوی فمخزوءہ فان میں ان پر قوی کو حاکم بناتا ہوں تو یس کو انحراف کرتے وَکَیْتُ عَلَیْہِمُ الضَّعیفَ حَقَّوْہُ ۴ ۴ ہیں، اور اگر ضعیف کو ان پر حاکم مقرر کرتا ہوں تو یس کی تحقیر کرتے ہیں۔

بہر حال حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر کے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر

۴ یہ فرمان اختصار کے ساتھ ”اسد الغابہ“ میں بھی ہے، مگر اس تفصیل کے ساتھ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۸۱ میں مذکور ہے۔ ۴ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷۸۔

کر دیا۔

معزولی کے بعد حضرت عرف نے اُن سے پوچھا ”تم معزولی کے حکم سے ناراض تو نہیں ہوئے؟“ بولے ”میں نہ اس امارت سے خوش تھا اور نہ اب عزل سے خوش ہوں۔“

خلیفہ ثالث کے عہد میں حضرت عمار خوش نہیں رہے۔ ایک تحقیقات کے سلسلہ میں مصر بھیجے گئے تھے، ایک عرصہ کے بعد وہاں سے واپس آئے، تو اُن پر اہل مصر کے خیالات کا گہرا اثر تھا۔

خلیفہ چہارم | حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ سربراہ کے خلافت ہوئے تو انہوں نے حضرت عمارؓ کو تمام اہم امور میں اپنا مشیر کا مقرر کر لیا۔ حضرت عائشہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کے سلسلہ میں جنگی تیاریوں کے لیے بھروسہ کا رخ کیا تو حضرت علیؓ کے حکم سے آپ حضرت امام حسنؓ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ و حمایت پر آمادہ کریں۔

جنگِ جمل | ماہِ جمادی الاخریٰ ۳۵ھ میں جمل کی ناگوار جنگ پیش آئی تو حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کے ساتھی تھے۔ اور فوج کے میسرہ کی قیادت کرتے تھے۔ اس جنگ میں بھی حسبِ معمول حضرت عمارؓ نے غیر معمولی جرأت و دلیری اور شجاعت و مردانگی کا ثبوت دیا۔

جنگِ صفین | اس کے بعد امیر معاویہؓ سے صفین کا معرکہ پیش آیا۔ اس وقت حضرت عمارؓ کی عمر اسیاتوے برس کی تھی، مگر جو صلہ اور ہمت جوانوں سے بڑھ کر تھی۔ نہایت جوش و خروش سے

لے اُسد الغابہ تذکرہ حضرت عمار۔

حضرت علیؓ کی جانب سے لڑ رہے تھے۔ اثنائِ جنگ میں ان کی نظر حضرت عمرو بن العاصؓ پر پڑ گئی جو حضرت امیر معاویہؓ کے بڑے سرگرم علمبردار تھے۔ حضرت عمارؓ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: ”میں اس علمبردار سے تین دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑ چکا ہوں۔ اب یہ چوتھی مرتبہ ہے۔ بخدا اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقامِ ہجرت تک بھی پہنچا کرتے چلے آئیں ہیں تب بھی یہی سمجھو گا کہ ہم لوگ حق پر ہیں اور وہ غلطی پر!“

شہادت | اسی جنگ میں ایک دن حضرت عمارؓ نے ایک گھونٹ مانگا، تھوڑا سا دودھ حاضر کیا گیا۔ آپؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا آخری گھونٹ جو تم پیو گے وہ دودھ کا ہو گا۔ یہ کہہ کر میدانِ جنگ میں جا گئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ آخر کار قتل کر دیے گئے۔ اُس وقت آپؐ کی عمر ۶۴ سال کی اور بعض کے نزدیک ترانوے برس کی تھی۔

فضائل | حضرت عمارؓ کی کتابِ فضائل کا سب سے زیادہ روشن باب یہ ہے کہ وہ حق کی تائید میں کسی شخص کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ جنگِ جمل کا معاملہ نہایت سخت تھا۔ ایک طرف اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ تھیں، اور دوسری طرف حیدرِ کرام حضرت علیؓ مرتضیٰ تھے۔ دونوں نہایت درجہ محترم و کرم اور خانوادہٴ نبوت سے تعلق رکھنے والے حضرت عمارؓ غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس جنگ میں حضرت علیؓ کی حمایت کرنی چاہیے چنانچہ آپؐ مردانہ وار مقابلہ کے لیے بڑھے، اور بڑی گرجوشی کے ساتھ معرکہ آرائی کی۔

اس موقع پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ایسے بزرگانِ مرغ و مرغیاں نے لوگوں کو غیر جانبدار رہنے کی تلقین کی مگر حضرت عمارؓ نے ایک پر جوش تقریر میں فرمایا: "لوگو! میں جانتا ہوں عائشہؓ دنیا اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمِ محترمہ ہیں، لیکن اس وقت خدا تم سب کا امتحان لے رہا ہے کہ تم اس کی فرمانبری کرتے ہو یا حضرت عائشہؓ کی؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی وصفِ خاص کی بنا پر حضرت عمارؓ سے محبت کرتے اور اُن کا بہت خیال رکھتے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "ایک دفعہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت عمارؓ آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔"

مرحباً! الطیب للطیب خوش آمد! پاکیزہ و مصفا بزرگ

ایک دفعہ حضرت خالدؓ اور حضرت عمارؓ دونوں میں کسی بات پر نزاع ہو گیا جس میں اُن کے ذکر کرنے اپنے حریف کی شان میں کوئی نامناسب کلمہ کہہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو حضرت خالدؓ پر ناراض ہوئے اور فرمایا:۔

یا خالد! لا تسب عماراً فانہ من یتبّ لے خالد عمار کو بڑا کہو جو اس کو بڑا کہتا ہے اللہ اس کو عمار اسیبہ اللہ ومن یبغض عماراً سب کرتا ہے جو عمار کو مبغض رکھتا ہے وہ اللہ کے نزدیک یبغضہ اللہ ومن یسف عماراً یسفہ اللہ مبغض ہوتا ہے اور جو عمار کی تحقیر کرتا وہ اللہ کی تحقیر کرتا ہے۔

حضرت خالدؓ فرماتے ہیں: یہ دن میرے لیے بڑا ہی سخت تھا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لیے استغفار کیجیے۔ اور خود بھی حضرت عمار سے عفو کے طلبگار ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ”اگر عمار کو د باتوں کے درمیان اختیار دیا جائے تو وہ اسی بات کو اختیار کرینگے جو بہتر ہوگی۔“ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: ”لوگو! میرے بعد ابو بکر عمر کی اقتداء کرو اور عمار کی روش سیکھو۔ چنانچہ لوگ عام طور پر یہی سمجھتے تھے کہ حضرت عمار جدھر ہونگے حق اسی طرف ہوگا۔ خزیمہ بن ثابت جنگ جمل صفین میں موجود تھے لیکن انہوں نے اپنی تلوار میان سے نہیں نکالی۔ لوگوں نے پوچھا تو کہا ”میں اپنی تلوار اس وقت تک نہیں کھینچتا جب تک کہ میں یہ نہ دیکھ لوں کہ عمار کو کون قتل کرتا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے حضرت عمار سے فرمایا ”تم کو باغیوں کا گروہ قتل کر چکا“ پھر جب صفین میں عمار قتل کر دیے گئے تو خزیمہ نے کہا کہ قاتل عمار کے لیے مگر اسی یقینی ہے۔“

عمرو بن العاص صفین میں حضرت معاویہ کی فوج کے علمبردار تھے لیکن وہ بھی حضرت عمار کی جلالت شان کے اس درجہ معترف تھے کہ عمار کے شہید ہو جانے کے بعد ان کے دو قاتل لڑتے جھگڑتے حضرت عمرو بن العاص کے پاس آئے اور ان میں سے ہر ایک نے کہا کہ میں نے عمار کو قتل کیا ہے۔ تو حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا ”قسم اللہ کی یہ دونوں دوزخ کے لیے جھگڑ رہے ہیں قسم اللہ کی میں پسند کرتا ہوں کہ اب سے میں برس پہلے مر گیا ہوتا۔“

ذہبیت ایک زبردست مجاہد و سرفرش ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت عمارؓ کے ہمراہی اور

اوراد و وظائف کے پابند تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں ”یہ آیت
 اَمَّنْ هُوَ قَانِثٌ اَنَّا اَلَّیْلٌ سَاجِدًا و کیا وہ شخص جو رات کو سجدہ کر کر کے اور قیام کر کے عبادت
 قائم کیا بخیر الاخرة و برجوا رحمت کرتا ہے، آخرت کے ڈر سے اور اپنے رب کی رحمت کی
 امید کرتا ہے (گنہگار بندوں کی برابر نہیں ہو سکتا) ساریتم

حضرت حماد کی شان میں ہی نازل ہوئی ہے۔ جمعہ کے دن خطبہ سے قبل منبر پر بیٹھ
 اگر عموماً سورہ یس تلاوت فرماتے تھے خطبہ فصیح و بلیغ اور مختصر ہوتا تھا ایک بار کسی نے اس
 اختصار پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے نماز کو طول
 دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کے سمجھ کی نشانی ہے“

حلیہ۔۔۔ قد داز، آنکھیں زنگی، سینہ چوڑا، رنگ سیاہ، بدن بھرا اور گٹھا ہوا، سر کے
 بال بہت کم۔ اکیانوے یا کچھ اس سے زائد برس کی عمر میں شہادت پائی، مگر آخر تک جوانوں
 کی طرح باہمت و باحوصلہ رہے، کبھی خضاب استعمال نہیں کیا۔

حضرت سالم

نام و نسب | ابو عبد اللہ کنیت، سالم نام، والد کا نام بعض کے نزدیک عبید بن ربیعہ اور بعض کے نزدیک
 معقل ہے۔ ایرانی الاصل ہیں۔ اصغر ان کا آبائی وطن تھا۔ مولیٰ ابی حذیفہ بن عتبہ کے لقب سے

شہور ہیں۔ دراصل حضرت ابو حذیفہ کی چوٹی شینہ بنت یعار انصاریہ کے غلام تھے۔ انہوں نے آزاد کر دیا تو حضرت ابو حذیفہ نے اُن کو اپنا بیٹا بنا لیا اور اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید سے اُن کا نکاح کر دیا۔ چنانچہ لوگ انہیں سالم بن حذیفہ کہنے لگے، مگر جب قرآن مجید میں ناذ غوغوہہ رلآ بآء ھفہ دان کو اُن کے باپ کی نسبت سے بلایا کرو، کا حکم نازل ہوا تو لوگ انہیں سالم مولیٰ ابی حذیفہ کہنے لگے۔

اسلام | مگر میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت سالم حضرت ابو حذیفہ کے ساتھ یہیں مقیم تھے توحید کی دعوت ربانی نے اپنا اثر کیا اور فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن الجراح سے بھائی چارہ کر دیا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے مدینہ پہنچ گئے سرور کونین نے مدینہ پہنچ کر معاذ بن اعصر سے مواخات کرادی۔

غزوات و شہادت | حضرت سالم نہایت پُرجوش اور بہادر مجاہد تھے، غزوہ بدر، احد، اور تمام اہم معرکوں میں شریک رہے۔ حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں مرتدین سے یمامہ میں جنگ کی نوبت آئی، تو حضرت سالم اس میں شریک تھے آپ کے ہاتھ میں جھنڈا تھا کسی نے کہا ”آپ یہ جھنڈا کسی اور کو دیدیجیے، آپ کی جان کا خطرہ ہے“ بولے ”تو پھر میں بڑا عامل قرآن ہو چکا“ نہ مانے اور جھنڈے کے میدان جنگ میں درانہ گھسے چلے گئے، دامنہ ہاتھ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ سے علم تمام لیا، بایں ہاتھ بھی قلم ہو گیا تو لٹوا، گوگردن میں ڈال لیا کہ وہ غم نہ ہونے پائے آپ

جہنم کو سینہ سے چٹکے اور گردن سے لگائے ہوئے تھے اور زبان مبارک پر یہ فقرہ جاری تھا:-

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ وَكَانَتْ ثَمَنُ
نَبِيٍّ قَتِيلٍ مَعَ رَيْثُونِ كَثِيرٍ

اس حالت میں کب تک مقاومت کرتے؟ زخموں سے چور ہو کر گے تو پوچھا ابو جہلؓ کا کیا حال ہے؟ کسی نے کہا ”وہ تو قتل کر دیے گئے“ پھر کسی شخص کا نام لے کر دریافت کیا ”اُس کا کیا حال ہے؟“ لوگوں نے کہا ”وہ بھی قتل کر دیے گئے“ فرمایا ”مجھ کو ان دونوں کے درمیان لٹا دو“

ابن سعد فرماتے ہیں ”جنگ یمامہ میں مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے۔ تو حضرت سالمؓ نے فرمایا ”حیف! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ہمارا حال ایسا نہ تھا“ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے لیے ایک گڑھا کھود لیا اور اُس میں کھڑے ہو کر علم لیے ہوئے آخر طحہ جیتا تک لڑتے رہے۔ جنگ کے ختم پر لوگوں نے دیکھا کہ ان کا سر اپنے منہ بولے باپ حضرت ابو حذیفہ کے پاؤں پر تھا۔“

شہید ہونے کے بعد دیکھا گیا تو اُن کا ترکہ صرف ایک ہتھیار اور ایک گھوڑا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو شینہ بنت یعار انصاریہ کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے اُس کو قبول نہیں کیا، اور کہا کہ ”حضرت سالمؓ کو آزاد کرنے والی تو سائبہ ہیں۔ حضرت سائبہؓ کے پاس یہ ترکہ بھیجا

گیا تو انہوں نے فرمایا "میں نے سالم کو محض اللہ کے لیے آزاد کیا تھا۔ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے" حضرت عمرؓ نے اس کے بعد اس تمام ترکہ کو بیت المال میں داخل کر دیا۔

نید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سالم کی شہادت کی خبر پھیلی تو لوگوں نے کہا "آج ایک ربیع قرآن جاتا رہا"۔

فضائل حضرت سالم صحابہ کرام کے طبقہ سابقون الاولون میں سے سمجھے جاتے تھے قرأت اور حسن صوت کے امام تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "قرأت چار شخصوں سے حاصل کرو، عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں "جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے میں حضرت سالم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں۔ خوش الحانی کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لا رہی تھیں راستہ میں رک گئیں سو وہ گھوڑے کو زمین پر وجہ دریافت کی۔ فرمایا: ایک شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا، میں اس کو سننے لگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر اتنا اشتیاق ہوا کہ فوراً ردائ مبارک سنبھالتے ہوئے باہر تشریف لائے اور جب بیکھا کہ یہ قاری حضرت سالم تھے تو زبان قدس یوں دھڑکی پڑی کہ

الحمد لله الذي جعل في جميع هذا ثابت ہے اس خدا کے لیے جس نے میری

امتی میں مثاک سے اہمیت میں تمہارے جیسے لوگوں کو پیدا کیا۔

حضرت سالم کے لیے اس سے بڑھ کر فضیلت و بزرگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود نبوت کی

لے مے سند و ک حاکم ۲ ص ۲۲۶ سے بخاری باب مناقب سالم مولیٰ ابو حذیفہ مے اسد الغابہ تذکرہ سالم۔

نباں حق ترجمان اُس پر فخر و تاز کرے۔

مدینہ میں اسی خوش الحانی اور فرین قرأت میں مہارت و امامت کے باعث آپ مسجد قبا میں نماز امامت پڑھتے تھے۔ اور اجلہ صحابہ مثلاً حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ آپ کی اقتدار میں نماز پڑھتے تھے۔ حضرت سالمؓ کے اس فضل و کمال کی وجہ سے تمام صحابہ آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے وفات کے وقت فرمایا ”اگر آج سالم زندہ ہوتے تو میں خلافت کی سفارش اُن کے لیے کرتا۔“

حضرت اسلمؓ فرماتے ہیں ”ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا ”تم لوگ تمنا کرو کسی نے کہا ”میں اس بات کی تمنا کرتا ہوں کہ یہ گھر سونے سے بھرا ہوتا، اور میں اُس سب کو اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیتا، اور صدقہ دے ڈالتا، ایک دوسرے شخص نے کہا ”اے کاش یہ گھر کھراج اور جواہرات سے پُر ہوتا اور میں فی سبیل اللہ وہ سب لٹا بیٹھتا“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اور کوئی تمنا ظاہر کرو لوگوں نے کہا ”ہم نہیں جانتے اے امیر المومنین کیا کہیں پھر آپ نے فرمایا ”میں تمنا کرتا ہوں کہ یہ گھر ابو عبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبل، سالم مولى ابی حذیفہ، اور حذیفہ بن الیمان ایسے بزرگوں سے بھرا ہوگا۔“

اخلاق | حضرت سالمؓ اخلاق کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ بزرگ تھے گزشتہ واقعات زندگی سے ان کی استقامت اور استقلال و پامردی کا ثبوت ملتا ہے۔ دنیا و اہل دنیا سے بے تعلق رہتے تھے، جو کچھ کماتے تھے مختلف اسلامی ضرورتوں اور غلاموں کی ضرورتوں پر صرف

۱۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ائمة العبد للہ اسناد الخ ج ۲ ص ۲۴۶، ۲۴۷ سے مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۲۷

کر دیتے تھے۔ وفات کے وقت صرف ایک ہتھیار اور ایک گھوڑا چھوڑا جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ رضی اللہ عنہما ورضاء

حضرت عامر بن فہیرہ

نام و نسب | عامر نام، ابو عمرو کنیت، والد کا نام فہیرہ تھا، طفیل بن عبد اسد کے غلام تھے جو حضرت عائشہ کے آخیانی بھائی تھے، اور قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے۔

اسلام | مکہ مکرمہ میں اسلام کا غلغلہ اول اول بلند ہوا تو اس کی صدائے پُر تاثر نے جن حق آگاہ دلوں کو متاثر کیا، ان میں ایک حضرت عامر بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دار ارقم میں تشریف فرما نہیں ہوئے تھے کہ حضرت عامر بحالت غلامی ہی اسلام لے آئے۔ حضرت بلال، مصعب بن عمیر اور حضرت عمارؓ کی طرح ان پر بھی سخت سے سخت مصیبتوں کی انتہا کر دی گئی، مگر انہوں نے بڑی پامردی اور استقلال و ثابت قدمی کے ساتھ ان سب کا مقابلہ کیا، اور اسلام کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ حضرت ابو بکرؓ جو غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے میں مشہور ہیں، انہوں نے حضرت عامر کی یہ حالت دیکھی تو خرید کر آزاد کر دیا۔

ہجرت | پھر جب سرکارِ دو عالم یارِ غار حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ مدینہ منورہ کی ہجرت کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور غارِ ثور میں قیام کیا، تو حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عامر کو یہ خدمت پہنچ

کی کہ وہ دن بھڑان کی بکریاں چراتے تھے اور شام کو غار کے پاس لے آتے۔ یہاں دودھ کران کا دودھ نکالا جاتا اور کام میں لایا جاتا۔ صبح کے وقت حضرت عبداللہ بن ابی کر واپس جاتے تو بکریوں کو ان کے نشان قدم پر لے چلتے کہ مشرکین کو کچھ شبہ نہ ہو۔ پھر جب یہ قافلہ غار ٹورے روانہ ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ مدینہ پہنچ کر حضرت سعد بن حیشم کے مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن اوس کے ساتھ موافات کرادی گئی۔

مدینہ کی آب و ہوا شروع میں جن حضرات کو موافق نہیں آئی ان میں ایک حضرت طمر بھی تھے۔ مرض کا اس قدر غلبہ ہوا کہ زندگی سے مایوس ہو گئے، ہجران کی شدت کے وقت یہ اشعار پڑھتے تھے۔

انی وجدت الموت قبل ذوقہ ان الجبان حنقہ من فوقہ
کل امرئ محبا لحد بطوقہ کالشور محمی أنفہ بروقہ
ترجمہ: میں نے موت سے پہلے ہی موت کا ذائقہ چکھ لیا۔ بے فہم بزدل کی موت اُس کے اوپر سے ہے۔

ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرتا ہے، بیل کی طرح جو اپنے سینگ سے اپنی ناک کی حفاظت کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مہاجرین کرامؓ کی اس ناسازشٹی طبائع کی خبر ہوئی تو آپ نے دعا کی ”اے خدا! تو مکہ کی طرح مدینہ کو بھی ہمارے لیے خوشگوار بنادے۔ اور اُس کو بیاریوں سے پاک و

صاف کر دے" دعا قبول ہوئی، اور حضرت عامر بن نفیرہ تندرست ہو گئے۔

غزوات | غزوہ بدر و اُحد میں شریک تھے۔ صفر سنہ ۳ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر کلابی جو قبیلہ کلاب کا سردار تھا، اُس کی درخواست پر شتر قاریوں کی ایک جماعت کو جن میں سے اکثر اصحاب صفہ میں سے تھے تبلیغ و ارشاد کے لیے اس قبیلہ کی طرف روانہ کیا۔ ان میں حضرت عامر بن نفیرہ بھی تھے اس جماعت مبلغین نے یہ معونہ پہنچ کر قیام کیا۔ عامر بن طفیل نے رمل و ذکوان قبائل کے پاس آدمی دوڑا دیے، ان لوگوں نے غدار ی کر کے ان تمام اصحاب کو مع حضرت عامر بن نفیرہ کے شہید کر دیا۔ صرف حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری زندہ گرفتار ہوئے۔ حضرت عامر کی عمر اس وقت چالیس برس کی تھی۔ اس کے بعد عامر بن طفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو کہا کہ میں نے عامر بن نفیرہ کی لاش کو قتل ہونے کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھاپے گئے یہاں تک کہ آسمان و زمین کے درمیان بالکل معلق نظر آئے پھر زمین پر رکھ دیے گئے۔ حضرت عروہ سے مروی ہے کہ ان شہدار کرام میں حضرت عامر کی فحش تلاش کی گئی تو نہیں ملی۔ اس پر لوگوں کو خیال ہوا کہ فرشتے اُس کو اٹھا کر لے گئے یا انہوں نے تدفین کر دی سرور کائنات کو اس واقعہ معونہ کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور آپ چالیس روز تک صبح کی نماز کے بعد ان غداروں کے حق میں بددعا فرماتے رہے، یہاں تک کہ آیت لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِیْ عَنِ الْاَعْمَالِ فَنَكْرُهَا آپ کو اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے، نازل ہوئی۔

لے عربی کا مشہور شاعر ہے۔ اس کا دیوان عبید بن ابرص کے دیوان کے ساتھ یورپ سے شائع ہو چکا ہے۔

لے بخاری کتاب المغازی باب غزوہ التوحج لے اسد الغابہ ج ۳ ص ۹۱۔

اخلاق و شائِل | حضرت عامر مورت ظاہری کے لحاظ سے سیاہ فام حبشی تھے مگر اُن کا دل مادہ سینہ انوار نبوت کی عکس ریز یوں سے شمع جہاں فروز کی مانند روشن تھے حضرت عامر کی فضیلت و بزرگی کے لیے یہ شرف ہی کیا کم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو غار ثور ایسے نازک موقع پر اپنا معتد بنایا۔ استقلال و پامردی کا عالم یہ تھا کہ غزوہ بدر معونہ میں ان کے قاتل جبار بن سلی کا نیزہ سینہ سے پار ہوا تو اضطراب و تشویش کی بجائے بے ساختہ زبانِ مبارک سے نکلا: "فَرَّتْ وَاللّٰهُ" میں اللہ کی قسم کامیاب ہو گیا۔

حضرت ابو رافع

نام و نسب | نام میں بہت اختلاف ہے، زیادہ مشہور اسلم ہے، امام بخاری نے بھی اس کا ہی جنم کیا ہے۔ کنیت ابو رافع تھی۔

غلامی | ابتدا میں حضرت عباس کے غلام تھے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور بوجہ دے دیا۔ آنحضرت نے حضرت عباس کے اسلام قبول کرنے کی خوشی میں آزاد کر دیا۔

اسلام | اپنے اسلام کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش نے محمد کو کسی کام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ کو دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب میں قریش کے پاس واپس نہ جاؤں گا۔ سرکارِ کوثرؐ نے

فرمایا میں عہد شکنی نہیں کرتا اور قاصد کو نہیں روکتا۔ اب تو تم واپس چلے جاؤ۔ اگر پھر بھی تم اسلام کی طرف میلان کا جذبہ اپنے اندر پاؤ تو واپس آ جانا چنانچہ ارشاد نبویؐ کے مطابق یہ واپس چلے گئے اور پھر بارگاہِ نبوت پناہ میں حاضر ہو کر دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

اخفاء اسلام | بد تک قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہیں کیا، ایک دن چاہِ زمزم پر بیٹھ تیر درست کر رہے تھے حضرت عباسؓ کی بیوی بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں، اتنے میں ابولہب آیا، اور حجرہ کی طناب کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر ابوسفیانؓ آئے۔ ابوسفیانؓ نے ابولہب سے بدر کے حالات پوچھنے شروع کیے۔ بولا ”کیا بتاؤں؟ مسلمانوں نے ہماری تمام قوت تباہ کر کے رکھ دی کتنے ہی ہیں جن کو تیغ کیا، کچھ گرفتار ہوئے۔ اسی سلسلہ میں ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ میدانِ جنگ میں زمین سے آسمان تک سفید پوش سوار بھرے پڑے تھے۔ ابورافعؓ بولے ”وہ فرشتے تھے؟“ یہ سن کر ابولہب نے ان کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا یہ سنبھل کر گتھم گتھا ہو گئے۔ مگر کمزور تھے غالب نہ آ سکے۔ ابولہب نے زمین پر ہنگ دیا اور جتنا مار سکتا تھا مارا حضرت عباسؓ کی بیوی جو پاس ہی موجود تھیں، اس ظلم کو برداشت نہ کر سکیں۔ ایک ستون اٹھا کر اس زور سے رسید کیا کہ ابولہب کا سر کھل گیا۔ اور بولیں ”اس کا آقا موجود نہیں ہے، کمزور سمجھ کر اتارنا ہے“ ہجرت | بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے، اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے۔ غزوات | اُحد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سر پہ حضرت علیؓ کی زیر سرکردگی جو زمین کی طرف بھیجا تھا، اُس میں حضرت ابورافعؓ بھی تھے۔ وہ غزو

فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابورافع! تم علی سے جا کر مل جاؤ، اور اُن کو پیچھے سے آواز نہ دینا۔ اُن کو چاہیے کہ کھڑے ہو جائیں اور ادھر ادھر نہ دیکھیں یہاں تک کہ میں آ جاؤں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور حضرت علیؑ کو چند باتوں کی نصیحت فرمائی اور فرمایا: اے علی تمہارے ذریعہ اللہ کسی ایک شخص کو ہدایت دے۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اُن تمام چیزوں سے جن پر آفتاب طلوع کرتا ہے۔

فضل و کمال | حضرت ابورافع فضل و کمال میں نمایاں مقام رکھتے تھے، ان سے اڑھائی ہزار مردی ہیں جن میں سے ایک میں بخاری اور تین میں امام مسلم منفرد ہیں جن حضرات نے ان سے بدایتیں نقل کیں اور علمی استفادہ کیا اُن کے نام یہ ہیں: صاحبزادوں میں حسن، رافع، عبید اللہ، معتمر، پوتوں میں: حسن، صالح، عام، اصحاب میں عطاء بن یسار۔ ابو عطفان بن طریق، ابوسعید مرقری۔ اور سلیمان بن یسار۔

حضرت ابورافع ایک خادم کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر و حضر میں رہتے تھے۔ اس لیے سرور کائنات کی زندگی کی معمولی معمولی جزئیات سے متعلق ان کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ واقفیت تھی۔ اسی بنا پر اہل صحابہ ان سے استفادہ کرتے تھے حضرت ابورافع کے پوتے عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس میرے دادا کے پاس ایک کاتب کو لے کر آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کرتے

کہ آپ نے ظاں دن کیا کیا کام کیے تھے۔ وہ بتاتے جاتے اور کاتب تحریر کرتا جاتا تھا۔

حضرت ابو رافع کے شرف و مجد کے لیے یہی کیا کم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ نے آزاد کر کے ان کو اپنے خاندان میں شامل کر لیا تو فرمایا مولی القوم من انفسہم اس کے بعد شرافت و نجابت اور فضیلت و بزرگی کا کونسا مرتبہ باقی رہتا ہے۔

حضرت ابو رافع کو اس نسبت پر بڑا فخر و ناز تھا اور وہ اس کو کسی قیمت پر بھی دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کے متعلق صاحب تہذیب التہذیب نے ایک روایت لکھی ہے کہ عمرو بن سعید بن عاص نے مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں ان سے پوچھا ”تم کس کے مولی ہو؟“ انہوں نے فرمایا ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا“ عمرو بن سعید نے کہا ”نہیں! تم ہمارے غلام ہو“ انہوں نے انکار کیا، یہاں تک کہ عمرو نے ان کو پانسو ڈرے لگائے اور بالآخر انہوں نے اقرار کر لیا ”ہمارے خیال میں اول تو یہ روایت درست ہی نہیں جیسا کہ خود صاحب تہذیب التہذیب نے اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

ولا تبین لی ذلک بل عندی آتہ میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے بلکہ یہ کوئی اور غیرۃ ہے ابو رافع ہیں۔

اور اگر ان سے ہی متعلق ہو، تو صحیح یہ ہے کہ آخر دم تک یہ اپنے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہتے رہے، اور عمرو کی غلامی کو تسلیم نہیں کیا، جیسا کہ بعض اور روایتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

شادی اور ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی آزاد کردہ جاریہ سلی سے کر دیا تھا، جو صاحبزادہ ابراہیم کی آیا تھیں۔ ان سے عبد اللہ تولد ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت ابو رافع کی

اولاد کے نام حسب ذیل ہیں :-

حسن، رافع، معتمر، مغیرہ، سلمیٰ

وفات کے متعلق اختلاف ہے، کوئی حضرت عثمان کے آخری عہد خلافت میں بتاتا ہے، مگر غالباً صحیح یہ ہے کہ حضرت علی کے ابتدائی عہد خلافت میں انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہ۔ اصل یہ کہ ابورافع نام کا ایک شخص ابو ایحہ سعید بن العاص کا غلام تھا۔ ان دونوں کے واقعات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

حضرت شقران صلح

نام و نسب | صلح نام، شقران لقب، اور والد کا نام عدی تھا۔ حبشی نژاد تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کے غلام تھے، بعد میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کر دیا۔ آپ نے اُن کو خلعتِ آزادی سے مشرف فرمایا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات نے قیتا خریدی تھی لیکن یہ قول بہت ضعیف ہے، خود ارباب سیر نے قبیلہ کے ساتھ لکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک صحیح روایت بھی ایسی نہیں ہے جس سے آپ کا کسی غلام کو قیمت کے بدلے میں خریدنا ثابت ہو۔

خداات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو غزوہ بدر میں مالِ غنیمت کے جمع کرنے اور بدر میں قیدیوں کی دیکھ بھال پر متعین کیا تھا۔ انہوں نے قیدیوں کی نگرانی، اس نرمی اور لطافت سے کی کہ ان سب نے اُن کو اس قدر معاوضہ دیا کہ مالِ غنیمت میں سے جن کو حصہ ملا تھا حضرت

شقران اُن سب سے اچھے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شقران کی حسن خدمات سے بہت خوش تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے وفات کے وقت خاص طور سے ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی وصیت فرمائی حضرت شقران بھی اپنے اُقل کے ایسے جاں نثار غلام ثابت ہوئے کہ جس دامنِ کرم سے ایک مرتبہ وابستہ ہو گئے تھے آخر تک اُس کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اُن کی وفا کوشی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سید کوئین کے جسمِ مطہر کی امانت زمین کے سپرد کی گئی تو اس موقع پر حضرت شقران بھی آل بیت اطہار کے ساتھ موجود تھے۔ جو چادر اس وقت رحمتہ للعالمین کے زیبِ بدن تھی حضرت شقران اُس کو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے، یہاں تک کہ ملائقدس کی یہ امانت با عظمت سپرد زمین ہو کر چشمِ ظاہر سے قیامت تک کے لیے مستور ہو گئی۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ وسلم حضرت شقران سے بعض احادیث بھی مروی ہیں۔ عبید اللہ بن ابی رافع نے اُن سے روایت کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت شقران کہاں رہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بغوی فرماتے ہیں کہ مدینہ میں قیام رہا، اور بعضوں کا خیال ہے کہ بصرہ چلے گئے۔ ٹھیک معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی جائے وفات و وقت وفات بھی معلوم نہیں ہے۔

حضرت خُتَاب بن اَرَث

نام و نسب [خُتَاب نام، ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام اَرَث تھا] ان کے نسب میں اختلاف ہے بعض

لے طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۳۷، اصابع ج ۲، ص ۲۰۹، تھے ایضاً

کہتے ہیں فزاعی تھے۔ مگر صحیح یہ ہے بنو نضیم سے تعلق رکھتے تھے۔ عہد جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کیے گئے۔ ان کے آقا کے نام میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کے آقا عبید بن غزوہ تھے۔ اور کسی نے ان کو ام المہاجرینت سباع المہاجرینہ کا غلام کہا ہے۔

اسلام | حضرت خبابؓ اُن سعادتمند بزرگوں میں سے ہیں جن کی کلاہِ فخر کا طرہ امتیاز السابعتون الاوتون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی حضرت ارقم کے گھر میں قیام پذیر نہیں ہوئے تھے کہ حضرت خبابؓ اسلام کی نعمت بے زوال سے مشرف ہو گئے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا نمبر چھٹا تھا۔ اسی بنا پر آپ کو سادس الاسلام کہتے تھے۔

یہ وقت اُن چند مسلمانوں کے لیے انتہائی سخت اور صبر آزما تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی وجہ سے محفوظ تھے، اور حضرت ابوبکرؓ اپنی قوم میں ممتاز تھے۔ اس لیے وہ بھی کفار مکہ کے شر سے امن میں تھے حضرت خبابؓ غلام تھے کوئی ان کا یا ر و مددگار نہیں تھا۔ انہوں نے اسلام کا اعلان کیا تو کافروں کا غیظ و غضب ان کے خلاف اُبل پڑا۔ یہ اُن مصیبتِ نوگوں میں سے تھے جن کو لوہے کی زنجیریں پہنا کر دھوپ میں لٹا دیتے تاکہ لوہے کی گرمی سے ان کا ہم تپنے لگے کبھی ننگی پیٹھ دیکھتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیے جلتے اور سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی مسلتا۔ حضرت خبابؓ یہ انسانیت سوز مظالم برداشت کرتے۔ انگاروں پر لوٹے لوٹے گوشت کباب کی طرح بھننے لگتا لیکن ان تمام سختیوں کے باوجود زبانِ بادۂ توحید کے ذائقہ کام نواز سے ایک مرتبہ اشتہا ہو چکی تھی وہ کس طرح اس ظلم و جبر سے مرعوب ہو کر مکہِ حق سے انحراف کر سکتی تھی۔ رحمتِ دو عالم حضرت خبابؓ کی ان مصیبتوں کا حال سن کر انتہا درجہ ملول ہوتے اور تالیفِ قلب فرماتے تھے۔ ام انار کو سرورِ عالم کی ان دیکھنیوں کا علم ہوتا تو اپنے ظلم میں اور شدت

پیدا کر دیتی، اور لوہا آگ میں تپا کر ان کا سر داغتی تھی۔ ایک مرتبہ جب ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی تو حضرت خباب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی ”میرے لیے بارگاہِ خداوندی میں دعا فرمائیے کہ وہ مجھ کو اس عذاب سے نجات عطا فرمائے، آپ نے دعا فرمائی ”خدا یا خباب کی مدد کر“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر یہ ہوا کہ ام انمار کے سر میں ایسی تکلیف شروع ہوئی کہ وہ کتوں کی طرح بھونکتی تھی۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ سر کو درغ لگوانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت خباب گرم کیا ہوا لوہا ام انمار کے سر پر رکھ کر درغ دیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اُن سے فرمائش کی کہ تم نے کہیں جو مصیبتیں برداشت کی ہیں انہیں بیان کرو۔ حضرت خباب نے اپنی پشت دکھائی تو حضرت عمرؓ بولے ”آج تک میں نے کسی شخص کی پشت ایسی نہیں دیکھی ہے۔ حضرت خباب نے فرمایا ”آگ جلائی جاتی تھی اور اُس پر میرے جسم کو تپایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ میری پشت کی چربی اُس کو بجھا دیتی تھی (اسد الغابہ)۔ جہانی سزا کے علاوہ ان لوگوں نے مالی نقصان پہنچانے میں بھی کمی نہیں کی۔ حضرت خباب لوہار کا کام کرتے تھے اس سلسلہ میں اُن کا عاص بن وائلؓ پر کچھ قرضہ تھا۔ یہ جب کبھی قلعہ کرنے جلتے وہ کہتا کہ میں اس وقت تک ادائیگی کروں گا جب تک کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نہیں چھوڑو گے۔ حضرت خباب فرماتے ”جب تک تو دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں نہیں آئیگا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نہیں چھوڑوں گا۔“ اس پر وہ بولتا ”اچھا میں مرکز دوبارہ زندہ ہوں گا، اور اپنے مال و اولاد کی طرف لوٹ کر آؤں گا، تب تمہارا قرضہ ادا کروں گا۔ (عاص بن وائل کا یہ کہنا عقیدہ قیامت پر ایک طرح کی تعریف تھی) اس واقعہ پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی تھی

۱۔ ابن سعد ج ۳ تذکرہ حضرت خباب ۱۷۷ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۸۲۔

۲۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۰۶ ۱۰۷ بحاری کتاب التفسیر باب قولہ وذرناہ یقول۔

انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ نے رات میں نماز پڑھی ایسی کبھی نہیں پڑھی۔ فرمایا "رات کی نماز خوف ورجا کی نماز تھی۔ میں نے خدا سے اپنی قسمت کے لیے تین چیزوں کی دعا مانگی تھی جن میں سے دو چیزیں منظور کر لی گئی ہیں، تیسری منظور نہیں ہوئی"۔

حضرت خباب کی مرویات کی تعداد تینتیس^۳ ہے، ان میں سے دو متفق علیہ ہیں اور دو میں امام بخاری اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔ جن بزرگوں نے ان سے روایت کی ہے ان کے اسرار گرامی حسب ذیل ہیں۔

آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور ابوامانہ باہلی۔ ابوعمرو عبداللہ بن سحرو، قیس بن ابی حازم، مسروق بن اجدع، علقمہ بن قیس، عمرو بن شریبل، شعبی، حارثہ بن مضرب۔

روایت میں احتیاط | احتیاط و انکشاف نفس کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ مسجد میں چند اصحاب بیٹھے ہوئے تھے اتنی

میں حضرت خباب تشریف لے گئے، اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے، لوگوں نے کہا کہ ہم سب اس وقت آپ کے پاس اس لیے جمع ہیں کہ آپ ہم سے کوئی بات کہیں یا کسی چیز کا حکم کریں۔ آپ نے فرمایا "میں کس بات کا حکم کروں، ممکن ہے میں آپ لوگوں کو کسی امر کا حکم کروں اور خود کسے نہ کرتا ہوں۔"

ذریعہ معاش | زائد جاہلیت میں اور اس کے بعد بھی عرصہ تک آہنگری کا پیشہ کرتے رہے اسلام کا ابتدائی زمانہ بڑی تنگی میں بسر ہوا۔ مگر کچھ دنوں بعد خدا نے مرفہ محالی دی اور اتنی دولت ملی کہ پھر کسی پیشہ وغیرہ کی ضرورت نہیں رہی۔ وفات کے وقت چالیس ہزار درہم چھوڑے۔

علاقہ و وفات | ششہ میں کوفہ میں بیمار ہوئے، اور چند روز کے بعد وہیں وفات ہو گئی۔ وفات سے کچھ دیر قبل اپنے صاحبزادے عبداللہ کو وصیت کی کہ مجھ کو کوفہ کے باہر میدان میں دفن کرنا اس

سے قبل کوذ کے لوگ اپنے مردوں کو گھروں کے سامنے یا شہر کے اندر ہی دفن کرتے تھے۔ حضرت خباب اپنی وصیت کے مطابق شہر کے باہر میدان میں دفن کیے گئے تو ایک حلیل القدر صحابی کے قرب سے شرف اندوز ہونے کے لیے اہل کوذ نے بھی اپنے مردے وہیں دفن کرنے شروع کر دیے۔

مرض الموت میں کچھ لوگ عیادت کرنے آئے، اور کہنے لگے ”ابو عبد اللہ آپ خوش ہو جیے کہ کل آپ حوض کوثر پر اپنے بھائیوں سے ملاقات کرینگے یہ سنتے ہی حضرت خباب پر رقت طاری ہو گئی اور فرمایا ”تم نے ایسے بھائیوں کا ذکر کیا ہے جو گذر گئے اور انہوں نے اپنا کوئی اجر دینا میں نہیں پایا، ہم ان کے بعد رہے اور دنیا سے اس قدر حصہ پایا کہ ڈر ہے کہیں وہ ہی ہمارے ان اعمال کا ثواب نہ ہو۔“

حضرت خباب نے مرض الموت میں اس قدر تکلیف اٹھائی کہ وہ خود فراتے ہیں، ”اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی دعا سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اپنے لیے موت کی دعا مانگتا آخر اسی حالت میں تتر برسر کی عمر میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اور اپنے پیشرو احباب و رفقاء سے جاملے۔ رضی اللہ عنہ۔“

حضرت علی صقین کی جنگ سے واپس آرہے تھے کہ کوذ کے باہر میدان میں انہیں سات قبریں نظر آئیں۔ لوگوں سے پوچھا ”کس کی ہیں؟“ عرض کیا ”سب سے پہلے حضرت خباب اپنی وصیت کے مطابق یہاں دفن کیے گئے تھے، پھر ان کے اتباع میں لوگوں نے اپنے مردے بھی یہاں دفن کرنے شروع کر دیے ہیں“ حضرت علیؓ نے فرمایا ”اللہ خباب پر رحم کرے، وہ اپنی غربت سے مسلمان ہوئے۔ اپنی خوشی سے ہجرت کی، مجاہدانہ زندگی بسر کی، ان کے جسم کو تکلیفیں پہنچی گئیں

اللہ تعالیٰ نیک عمل لوگوں کے اعمال ضائع نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ نے اور قریب ہو کر تمام اہل قبور کے لیے دعا پڑھی۔

حضرت جناب مولائے عقبہ بن غزوآن

حضرت عقبہ بن غزوآن کے غلام تھے۔ غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک رہے۔ مدینہ میں مکہ میں پچاس سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور حضرت عمرؓ نے جو اس وقت سریرائے خلافت تھے نماز جنازہ پڑھی بعض لوگوں کو ان میں اور حضرت جناب بن ارت میں اشتباہ ہو گیا ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ دونوں شخصیتیں بالکل الگ الگ ہیں۔ عقبہ بن نوفل بن عبد مناف کے حلیف تھے جناب کی کنیت ابو بکھی تھی، اور ان کوئی روایت منقول نہیں ہے۔

حضرت ابو بکثہ

سلیم نام، ابو بکثہ کنیت، وطن و نسب کے اعتبار سے کوئی ان کو فارسی بعض دوسری اور بعض کی بتاتے ہیں۔ غلام تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اسلام | اسلام کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف غلامی پر قیاس ہوتا ہے کہ دعوت اسلام کے شروع زمانہ میں ہی اسلام قبول کر لیا ہوگا۔ ہجرت کی اجازت ہوئی تو مدینہ پہنچے اور کلثوم بن ہدم کے یہاں مقیم ہوئے۔

۱۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۰۸۔ ۲۔ اسد الغابہ تذکرہ حضرت جناب۔

غزوات | بدر کے معرکہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد اُحد اور دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے۔
وفات ۲۲ جہادی الشانہ ۳۱ھ یوم رجبہ جس دن حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے وفات پائی۔

زید بن بولہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابویہ کنیت تھی۔ ابن شاپہ کہتے
ہیں کہ آپ نے ان کو غزوہ بنی ثعلبہ میں پایا تھا اور آزاد کر دیا تھا۔ ان کے پوتے بلال بن سہار
کی وساطت سے امام ابو داؤد و ترمذی نے ان سے روایت کی ہے۔ یہ حبشی تھے۔

حضرت عکرمہ

نام و نسب | عکرمہ نام، ابو عبد اللہ کنیت اہل مغرب کے برابر سے تعلق رکھتے تھے۔ حسین بن الحسین الغبری کے غلام تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے گورنر ہو کر گئے تو حسین نے حضرت عکرمہ کو حضرت ابن عباسؓ کی غلامی میں ہیبت منتقل کر دیا۔ حضرت عکرمہ کی عمر اس وقت بہت تھوڑی تھی، اس لیے اُن کی تمام تعلیم و تربیت حضرت ابن عباسؓ کے ہی داماد فضل و کرم میں ہوئی جس کے باعث وہ غلام ہونے کے باوجود علم و کمال کے آسمان پر مہر جہا نساب بن کر چلے۔

تسلیم | حضرت عکرمہ میں تحصیل علم کا شوق خدا داد تھا، اور پھر انہیں حضرت ابن عباسؓ ایسا جبر امت، ترجمان القرآن بزرگ مل گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اُن کو تعلیم دینے میں بڑی کوشش اور جدوجہد سے کام لیا۔ سفر حضر میں ساتھ رکھتے تھے اور قرآن و سنن کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عکرمہ نے مسلسل چالیس برس تک اپنے شفیق آقا کی خدمت میں علم کی تحصیل کی۔ فضل و کمال | شاگرد کے ذوق اور استاد کی توجہ بے غایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عکرمہ علم کے دیارے بے پایاں بن گئے۔ ابن سعد لکھتے ہیں۔

کمان کثیر العلم مجرم من الجور بہت علم رکھتے تھے اور ایک سمندر تھے۔

امام بخاری نے فرمایا ”کوئی ایسا نہیں ہے جو عکرمہ سے احتجاج نہ کرتا اور سند نہ کھاتا ہو“ یحییٰ بن معین فرماتے تھے ”عکرمہ معتبر ہیں اور تم جس کسی کو دیکھو کہ ان کی شان میں بے اعتباری کا اظہار کرتا ہے اُس کے اسلام میں شک ہے۔“ عمرو بن دینار کہتے ہیں ”مجھ کو حضرت ابوالشعثاء نے چند مسائل دیے اور کہا ”ان کی بابت حضرت عکرمہ سے پوچھ لو کہ وہ سمندر ہیں۔ تم ان سے مسائل دریافت کیا کرو“ احمد بن عبد اللہ العجلی نے فرمایا ”عکرمہ معتبر ہیں اور لوگ انہیں جس چیز سے متهم کرتے ہیں اُس سے بری ہیں“ حضرت عکرمہ خود فرماتے ہیں ”بازار جاتا ہوں اور وہاں کسی شخص سے کوئی کلمہ سُنتا ہوں تو اُس سے علم کے پچاس دروازے میرے اوپر کھل جاتے ہیں۔“ ابوالشعثاء ان کو ”اَلم الناس“ کہتے تھے۔ اور حافظ ذہبی نے ان کو ”اَلمر العالم“ لکھا ہے۔

تفسیر میں حضرت ابن عباس تفسیر قرآن کے امام ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کے لیے تفسیر و تاویل کے علم کے حاصل ہونے کی دعا فرمائی تھی۔ اس بنا پر حضرت عکرمہ بھی ان کے فیض صحبت و توجہ سے تفسیر کے امام ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عباس کو خود کسی آیت میں شبہ ہوتا تو اس کے لیے حضرت عکرمہ سے ہی رجوع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے یہ آیت پڑھی:-

لَعَنَ عِظُونَ قَوْمًا آتَنَّهُمْ لُحْمًا ذَرْوًا ۖ وَمَا يُلَاقِيهِمْ فِي الشُّبُحِ
مُعَذِّبُهُمْ وَعَذَابُهُمْ شَدِيدٌ ۚ

کہنے والا یا ان کو شدید عذاب دینے والا ہے۔

اور حضرت عکرمہ سے پوچھا ”مجھے نہیں معلوم ان لوگوں نے نجات پائی یا ہلاک ہو گئے“ عکرمہ نے پورے وضاحت کے ساتھ ثابت کر دیا کہ یہ لوگ ناجی ہو گئے۔ حضرت ابن عباس نے خوش

جو کران کو ایک حلہ عطا فرمایا۔

عثمان بن حکیم کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابو امامہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں عکرمہ آئے اور فرمانے لگے ”وے ابو امامہ! تم کو خدا کا واسطہ، تم نے کبھی حضرت ابن عباس سے سنا ہے کہ عکرمہ تم سے جو کچھ کہے اُس کی تصدیق کرو۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے؟“ ابو امامہ نے فرمایا ”ہاں“۔

حضرت سعید بن جبیر تابعین میں تفسیر کے امام ہیں اُن سے کسی نے پوچھا آپ اپنے سے کسی غلطی کو جانتے ہیں؟ فرمایا ”ہاں! وہ عکرمہ ہیں“ امام شعبی فرماتے تھے ”اب اللہ کی کتاب کو جاننے والا عکرمہ سے زیادہ کوئی نہیں ہے“ حضرت قتادہ فرماتے تھے ”تابعین میں سب سے بڑے عالم چار ہیں عطاء، سعید بن جبیر، عکرمہ، اور حسن۔ انہی حضرت قتادہ سے دوسرا قول منقول ہے“ عکرمہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں تم اُن کے پاس بیٹھا کرو۔

ایک مرتبہ حضرت مجاہد اور سعید بن جبیر نے حضرت عکرمہ سے بعض آیات کی تفسیر متعلق چند سوالات کیے حضرت عکرمہ نے اُن سب کے جوابات نہایت تسلی بخش دیے جب بیویوں حضرات خاموش ہو گئے تو حضرت عکرمہ نے فرمایا ”فلاں آیت کا نزول فلاں واقعہ سے متعلق ہے، اور فلاں آیت کا شان نزول یہ ہے۔“

ایوب کہتے ہیں ”جب سے عکرمہ بصرہ میں داخل ہوئے ہیں حضرت حسنؓ نے تفسیر بیان کرنی بہت کم کر دی ہے“ انہی ایوب المصری سے ابن خرتیج نے پوچھا ”کیا تم نے عکرمہ کی تقریریں قلب بند کی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا ”تم سے دو تہائی علم فوت ہو گیا۔“ حضرت عکرمہ جو جان تشریف لے گئے تو وہاں لوگوں نے شہر بن حوشب سے دریافت

کیا ”کیا ہم عکرمہ کے پاس نہ جائیں؟“ فرمایا ”تم اُن کے پاس ضرور جاؤ۔ کیونکہ کوئی امت ایسی نہیں ہے جس کا کوئی جزیرہ ہو۔ ہماری امت کا حیرا بن عباس کا غلام ہے۔“

فتنہ تفسیر کے ساتھ فقہ میں بھی بڑی ہمارت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ خود حضرت ابن عباسؓ نے اُن سے فرمایا ”تم جاؤ اور لوگوں کو فتاویٰ دو، میں تمہارا مددگار ہوں“ عکرمہؓ بولے ”اگر لوگ جتنے اب ہیں اس سے دُگنے بھی ہو جائیں میں اُن کو اُس وقت بھی فتویٰ دوں گا“ حضرت ابن عباسؓ نے پھر فرمایا ”جاؤ اور فتویٰ دو، اگر کوئی تم سے کام کی بات دریافت کرے تو اسے فتویٰ دینا اور نہ چُپ رہنا“ حضرت عکرمہؓ اپنے عہد میں مرجعِ خلافت تھے۔ ایوبؓ للعصریؓ کہتے ہیں ”میں ایک مرتبہ ارادہ کر رہا تھا کہ حضرت عکرمہؓ کے پاس جاؤں، ابھی بصرہ کے بازار میں تھا کہ کسی نے کہا ”یہ عکرمہؓ جارہے ہیں“ میں اُن کی سواری کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ لوگ آتے تھے اور پوچھ پوچھ کر چلے جاتے تھے، میں اس کو یاد کرتا جاتا تھا۔ انہی ایوبؓ کا بیان ہے ”ایک مرتبہ عکرمہؓ ہمارے یہاں آئے ان کے پاس لوگوں کا اتنا ہجوم ہوا کہ وہ مجبور ہو کر چھت پر چڑھ گئے۔“

حدیث | تفسیر و فقہ کے علاوہ حدیث اُن کا خاص فن تھا۔ تفسیر کی طرح انہیں اس میں بھی بڑا کمال تھا۔ حضرت ابن عباسؓ ان کے اُستاد شفیق تھے ہی۔ ان کے سوا انہوں نے صحابہ میں حضرت علیؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، ابوسعید خدریؓ، عقبہ بن عامرؓ، حجاج بن عمرؓ، بن غزیہؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، صفوان بن اُمیہؓ، یعلیٰ بن اُمیہؓ، جابرؓ، ابوقادہؓ، اُم المومنین عائشہؓ اور جندبہ بنت جحشؓ سے بھی استفادہ کیا تھا۔

حدیث میں ان کی وسعتِ علم کا اندازہ اس سے ہو گا کہ حضرت ابن عباسؓ کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ اُن میں اکثر روایتیں عکرمہؓ کے واسطے سے ہی منقول ہیں

۱۔ یہ تمام اقوال تہذیب التہذیب و منقول ہیں۔ ۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۳۳۳۔ ۳۔ ابن سعد ج ۲، ص ۱۲۷۔ ۴۔ تہذیب التہذیب

ابن سعدان کو کثیر الحدیث بتاتے ہیں۔

جس طرح حضرت عکرمہ کے اساتذہ کی فہرست طویل ہے، اُن کے تلامذہ بھی کثیر التعداد ہیں۔ صاحب تہذیب التہذیب نے ایک صفحہ میں اُن کے نام درج کئے ہیں۔ ہم مشاہیر تلامذہ کے اسماء گرامی ذیل میں لکھتے ہیں، جس سے حضرت عکرمہ کی جلالت شان و اہمیت علم و فضل کا اندازہ ہوگا۔

ابراہیم بن یحییٰ، امام شعبی، قتادہ، سہاک بن حرب، عاصم الاحول، ابوالحسن سیعی، ابوالوثرین حصین بن عبدالرحمن، ایوب خالد، داؤد بن ہند، عاصم بن ہمدان، موسیٰ بن عقبہ، عمرو بن دینار، عطاء بن سائب، یحییٰ بن سعید انصاری، یزید بن ابی جیب، ابوالحسن شیبانی، ہشام بن سنان، یحییٰ بن کثیر، حکم بن عیینہ، داؤد بن کھسین، محمد بن سیرین، ابوالشعواء وغیرہ۔

حضرت عکرمہ پر بعض لوگوں نے جرح کی ہے اور اُن کے متعلق بُری رائے ظاہر کی ہے۔ ان حضرات میں زیادہ نمایاں شخصیت امام مالک اور امام مسلم کی ہے۔ ہمارے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عکرمہ کے متعلق بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ خوارج کے ایک فرقہ صغریہ کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ ورنہ جہاں تک اُن کی روایت کا تعلق ہے، اکثر ائمہ مذہب نے انہیں ثقہ اور مقبر مانا ہے۔ امام بخاری تو یہاں تک فرماتے تھے کہ ”مجھے کوئی ایسا شخص معلوم نہیں جس نے حضرت عکرمہ سے احتجاج نہ کیا ہو“ حاکم ابواحمد فرماتے ہیں ”اُن کی حدیث سے ائمہ قدما نے سند لی ہے۔“

ابو عبد اللہ محمد بن نصر لمروزی فرماتے ہیں ”عام علماء حدیث نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت عکرمہ کی حدیث سے حجت پکڑنی چاہئے“ امام مسلم ان کی نسبت اچھی رائے نہیں رکھتے تھے، تاہم انہوں نے اُن کی روایت کو قبول کیا ہے، اور جرح کے بعد تعمیل کی ہے۔

امام مسلم کے ماسوا امام بخاری، ابو داؤد، نسائی ان سب نے اپنی صحاح میں حضرت عکرمہ کی مرویات
درج کی ہیں۔

وقت تقریر ان فضائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تقریر کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ جو بات بیان کرتے
تھے، اُس کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑتے تھے۔ ابن عیینہ فرماتے ہیں ”عکرمہ جب منازی پر کلام
کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اُسے سنے تو یہ محسوس ہو کہ گویا وہ خود ارباب منازی کو دیکھ رہا ہے۔ اور تمام
واقعات اُس کے سامنے سے ہی گزر رہے ہیں۔

غلامی و آزادی | یہ عجیب بات ہے کہ ارباب سیر لکھتے ہیں ”حضرت ابن عباسؓ کی وفات کے وقت
حضرت عکرمہ غلام ہی تھے۔ ابن عباسؓ کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادہ علیؓ نے عکرمہ کو چار
ہزار دینار کے بدلہ میں فروخت کر دیا۔ اس پر عکرمہ نے کہا افسوس! تم نے اپنے باپ کا علم چار ہزار
دینار کے عوض بیچ ڈالا“ علیؓ کو اس سے بڑا تاثر ہوا، اور بیچ کا اقالہ کر لیا۔ پھر حبشہؓ آزاد
کر دیے گئے۔

لطافت طبع | مزاج لطافت پسند پایا تھا کسی اچھی آواز کو بھی سنتے تو اُس سے متاثر ہو جاتے تھے۔
یزید بن ہارون کہتے ہیں ”ایک مرتبہ عکرمہ بصرہ آئے ہوئے تھے چند لوگ اُن سے ملنے آئے یہ باتیں
کر رہے تھے کہ کہیں سے عمدہ گلے کی آواز آنے لگی حضرت عکرمہ بولے ”چپ رہو“ اور گاتا
سُننا شروع کر دیا، وہ ختم ہو گیا تو فرمایا ”کبخت کس قدر عمدہ گارہا تھا۔“

سیر و سیاحت | حضرت عکرمہ کو سیر و سفر کا بہت شوق تھا۔ انہوں نے یمن، مصر، افریقہ اور
کاشوق | اصفہان و خراسان و سمرقند ان سب کی سیاحت کی تھی۔

۱۔ یہ سب معلومات تہذیب التہذیب جلد ۱، صفحہ ۲۷۱ تا ۲۷۳۔ ۲۔ اخذ ہیں۔ ۳۔ شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳

۴۔ شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۰ ۵۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۰۔

وفات | سنہ ۱۶۸۵ھ میں انہی یا چوڑائی برس کی عمر میں مدینہ میں وفات پائی۔ اتفاق سے اسی دن عرب کے مشہور غزل گو شاعر کثیر غزہ نے انتقال کیا تھا، لوگوں نے کہا ”افسوس آج افقہ الناس (حکمرانہ) اور اشعر الناس (کثیر) دونوں کا انتقال ہو گیا۔“ دونوں پر بعد نظر ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قیروان (شمالی افریقہ) میں وفات ہوئی تھی مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

اولاد | شادی اور اولاد کے متعلق تفصیل سے معلوم نہیں۔ البتہ علامہ ابن خلکان نے عمارہ بن حمزہ کو خطیب بغدادی کے حوالہ سے حضرت حکمرانہ کا پوتا بتایا ہے۔

حضرت نافع بن کاؤس

نام و نسب | نافع نام ابو عبد اللہ کنیت والد کا نام کاؤس یا ہرمز تھا، دیکھ کے رہنے والے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کو کسی جنگ میں ملے تھے، اور ان کے غلام تھے۔

جس طرح حضرت حکمرانہ کو خوش قسمتی سے حضرت ابن عباسؓ کی غلامی میسر گئی تھی جن کے فیض تعلیم و تربیت سے وہ تابعین کے ائمہ کبار میں سمجھے جاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح بخت کی ارجبندی نے حضرت نافع کو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی غلامی میں دیدیا۔ ابن عمرؓ نے نافع کی تعلیم و تربیت بہترین طریقہ پر کی جس کے باعث وہ علم حدیث و تفسیر کے امام بلند مقام ہو گئے۔

اور اُن کا آستانہ افادہ و درس بڑے بڑے احرار و نجباء کے لیے بوسہ گاہِ عقیدت ہو گیا۔

آزادی | نافع میں جو جو ہر قابلِ تمام ازل کی طرف سے ودیعت رکھا گیا تھا۔ حضرت ابن عمرؓ اُس کے صحیح جوہر شناس تھے۔ وہ جانتے تھے۔ اُن کے زیر سایہِ اسلامی کی گدڑی میں کیسا عسل بے بہا پرورش پا رہا ہے جو ایک دن اپنی روشنی سے ارشاد و ہدایت کی محفل کو بقعہ نور بنا دیگا۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر نے بارہ ہزار درہم کے عوض اُن کو حضرت ابن عمرؓ سے خریدنا چاہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا ایک فہ ابن عامر نے نافع کی قیمت کے سلسلہ میں تیس ہزار درہم پیش کیے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: "میں ڈرتا ہوں کہ ابن عامر کے درہم کبیر جمعہ کو قلعہ میں مبتلا نہ کر دیں؟ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اذہب فانت حرّ (جاؤ تم آزاد ہو)۔

تسلیم | حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں تیس سال تک رہے۔ اس عرصہ میں حضرت ابن عمرؓ نے ایسی توجہ خاص سے نافعؓ کی تربیت کی کہ وہ آسمانِ علم و فضل پر مہر تاباں بن کر نمودار ہوئے۔

علم و فضل | اُن کی علمی جلالت شان کو تمام ائمہ حدیث نے تسلیم کیا ہے۔ حضرت عکرمہ کے احوال میں آپؓ پر ٹھہر چکے ہیں کہ تفسیر و حدیث اور فقہ میں امامت کا مرتبہ رکھتے تھے۔ اہلِ مدینہ میں حضرت نافعؓ حضرت عکرمہؓ سے بھی افضل سمجھے جاتے تھے یہ

حضرت ابن عمرؓ کے فرزند ارجمند حضرت سالمؓ بڑے پایہ کے محدث ہیں۔ امام احمد بن

منبل فرماتے ہیں ”اگر نافع و سالم میں اختلاف ہو جائے تو نہیں جانتا کس کو ترجیح دوں؟ امام نووی نے فرمایا ”وہ جلیل المرتبت تابعی تھے اُن کی ثقاہت و جلالیت پر سب کا اتفاق ہے“ خود حضرت ابن عمرؓ نے کہا ”اللہ نے نافع کو عطا فرما کر ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ خلیل کا بیان ہے کہ نافع مدینہ کے ائمہ تابعین میں سے تھے اور امام اعظمؒ مانے جاتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ انہیں الامام العلمؒ لکھتے ہیں۔“

حدیث حضرت ابن عمرؓ حدیث کے بزرگ ہیں، نافع تیس سال تک اس بحر سے سیراب ہوتے رہے تھے، اور پھر انہوں نے اس پہری بس نہیں کی بلکہ اور دوسرے حشر شہائے حدیث سے بھی فیضیاب ہوتے رہے۔ چنانچہ انہوں نے صحابہ میں حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ ابو ہریرہؓ، ابو سعید الخدریؓ، ابولبابہؓ، رافع بن خدیجؓ، عائشہؓ، ربیع بنت معوذہ رضی اللہ عنہم سے اور تابعین میں قاسم بن محمدؓ، سالم بن عبد اللہؓ، یزید بن عبد اللہؓ، اسلم مولیٰ عمرؓ، ابراہیم بن عبد اللہؓ، عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ رحمہم اللہ سے حدیث کا سماع کیا۔ حدیث میں جلالتِ شان کا یہ عالم ہے کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں:-

صحاح الاسانید مالک عن نافع سب سے زیادہ صحیح سند میں ہیں

عن ابن عمر۔ نافع سے اور نافع ابن عمر کو روایت کرتے ہیں۔

امام مالکؒ فرماتے تھے ”جب میں نافع سے ابن عمرؓ کی کوئی حدیث سُن لیتا ہوں تو

۱۔ تہذیب الاسامیج ۲ ص ۱۲۳ ۲۔ تہذیب التہذیب ۵ ص ۱۰۳ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ ۱ ص ۹۴

۴۔ تہذیب الاسامیج ۲ ص ۱۲۳

پھر کسی دوسرے سے اُس کو سننے کی پروا نہیں کرتا۔ ابن عینہ کا بیان ہے "نافع کی حدیث سے زیادہ معتبر کسی کی حدیث ہے؟" ابن سعد فرماتے ہیں "نافع ثقہ کثیر الحدیث تھے" ابن فراس نے اُن کو "ثقة نبیل" تشریف معتبر کہا ہے۔ امام بخاری نے جس سلسلہ اسناد کو واضح الاسناد کہا ہے۔ علمائے حدیث اُس کو سلسلۃ الذہب "زنجیر طلائی" کہتے ہیں۔

تلامذہ حضرت نافع کا باب افادۃ ودرس بہت وسیع تھا اور اُس سے بڑے بڑے ائمہ دین واکابر امت نے استفادہ کیا۔ چند خاص تلامذہ کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

ابو اسحق یسعی، زہری، حکیم بن عینہ، محمد بن عثمان، صالح بن کیسان، عبد ربہ و یحییٰ ابن اسعد، یونس بن حید، یزید بن ابی حبیب، موسیٰ بن عقبہ، ہمیون بن مہران، جریر بن حازم، حکم بن عتیبہ، سعد بن ابراہیم، ابن جریج، اوزاعی، مالک بن انس، اسامہ بن زید اللیثی، عطار الخراسانی، عیش، ابن ابی لیلیٰ، ضحاک بن عثمان۔

امام مالک حضرت نافع کے خاص تلمیذ تھے پچپن سے ہی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں اپنے ایک ملازم کو لے کر نو عمری کے زمانہ میں ہی حضرت نافع کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، وہ تشریف لاتے اور مجھ کو احادیث سنایا کرتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے تھے۔ اُس وقت اُن کے پاس کوئی نہیں آسکتا تھا۔ طلوع آفتاب کے بعد مسجد سے تشریف لاتے تھے۔

۱۔ تہذیب الاسامیج ۲ ص ۱۲۳ ۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۳ ۳۔ ابن عثمان ج ۲ ص ۱۵۱

۴۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۲ - ۵۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۴۔

نافع حضرت ابن عمرؓ کی مرویات کے اتنے بڑے عالم تھے کہ خود انہیں اس پر ناز تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے امام زہریؒ کی اس بات کی شکایت کی کہ وہ میرے پاس آتے ہیں میں ان کو حضرت ابن عمرؓ کی روایتیں سناتا ہوں۔ پھر وہ حضرت سالمؒ و حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادہ کے پاس جا کر اُسی روایت کے متعلق پوچھتے ہیں ”کیا اس کی نسبت آپ نے اپنے والد سے کوئی روایت سنی ہے؟“ سالم فرماتے ”ہاں“ اس کے بعد زہریؒ اس روایت کو سالم کے حوالے سے بیان کرتے اور میرا کہیں ذکر نہ کرتے، حالانکہ حدیث کا اصل سیاق میرے پاس ہوتا تھا۔

فتر | حضرت ابن عمرؓ کثیر احادیث ہونے کے ساتھ اجلہ فقہاء صحابہ میں سے بھی تھے۔ نافع ان کے شاگرد و رشید تھے۔ اس لیے فن حدیث میں امامت کی نعمت کے ساتھ فقہیت کی دست بے پایاں بھی ان کے حصہ میں آئی تھی۔ حافظ ابن حجر ان کو نافع الفقیہہ لکھتے ہیں۔ لیکن اپنے آقا زادہ حضرت سالم کا احترام اس درجہ مرعی رکھتے تھے کہ ان کی موجودگی میں فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ ایک سیاہ چادر اوڑھتے، منہ پیٹے رہتے، اور کسی سے کلام نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کے علم و فضل کی قدر کرتے ہوئے انہیں سنن کی تعلیم کے لیے مصر بھیج دیا تھا۔

وفات | سنہ ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

۱۔ تذکرہ المحافل ج ۱ ص ۹۲ ۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۱۱ ۳۔ تذکرہ المحافل ج ۱ ص ۹۲

۴۔ تہذیب الاسان ج ۲ ص ۱۲۳ ۵۔ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۵۱۔

سعید بن جبیر

نام و نسب | سعید نام، ابو عبد اللہ یا ابو محمد کنیت۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ بنی والبتہ بن الحارث بن ثعلبہ بن دودان کے غلام تھے۔ والبتہ اسد بن خزیمہ کی ایک شاخ تھا۔ اس نسبت سے وہ الوالبی الاسدی کہلاتے ہیں۔

تعلیم | اسلام نے غلاموں کو اکتسابِ علم و فضل کی جو آزادی عطا فرمائی ہے سعید بن جبیر اس کی ایک مثال تاباں تھے۔ انہوں نے اس زمانہ میں ہوش بہنہ لاجبکہ اکابر صحابہ کی بڑی تعداد اٹھ چکی تھی، تاہم جو باقی تھے سعید نے ان سے تحصیلِ علم و کمال میں کوتاہی نہیں کی چنانچہ صحابہ میں ان کے اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن زبیر، ابوسعید خدری، ابو ہریرہ۔ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ، انس بن مالک، عبد اللہ بن مفضل۔ ان صحابہ کرام میں سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے خاص طور پر استفادہ کیا حضرت ابن عباس جس طرح قرآن کچھترین ترجمان اور فنِ حدیث کے بحرِ بیکراں تھے فقہ، فرائض اور ادب و انشاء و شعر و شاعری اور انساب و جاہلیت کی معرفت میں بھی پوری ہمارت رکھتے تھے۔ اس بناء پر ان کا درس ان تمام چیزوں پر مشتمل ہوتا تھا حضرت سعید بن جبیر اس حلقہٴ درس میں پوری پابندی سے شریک ہوتے تھے

ان کا تعلیم حاصل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ باہر کے سائلین جو سوالات کرتے، اور مسائل پوچھتے تھے اور حضرت ابن عباس اُن کے جو جوابات دیتے تھے، سعید بن جبیر کی مدد سے ان سب کو سُنتے اور یاد کرتے جاتے تھے کبھی کبھی خود بھی کوئی سوال کر لیتے، ورنہ عموماً چپ بیٹھے رہتے تھے شروع میں حضرت ابن عباس نے تقریرِ قلب بند کرنے کی ممانعت فرمادی تھی، مگر معلوم ہوتا ہے بعد میں لکھنؤ کی اجازت مل گئی تھی چنانچہ بعض دن اس کثرت سے مسائل پیش آتے تھے کہ لکھنے لکھتے ابن جبیر کی بیاض پُر ہو جاتی تھی اور انہیں کپڑوں اور تھیلیوں پر لکھنے کی ضرورت پڑ جاتی تھی۔

حضرت ابن عباس کے بعد انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے فائدہ اٹھایا۔ ابن جبیر قیام کو فہ کے زمانہ تک جب کہ وہ خود صاحبِ افتاد ہو گئے تھے حضرت ابن عمرؓ سے برابر استفادہ کرتے رہے۔ وہ خود فرماتے ہیں: ”جب کسی مسئلہ میں علماء کو فہ باہم مختلف ہوتے تھے تو میں اُس مسئلہ کو لکھ لیتا اور پھر حضرت ابن عمرؓ سے ملاقات ہوتی تو اُسے دریافت کر لیتا تھا۔“

علم و فضل | ان اساتذہ کرام کے فیضِ خاص اور سعید بن جبیر کی محنت و توجہ، اور ذوق و شوق کا نتیجہ یہ ہوا کہ سعید تفسیر، حدیث، فقہ اور فرائض میں امام و شیخ بن گئے، اور اقلیمِ شہرت و عظمت کے تاجدار بن کر نمودار ہوئے۔ امام نووی فرماتے ہیں: ”سعید بن جبیر تابعین کے ائمہ کبار میں سے تھے اور تفسیر، حدیث، فقہ اور عبادت اور دوسری صفاتِ فیر میں ان کو پیشرو و بزرگوں میں سے تھے۔“

میمون بن مہران کہتے ہیں: ”سعید بن جبیر کا انتقال ہو گیا اور لُج زمین پر کوئی ایک شخص ایسا نہیں ہے جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔“

اشعث بن قیس کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر کو جب علماء (میں علماء) کہا جاتا تھا

تفسیر حضرت سعید کو ابن عباسؓ سے شرف تلمذ حاصل تھا جو قرآن مجید کے بہترین ترمجان تھے اس بنا پر ان کو بھی تفسیر و تاویل اور شان نزول کے علم میں بڑا کمال حاصل تھا۔ جب اُن کے سامنے کوئی آیت پڑھی جاتی تھی تو وہ اُس کا مصداق فوراً بتا دیا کرتے تھے۔ ابویونس قزوی کہتے ہیں "میں نے ایک دفعہ سعید بن جبیر کے سامنے یہ آیت پڑھی:-

الْمُسْتَغْفِرِينَ مِنَ الْوَحَالِ وَالنَّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ مَرُورًا مَرُورًا عَوْرَتًا وَأَبْصَارًا

انہوں نے کہا "اس میں جن لوگوں کا تذکرہ ہے وہ مکہ کے چند ستم رسید تھے، میں نے کہا "میں ایسے ہی لوگوں (مجالج) کے ستم رسیدہ کے پاس سے آ رہا ہوں۔" سعید بولے "بھتیجے! ہم لوگوں نے اس کے خلاف بڑی کوشش کی لیکن کیا کیا جائے، خدا کی مرضی یہی تھی۔" غمّش فرماتے ہیں "سعید بن جبیر نے کسی نے ان اوصیٰ قاصعہؓ کی تفسیر دریافت کی تو فرمایا "اس سے مراد یہ ہے کہ جب اُس میں گناہ کیا جائے تو اُس سے نکل جاؤ۔"

تفسیر پر اقباط | تفسیر کا درس زبانی دیتے تھے، اور یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص اُس کو قلمبند کرے۔ ایک شخص اُن کے پاس آیا، اور تقریر قلمبند کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: میرے ایک پہلو پر فاج گہ پڑے، یہ بہتر ہے اس سے کہ میں تقریر لکھنے کی اجازت دیدوں۔ مگر خاص خاص اہل ذوق کو لکھنے کی اجازت دے دیتے تھے۔ چنانچہ وقارب بن ایاس بیان کرتے ہیں "عزّہ تفسیر کی کتاب اور دوات لے کر حضرت ابن جبیر کے پاس آتے تھے مجھ

قرأت | تفسیر کے ساتھ قرأت میں بھی کمال رکھتے تھے۔ رمضان میں امامت خود ہی کرتے تھے۔

مشہور قراتوں کا علم حاصل تھا۔ ایک رات حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرات اور دوسری شب حضرت زید بن ثابت کی قرات پڑھتے تھے۔

حدیث | حدیث کے اکابر حفاظ میں سے تھے، اجلہ صحابہ سے حدیث کا سماع کیا تھا حضرت ابن عباس کے تلمیذ خاص تھے جو ان پر خاص شفقت کی نگاہ رکھتے تھے۔

عجائز فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت ابن عباس نے سعید سے کہا ”حدیثیں سناؤ“ انہوں نے عرض کیا ”میں آپ کی موجودگی میں حدیث کس طرح سنا سکتا ہوں؟“ ابن عباسؓ نے فرمایا ”کیا یہ خدا کی نعمت نہیں ہے کہ تم میرے سامنے حدیثیں بیان کرو، اگر صحیح بیان کرو گے تو فہما، ورنہ میں اس کی تصحیح کر دوں گا۔“ بنی دواہ کے موذن کا بیان ہے ”میں ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا وہ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اور سعید ان کے پیروں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ اُن سے فرما رہے تھے ”تم نے مجھ سے بہتری حدیثیں یاد کی ہیں۔ اب دیکھو ان کو کیسے روایت کرتے ہو۔“

روایت حدیث | مگر کبار حفاظ حدیث میں ہونے کے باوجود روایت کے معاملہ میں محتاط تھے۔ میں احتیاط موقع دیکھ کر روایت کرتے تھے۔ محمد بن جیب کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر

اصفہان میں تھے تو لوگوں نے روایت حدیث کی درخواست کی، مگر انہوں نے اُسے منظور نہیں کیا۔ پھر جب کوفہ میں آئے تو احادیث بیان کرنے لگے کسی نے اُن سے پوچھا ”اے ابو محمد! آپ اصفہان میں تو حدیث بیان کرتے نہیں تھے کوفہ میں اگر حدیثیں کس طرح بیان

کرنے لگے، فرمایا "انشربزک حیث یعرف" تم اپنے تھان و ہاں کھولو جہاں اُس کو پہچاننے والے موجود ہوں۔

فقا قرآن و حدیث میں بصیرت تامہ رکھنے کی وجہ سے انہیں فقہ میں بھی امامت کا درجہ حاصل تھا حضرت ابن عباس کے سامنے انہیں فتویٰ دینے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، مگر جب وہ نابینا ہو گئے تو حضرت سعید بن جبیر لکھنے لگے۔ خود حضرت ابن عباس کو اتنا اعتماد تھا کہ اہل کفر و فحش کرنے آتے، اور کہیں حضرت ابن عباس سے مسائل دریافت کرتے تو وہ فرماتے "کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں ہیں؟" امام نووی نے ان کو جہاں تفسیر و حدیثیں کبار ائمہ تابعین میں شمار کیا ہے، فقہ میں بھی کیا ہے۔

خصیب کا بیان ہے کہ مسائل طلاق کے سب سے بڑے عالم سعید بن المسیب تھے۔ حج کے عطاء، حرام و حلال کے طاووس، تفسیر کے مجاہد اور ان سب کے جامع سعید بن جبیر تھے۔ فرائض فرائض میں خاص ملکہ تھا صلیل القدر صحابہ فرائض کے سائلوں کو ان کے پاس بھیجتے تھے ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ کے پاس ہامی قسم کا سائل آیا۔ آپ نے اُس کو سعید بن جبیرؓ کے پاس بھیج دیا، اور فرمایا "فرائض کا علم جتنا مجھ کو ہے اُن کو بھی ہے۔ مگر وہ حساب مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔" جب کبھی مدینہ تشریف لیجاتے۔ علماء مدینہ اُن سے فرائض سیکھتے تھے۔ امام زین العابدینؓ کا بیان ہے کہ ابن جبیرؓ جہاں سے گزرتے تو ہم اُن سے فرائض اور وہ باتیں دریافت

۱۔ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۵ ۲۔ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۴ ۳۔ تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۲۰۵۔

۴۔ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۵ ۵۔ تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۲۱۶۔

کرتے تھے جن سے خدا نے ہم کو فائدہ پہنچایا۔

اشاعت علم | حضرت سعید ابن جبیر کے سینہ میں علم و فضل کا جو خزانہ ودیعت تھا انہوں نے حسب کاشوق موقع و مصلحت اس کو شائع کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا بعض لوگ آپ کو

حدیث بیان کرنے پر ملامت کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا ”میں تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے حدیث بیان کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں نسبت اس کے کہ میں اُسے قبر میں ساتھ لیجاؤں“۔

تلامذہ | شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا جس میں بعض اکابر امت ہوئے ہیں چند بزرگوں

کے نام یہ ہیں: عبد الملک، عبد اللہ، علی بن حکیم، یحییٰ بن سلم، ابو النخعی، یحییٰ، ابو الزبیری، آدم بن

سلیمان، اشعث بن ابی اشعث، ذر بن عبد اللہ، سالم الافطس، مسلمہ بن جمیل، طلحہ بن

مصرف، عطاء بن السائب، عبد الملک بن سلیمان، مغیرہ بن النعمان وغیرہ۔

شیکاری تضاء | کو فہم کچھ دنوں تک عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود کے اور پھر ان کے بعد ابو بردہ

ابن ابی موسیٰ اشعری کے پیش کار رہے۔

تقویٰ | ان تمام علمی کمالات کے ساتھ دہد و اتقا میں بھی درجہ امتیاز رکھتے تھے خشیت ربانی

حد سے بڑھا ہوا تھا، سوز و گداز قلب جو تمام نیکیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ ہے ان میں کوٹ کوٹ کر

بھرا ہوا تھا۔ قاسم ابن ابی ایوب کہتے ہیں ”سعید بن جبیر رات بھر روتے رہتے تھے یہاں

تک کہ ان کی آنکھوں میں چند عیاہٹ پیدا ہو گئی تھی“ خرید فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو ایک

۱۔ ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۰ ۲۔ ایضاً ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۲ ۴۔ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۵

۵۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۲۔

مرتبہ دیکھا کہ آیت:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَلُّونَ مِنْهُنَّ أَسْفَافًا

پڑھ رہے تھے اور روتے جاتے تھے۔

غیبت کرنا اور بسنا دونوں سے سخت احتراز کرتے تھے۔ مسلم لطیف کہتے ہیں: ”سید اپنے روبرو کسی کو غیبت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، وہ اُس سے فرماتے ”جو کچھ تم کو کہنا ہے اُس کے سامنے کہو۔“

نمازیں شروع | نماز نہایت خشوع سے ادا کرتے تھے کبھی اُس میں اس قدر انہماک ہوتا کہ ایک رکعت میں ہی تمام قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ عبدالملک بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ دو کونو میں قرآن مجید ختم کر دیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ نماز پڑھا ہے تھے کہ یہ آیت:

اِذَا الْاَغْلَالُ فِي عُنُقِهِمْ وَ

السَّلاسلُ يَسْمَعُونَ فِي الْحَمِيمِ . اور وہ گرم پانی پینے کے لیے گھسیٹے جاتے ہوئے۔

آگئی، اتنی رقت طاری ہوئی کہ اس کو بار بار دہراتے رہے۔

دعا میں اثر | اُن کے ان اعمال نیک کا ہی ثمرہ تھا کہ اُن کی دعا میں بڑی تاثیر تھی، اُن کے ہاں ایک مُرغ تھا جو رات کو بانگ دے کر اُنہیں بیدار کر دیتا تھا۔ اتفاق سے ایک رات اُس نے بانگ نہیں دی، حضرت سعید بن جبیر کی آنکھ نہیں کھلی اور صبح تک پڑے سوتے رہے، صبح

کو اٹھے تو انہیں شب کا بیدار نہ ہونا بہت برا معلوم ہوا غصہ میں فرمے لگے "اس مرغ کو کیا ہو گیا تھا، اللہ اس کی آواز کو ختم کرے"۔ اُن کا یہ کہنا تیر بہدت ہوا اور اُس مرغ نے پھر دوبارہ کبھی بانگ نہیں دی۔ اُن کی والدہ نے فرمایا "اب آئندہ سے کبھی کسی کے حق میں بددعا نہ کرنا"۔

علماءِ سنیہ | علماءِ سنیہ کو نہایت برا جانتے تھے اور انہیں مسلمانوں نے کے لئے خطرہ عظیم سمجھتے تھے
جستنا ب | ہلال بن خباب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا "لوگوں کی ہلاکت کس وجہ سے ہوگی؟" فرمایا: "اُن کے علماء کے ہاتھوں سے!"

سیرویا ح | ابنِ جبیر کو سیرویا ح کا شوق تھا، ایک عرصہ تک مدینہ ہے، یہاں سے مہمان اور قضا کو فہ چلے گئے اور وہاں ایک مدت تک قیام کرنے کے بعد عراق آگئے مختلف شہروں میں پھرنے کے بعد ایک گاؤں سنبلاں میں اقامت اختیار کر لی تھے۔ حجاج بن یوسف ان کے علم و فضل کی قدر کرتا تھا، چنانچہ اُس نے کوفہ کا امام اور قاضی مقرر کر دیا لیکن کوفہ کے لوگ نہایت شور و پشت تھے کسی کی گورنری سے خوش ہی نہیں ہوتے تھے حسبِ عادت ابنِ جبیر کے خلاف بھی شور و غل مچایا اور کہا "ہمارا حاکم تو کوئی عربی ہی ہونا چاہیے" مجبوراً حجاج کو انہیں عہدہ قضا سے برطرف کرنا پڑا۔ ان کی بجائے ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری کوفہ کے قاضی مقرر کر دیے گئے۔ مگر حجاج نے تاکید کر دی تھی کہ ابنِ جبیر سے امور قضا میں شور و غل لیتے رہنا۔

حجاج کی | حجاج حضرت ابنِ جبیر کی ہر طرح عزت افزائی کرتا تھا لیکن وہ اس سے متاثر نہیں ہوتے
خلافت | تھے اور اُس کی بے پناہ سفاکیوں کو انتہائی نفرت و غصہ کی نگاہ سے دیکھتے۔ چنانچہ

جب لشعہ میں عبدالرحمن بن محمد بن اشعث نے حجاج کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو ابن جریسر کے ساتھ ہو کر حجاج سے ملے۔

تاریخ میں حجاج و ابن اشعث کی مخالفت کا واقعہ مشہور ہے، اُس کی تفصیل یہ ہے کہ عبدالملک کے عہد میں سجستان کے فرمانروا تمیل نے باغیانہ روش اختیار کر لی تھی۔ حجاج نے عبید اللہ ابن ابوبکر کو ایک لشکر کے ساتھ اُس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا، انہوں نے سیستان پہنچ کر فوج کشی کی۔ شروع شروع میں انہیں بڑی کامیابی حاصل ہوئی مگر بعد میں شکست ہو گئی جس کے باعث مسلمانوں کو شدید جانی و مالی نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ حجاج کو اس پر بڑا غصہ آیا اور اُس نے ابن اشعث کی زیر سرکردگی چالیس ہزار کا ایک لشکر جا رہے ساز و سامان کے ساتھ روانہ کیا۔ اس لشکر میں بیس ہزار سپاہی کوفہ کے تھے اور بیس ہزار بصرہ کے۔ حضرت سعید ابن جبیر بھی اس فوج میں شریک تھے۔ ان کے سپرد تنخواہ تقسیم کرنے کی خدمت تھی۔

ابن اشعث اس فوج گراں کو لیے بڑھتے رہے۔ تمیل کو اس کی اطلاع ہوئی، تو اُس نے نامہ و پیام کے ذریعہ مصاحبت کرنی چاہی اور پہلی دفعہ مسلمانوں کو اُس کے ہاتھ سے جو نقصان پہنچا تھا اُس کی معذرت کی، مگر ابن اشعث نے ایک نہیں سنی۔ انہوں نے حدود سیستان میں داخل ہو کر کئی علاقے فتح کر لیے مگر بعض مصلحتوں کے پیش نظر مزید پیش قدمی ایک سال کے لیے ملتوی کر دی اور حجاج کو خط کے ذریعہ اس کی اطلاع بھی دیدی۔ حجاج خط پڑھ کر برا فروختہ ہو گیا، اور اُس نے جواب میں لکھا "تمہارا خط اُس شخص کا سا خط ہے جو اغماص میں صلیح کو پسند کرتا ہے اور دشمن سے سمجھوتہ کر کے

آرام کرنے کا خواہشمند ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ تم نے یہ خط کسی مکاری کی بنا پر لکھا ہے، البتہ اس
یہ ضرور ہے کہ تم نے یہ رائے اپنے ضعف اور سہل انگاری کی بنا پر قائم کی ہے۔ اس خط کے بعد
ایک اور خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ اگر تم خود پیشقدمی نہیں کر سکتے تو اپنے بھائی احمن بن محمد کو لشکر
کی قیادت سپرد کر دو، اور تم الگ ہو جاؤ۔ ابن اشعث اور حجاج میں پہلے سے مخالفت تھی اور
دونوں ایک دوسرے کو شک و خبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس خط نے دل میں ٹھپی ہوئی
بدگمانی کو بے نقاب کر دیا۔ ابن اشعث اس کو پڑھتے ہی بگڑ گیا اور اس نے دیہیں ایک خمس
کر کے لوگوں کو حجاج کی مخالفت پر ابھارا، اہل فوج حجاج کے مقابلہ سے پہلے سے ہی نالاں تھے
بڑے بڑے سردار اس کے حامی ہو گئے۔ شرف میں یہ مخالفت صرف حجاج کے ساتھ تھی لیکن
بعد میں اس نے عبد الملک کی مخالفت کی صورت اختیار کر لی۔ ابن اشعث اپنے حامیوں
کی جماعت لیے ہوئے عراق پہنچا، ادھر حجاج نے ایک فوج گراں کے ساتھ ابن اشعث کے
مقابلہ کے لیے عراق سے کوچ کیا، دو ماہ تک جنگ ہوتی رہی، ابن اشعث کے ساتھ
سے علماء اور قراء تھے جن کے سرگروہ سعید بن جبیر تھے۔

ابن اشعث ابتداً ابن اشعث کی قوت مضبوط تھی، مگر جب مقابلہ کی زد پر حکومت بھی آگئی تو اس
کی شکست کا زور گھٹ گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ دیر جاحم میں شکست فاش کھانی پڑی۔ ابن اشعث بھاگ
کرسیتان چلا گیا، ابن جبیر پھرتے پھرتے مکہ پہلے آئے۔ یہاں کے والی خالد بن عبداللہ قسری نے
گرفتار کر کے انہیں حجاج کے پاس بھجوا دیا۔ وہ ان کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی

غیظ و غضب سے بے قابو ہو گیا، پھر دونوں میں حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

حجلاج :- تمہارا نام کیا ہے؟

سعید :- سعید بن جبیر۔

حجلاج :- نہیں! بلکہ شقی بن کثیر

ابن جبیر :- میری ماں نسبت تمہارے میرے نام سے زیادہ واقف تھیں۔

حجلاج :- وہ بھی بد بخت اور تم بھی بد بخت ہو۔

ابن جبیر :- غیب کا علم کسی دوسری ہی ذات کو ہے۔

حجلاج :- میں تمہاری دنیا کو دہکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا۔

ابن جبیر :- اگر مجھ کو یقین ہوتا کہ یہ تمہارے اختیار میں ہے تو میں تم کو معبود بنا لیتا۔

حجلاج :- محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے؟

ابن جبیر :- وہ امام ہدیٰ اور نبی رحمت تھے۔

حجلاج :- علی اور عثمان کے بارہ میں کیا رائے ہے؟

ابن جبیر :- اگر میں وہاں گیا ہوتا اور وہاں کے رہنے والوں کو دیکھا ہوتا تو بتا سکتا تھا۔

حجلاج :- خلفاء کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

ابن جبیر :- میں اُن کا اجارہ دار نہیں ہوں۔

حجلاج :- اُن میں تم کو سب سے زیادہ پسند کون ہے؟

ابن جبیر :- جو میرے خالق کو سب سے زیادہ پسند ہے۔

حجاج :- خالق کے نزدیک کون سب سے زیادہ پسندیدہ ہے !
 ابن جبیر :- اس کا علم اُس ذات کو ہے جو اُن کے بھیدوں اور سرگوشیوں کو جانتا ہے ۔
 حجاج :- میں چاہتا ہوں کہ تم میری تصدیق کرو ۔
 ابن جبیر :- اگر میں تم کو محبوب رکھتا تو ہرگز تمہاری تکذیب نہ کرتا ۔
 حجاج :- نہیں کیا ہو گیا کہ ہنتے نہیں ہو ۔
 ابن جبیر :- وہ مخلوق کس طرح ہنسنے جو مٹی سے پیدا کی گئی ہے ، حالانکہ مٹی کو آگ کھا جاتی ہے ۔
 حجاج :- پھر تم کیوں ہنتے ہیں ؟
 ابن جبیر :- سب دل برابر نہیں ہیں !

اس کے بعد حجاج نے موتی ، زبرجوا اور یاقوت منگوائے اور ان سب کو اپنے سامنے جمع کیا ۔ حضرت ابن جبیر بولے ۔ ” اگر تم نے ان چیزوں کو اس لیے جمع کیا ہے کہ ان کے ذریعہ روز قیامت کے خوف سے بچ جاؤ تو درست ہے ، ورنہ یاد رکھو قیامت کا ایک جھٹکا دودھ پلانے والی عورتوں کو اُن کے شیر خوار بچوں سے غافل کر دیگا اور جو چیزیں دنیا کے لیے جمع کی جائیں اُن میں صرف وہ ہی عمدہ اور پسندیدہ چیزیں ہیں جو پاکیزہ اور طیب ہوں ۔“ اس کے بعد حجاج نے عود اور بانسری بجانے کا حکم دیا ۔ ابن جبیر بانسری کی آواز سن کر رو پڑے ۔ حجاج بولا اس میں رونے کی کیا بات ہے ؟ یہ تو ایک تفریحی چیز ہے ۔ ابن جبیر نے کہا ” نہیں ! یہ تو ایک صدائے غم ہے ، بانسری کے بجنے نے مجھ کو وہ بلا دن یا درد لایا جبکہ صور پھونکا جائیگا ، اور عود ایک ناحق کا لٹے ہوئے درخت کی لکڑی ہے اور اس کے تار اُن کبریوں کے پٹھوں کے ہیں جو اُن کے ساتھ قیامت کے دن

امٹائی جائیگی۔ اس گفتگو کے بعد حجاج بولا: سعید! تمہاری حالت قابلِ افسوس ہے۔ ابنِ جبیر نے جواب دیا: ”وہ شخص افسوس کے قابل نہیں ہے جو آگ سے نجات پا گیا ہو اور جنت میں داخل کر دیا گیا ہو۔ پھر حسبِ ذیل گفتگو ہوئی۔“

حجاج: کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ تم کو فد میں آئے جبکہ وہاں ایک شخص بھی غیر عربی نہیں تھا۔ اور میں نے تم کو وہاں کا امام و قاضی بنایا؟ سعید: کیوں نہیں!

حجاج: کیا یہ درست نہیں ہے کہ تمہارے عہدہ تھنار پر مامور ہونے کی وجہ سے اہل کو فد نے شور و غل مچایا اور مطالبہ کیا کہ ہمارا قاضی عربی النسل ہونا چاہیے۔ تو میں نے تمہاری بجائے ابو بردہ ابنِ ابی موسیٰ اشعری کو قاضی بنا دیا، مگر ساتھ ہی ہدایت کر دی کہ وہ تمہارے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کریں؟ ابنِ جبیر: ہاں یہ بھی صحیح ہے۔

حجاج: کیا میں نے تم کو اپنا ذیم خاص نہیں بنایا، حالانکہ میرے خاص اہل مجلس سب عرب کے بڑے بڑے سردار تھے؟ ابنِ جبیر: یہ بھی درست ہے۔

حجاج: کیا میں نے پہلی ہی ملاقات میں تم کو ایک لاکھ کی پیش قدمی قرار دے دی کہ تم اس کو ادراپ ضرورت پر خرچ کرو۔ پھر میں نے تم سے اس کا کوئی حساب بھی نہیں مانگا۔ ابنِ جبیر: بیشک یہ بھی بجا ہے۔

حجاج: پھر درانِ احسانات کے باوجود تم کو میری مخالفت پر کس چیز نے آمادہ کیا؟

ابنِ جبیر: عبدالرحمن بن اشعث کی میث نے جس کا طوق میری گردن میں تھا۔

حجاج: یٰ شن کر قابو سے باہر ہو گیا، او کہنے لگا ”کیا پہلے سے امیر المؤمنین عبدالملک کی

بیعت کا طوق تمہاری گردن میں نہیں تھا، بخدا! اب میں تم کو قتل کیے بغیر نہیں رہوں گا۔
 ابن جبیر: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے جو وقت مقرر کر دیا ہے، میں اس پر ضرور اس کے پاس پہنچوں گا۔
 حجاج نے جلادوں کو حکم دیا کہ ان کو لیجاؤ اور قتل کر دو۔ اس پر ابن جبیر نے کلمہ تشہد پڑھا اور
 کہاتے حجاج اس کو میری طرف سے یاد کرو، تاکہ حشر میں میری اور تمہاری پھر ملاقات ہو۔ جلاد
 ابن جبیر کو لے کر جلنے لگے تو انہیں ہنسی آ گئی۔ حجاج کو اس کی اطلاع ہوئی تو پوچھا: تمہیں ہنسی کیوں آئی؟
 بولے: اللہ کے خلاف تیری جرأت اور تیرے تعلق اللہ کی شانِ بردباری دیکھ کر! انہوں نے یہ کہہ کر
 قبلہ کی طرف رخ کیا اور پڑھا: اِنِّیْ دَجَمْتُ نَجْیًۭیْ لِّلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَیْثُ اَوَّاهُ الْاِنَّاۤیْنِ لِلشِّرْکِیْنَ
 حجاج ابن جبیر کا قبلہ رو ہونا بھی برداشت نہیں کر سکا۔ حکم دیا: قبلہ روان کا رخ پھیر دو، فرمایا:-

فَاَیْمَا تَوَلَّوْا فَاَنَّمْ وَجْہُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ
 وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ ہوگا، بیشک اللہ وسیع اور علیم ہے۔

حجاج نے حکم دیا: "انہیں زمین کے بل لٹا دو" ابن جبیر نے پڑھا:-

مِنْہَا خَلَقْنَا کُلَّ وَفِیْہَا نَعِیْدُ کُلَّ وَ
 مِنْہَا مَخْرُجُکُمْ تَارَةً اٰخِرٰی۔ ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں
 تم کو لوٹا دیں گے، اور پھر وہاں سے تیری اسی مخرج ہوگا۔

غیر معمولی احوال حجاج نے حکم دیا کہ قتل کر دیے جائیں، یہ حکم سن کر ایک شخص رونے لگا۔ ابن جبیر نے
 استقامت پوچھا: "کیوں روتے ہو؟" وہ بولا: "آپ کے قتل پر فرمایا" اس پر رونے کی ضرورت نہیں
 ہے، اللہ کو یہ واقعہ پہلے سے معلوم ہے، پھر یہ آیت پڑھی:-

یہ واقعہ طبری ج ۸، ابن اثیر ج ۴ اور ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۵-۲۰۶ میں اسی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ ہم نے متن
 دوسرے متن کے پیش نظر کسی قدر تفصیل بدل دی ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا

زمین میں یا تمہارے نفسوں پر جو مصیبتیں نازل ہوئی ہیں۔ وہ سب کتاب میں ان کے پیدا کرنے سے پہلے لکھ دی گئی تھیں۔

عمر بن سعید کہتے ہیں کہ ابن جبیرؓ نے مقتل میں جانے سے پہلے اپنے صاحبزادے کو بلوایا، وہ آئے تو باپ کو دیکھ کر رونے لگے حضرت ابن جبیرؓ نے فرمایا: "بیٹے! روتے کیوں ہو؟ تمہارے باپ کی عمر ساؤن سال کی تو ہو گئی، اب اس کے بعد زندہ رہنا کیا ضروری تھا؟"

قتل ہونے کا وقت قریب آیا تو حجاجؓ نے پھر پوچھا: "بولیے آپ کس کروٹ قتل ہونا چاہتے ہیں؟" فرمایا: "قصاص تیرے سامنے ہے، جیسا کریگا ویسا پائیگا۔ اب جس طرح تو پسند کرے کر" جلاہ شمشیر پر ہنسیے ہوئے پہلے سے موجود تھا۔ حجاجؓ کی زبان سے قتل کا حکم نکلنا تھا کہ جلاہ کی تلوار دفعۃً ابن جبیرؓ کے سر پر پڑی اور شق الہی کے سودا سے بھرا ہوا سر کلہ لالا اللہ پڑھتا ہوا زمین پر گر ا۔

شہادت کے قتل ہونے سے پہلے حضرت ابن جبیرؓ نے دعا کی تھی: اے اللہ میرے بعد تو حجاجؓ کے جسکے حالات کو کسی پرسلط نہ کر کہ وہ اس کو قتل کر سکے" یہ دعا مقبول ہوئی، چنانچہ علامہ ابن خلکانؒ لکھتے ہیں کہ ابن جبیرؓ کی شہادت کے چھ ماہ بعد حجاجؓ بھی مر گیا، اور ان چھ مہینوں میں کسی اور کو قتل نہ کر سکا، شہادت کے وقت ایک عجیب واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ حضرت ابن جبیرؓ کے جسم سے عام مقتولوں کے برخلاف خون زیادہ نکلا، یہاں تک کہ بہہ کر حجاجؓ کے جلے نشست کے نیچے آ گیا۔ حجاجؓ کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اس نے فوراً اہلباء کو بلا کر وجہ دریافت کی مائتوں نے

کہا "خون روح کے تابع ہوتا ہے، تم نے اس سے پہلے جن لوگوں کو قتل کیا ہے خوفِ مذہبت کی وجہ سے اُن کی روح پہلے ہی پرواز کر چکی تھی، پھر اُن میں خون کہاں سے آتا؛ لیکن ابنِ جبیر کا معاملہ ان کے برعکس تھا، اُن پر خوف و مذہبت طاری نہیں ہوئی اور قتل کے وقت روح اُن کے اندر موجود تھی۔"

یہ واقعہ شہادت شعبان ۳۹۸ھ میں پیش آیا۔ بمعانی کے نزدیک اُس وقت اُنکی عمر تریپن سال کی، اور ابنِ قتیبہ کی رائے میں اُنچاس سال کی تھی۔

جلالِ پادشہ حضرت ابنِ جبیر کا خونِ ناحق رنگ لایا، اور حجاج پر عرصہٴ زیست تنگ ہو گیا۔ حجاج مرضِ الموت میں مبتلا تھا کہ خواب میں اُنہیں دیکھا کہ اُس کے کپڑے پکڑ کے کھینچ رہے ہیں اور کہتے ہیں "اے دشمنِ خدا! تو نے مجھ کو کیوں قتل کیا تھا" حجاج یہ خواب دیکھ کر خوفِ زدہ ہو گیا، اور آنکھ کھلی تو اُس وقت بھی اُس کا بدن خوف سے کانپ رہا تھا، اُس پر بار بار اسکراتِ الموت طاری ہوتے تھے اور جب ذرا ہوش آتا تھا تو کہتا تھا "میں اپنے اور ابنِ جبیر کے معاملہ کو کیا کر لوں؟ اسی طرح کا ایک دشت انگیز خواب عبدالملک نے بھی دیکھا تھا۔"

حسنِ بصری حضرت ابنِ جبیر کے اس قتلِ ناحق نے اکابر تابعین میں غم و ماتم کی صفیں بچھا دیں۔ حضرت حسنِ بصری نے فرمایا "اے خدا! ثقیف کے فاسق (حجاج) سے اس کا انتقام لے۔ خدا کی قسم اگر تمام روئے زمین کے رہنے والے ان کے قتل میں شریک ہوتے تب بھی خدا اُن کو متہ کے بلِ دونخ میں جھونک دیتا۔"

مزار حضرت سعید کاظمؑ اور شرواسط میں زیارت گاہ خاص عام ہے، جہاں اُن کا جیم مبارک سپرد خاک کر دیا گیا تھا، لوگ اُس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

علیہ علیہ تھا۔ رنگ سیاہ، سر اور دایمی دونوں سپید، خضاب لگانا پسند نہ کرتے تھے، عمامہ باندھتے تھے اور پیچھے کی جانب ایک بالشت شملہ چھوڑ دیا کرتے تھے۔
اولاد اولاد میں تین لڑکے تھے۔ عبد اللہ، محمد اور عبد الملک۔

سیلمان بن یسار

نام و نسب سیلمان نام، ابویوب کنیت۔ اُم المؤمنین حضرت میمونہ کے غلام تھے۔ انہوں نے اُن کو مکاتب کر دیا تھا اس غلامی کے توسل سے اُن کو حرم نبوی میں آنے جانے کا شرف حاصل تھا۔ جب تک آزاد نہیں ہو گئے ازواج مطہرات نے اُن کو پردہ نہیں کیا۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں، میں نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اندر آنے کی اجازت طلب کی، آپ نے آواز پہچان کر فرمایا ”تم نے بدل کتابت ادا کر دیا یا نہیں؟“ میں نے عرض کیا ”جی ہاں!“ ابھی تھوڑا سا باقی بچا۔ ارشاد ہوا ”اندھے چلے آؤ جب تک تمہارے ذمہ کچھ بھی باقی ہے تم غلام رہو گے۔“

فضل مکان حضرت سیلمان خدا داد ذات دجور قابل رکھے تھے۔ پھر خانوادہ نبوت میں بود و باش نے اُن کے جوہر کو اور چمکادیا تھا۔ اس بنا پر وہ مدینہ کے ممتاز ترین علما میں ہو گئے ابن سعد فرماتے ہیں ”وہ ثقہ عالم، بلند مرتبت فقیہ، کثیر الحدیث تھے، اور لوگوں کا ان کی جلالت شان و کثرت علم پر اتفاق ہے، اُن کا شمار مدینہ کے فقہاء سبعہ میں ہوتا تھا۔ ابو زہرہ رازی فرماتے ہیں سیلمان

بن یسار مدنی ثقہ، قابل اعتماد و اعتبار اور فاضل و عابد تھے۔

قرأت | حضرت سلیمانؑ کو تمام علوم دینیہ، قرآن، حدیث، فقہ میں کمال حاصل تھا، دینیکے مشہور قراء میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:-

وكان من فقهاء المدينين وقلائد حضرت سلیمان مدینہ کے فقہاء اور قراء میں سے تھے

فقہ | قرأت کی طرح فقہ میں بھی کمال تھا اس میں اُن کو امامت، اجتہاد کا مرتبہ حاصل تھا۔ حافظ تہذیبی فرماتے ہیں: وكان من أئمة الاجتهاد وہ اجتہاد کے اماموں میں سے تھے۔ محمد بن السیبؒ عہد تابعین کے نامور فقیہ تھے، مگر اُن کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو وہ اُس کو حضرت سلیمان کے پاس بھیج دیتے تھے اور فرماتے تھے آج جو علماء باقی رہ گئے ہیں سلیمان بن یسار اُن سب میں بڑے عالم ہیں، امام ثنائی نے اُن کو امام تسلیم کیا ہے۔ محمد بن حنفیہؒ کے صاحبزادے حسن فرماتے تھے ”سلیمان ابن یسار ابن مسیب سے زیادہ سمجھدار و فہم ہیں۔ ابو الزناد فرماتے تھے ”سلیمان ابن سات فقہاء میں سے ہیں جو اباب فقہ و صلاح اور اصحاب فضل ہیں۔ امام مالک نے اُن کا مرتبہ حضرت ابن مسیب کے بعد تسلیم کیا ہے۔

مسائل طلاق کے بہترین عالم تھے۔ قتادہ کہتے ہیں ”میں ایک مرتبہ مدینہ گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں مسائل طلاق کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے سلیمان بن یسار کا نام بتایا۔ حدیث | حضرت سلیمان جس خانہ اقدس کی غلامی کا شرف رکھتے تھے وہ حدیث کا سرچشمہ تھا۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ اس سے زیادہ سیراب ہوئے۔ چنانچہ علامہ ابن سعد ان کو کثیر الحدیث“ لکھتے ہیں۔ ابو زرعہ بھی انہیں ”ثقہ“ کہتے ہیں، اُن کے خاص اساتذہ حسب ذیل ہیں۔

أم المؤمنين حضرت عائشہ و حضرت میمونہ، حضرت ام سلمہ، فاطمہ بنت قیس، حمزہ بن عمرو لاسلی

زید بن ثابت، ابن عباس، ابن عمر، جابر، مقداد بن اسود، ابورافع، ابوسعید، ابوہریرہ، ربیع بنعت
سعود، سلمہ بن صححر، فضل بن عباس۔

تلامذہ تلامذہ کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :-

عمرو بن دینار، عبداللہ بن دینار، عبداللہ بن الفضل، ابوالزناد، سالم، ابوالنضر، صالح بن کیا
عمرو بن میمون، محمد بن ابی حزمہ، زہری، کھول، نافع مولیٰ ابن عمر، یحییٰ بن سعید انصاری، یحییٰ بن حکیم
یونس بن سیف وغیرہ

زہد و افتاد ان علمی خوبیوں کے باوجود عمل و ورع کے اعتبار سے بھی نمایاں مقام کے مالک تھے۔ ابوزر
کا مقولہ گزر چکا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ سلیمان بن یسار مدینہ کے فاضل اور زاہد تھے مگر علمی
فرماتے تھے :-

مَدَنِي تَابِعِي ثَقِيٌّ مَا مَوْنٌ فَاضِلٌ وہ مدنی تھے، تابعی، ہمت و متبر، مومن فاضل،

عَابِدٌ اور عبادت گزار

تمام فضائل اخلاق کا منبع خشیت ربانی ہے، یہ اس سے بھر پور تھے مصعب بن عثمان
فرماتے ہیں "سلیمان بہترین خوش رو و نوجوان تھے۔ ایک مرتبان کے پاس ایک عورت آئی کہ
اُس نے اپنی باتوں سے اُن کو اپنی طرف راغب کرنا چاہا، حضرت سلیمان نے اُس کی مقاومت
کی اور گھر سے نکل کر بھاگ گئے۔"

حضرت میمون نے اپنا ولا حضرت ابن عباس کو مرحمت کر دیا تھا۔

وفات | نادر وفات کے متعلق بڑا اختلاف ہے۔ غالب یہ ہے کہ ستائیسویں وفات پائی جبکہ کئی
عمر تترتال کی تھی یہ

حضرت مجاہد بن جیسر

نام و نسب | مجاہد نام، ابو الحجاج کنیت۔ عبداللہ بن ابی السائب الخزومی کے غلام تھے حضرت
عمر کے عہد خلافت میں ۱۲ھ میں پیدا ہوئے

فضل و کمال | حضرت مجاہد غلام تھے مگر علم و فضل کے مرد درخشاں تھے، امام نووی لکھتے ہیں ”وہ
آپ ہی امام ہیں، اور ان کی جلالت و امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں ”دکان
احد اوعیۃ العلم وہ علم کا ایک ظرف تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں ”کان فقیہاً علماً ثقتہ
کثیر الحدیث“ وہ فقیہ عالم، معتبر اور کثیر الحدیث تھے یہ تفسیر، حدیث اور فقہ ابن سب میں کمال
حاصل تھا۔

تفسیر | انہوں نے جبر امت، ترجمان القرآن، حضرت ابن عباسؓ سے تفسیر پڑھی تھی۔ وہ خود فرماتے
ہیں ”میں نے ابن عباسؓ سے تیس مرتبہ قرآن پڑھا، ایک ایک آیت پر میں رکتا تھا اور اس کے
شان نزول اور دوسرے امور سے متعلق سوال کرتا جاتا تھا تعلیم کا شوق اتنا تھا کہ حضرت ابن عمرؓ کی کتاب

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۲۹ ۲۔ تہذیب الاسامی ج ۲ ص ۸۳ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۲۔

۴۔ تہذیب الاسامی ج ۲ ص ۸۳۔ ۵۔ ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۴ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۶

پکر کر ہی کھڑے ہو جاتے، اور سوالات کرنے لگتے تھے حضرت ابن عباسؓ و ابن عمرؓ کی توجہ خاص نے انہیں اپنے عہد کا بڑا مفسر بنا دیا۔ مصعب فرماتے ہیں۔

کان اعلمہ بالانفسیر جہاد و بالجہ عطاء ۳۰ میں میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم جہاد و مسائل ج کے بڑے عالم قتادہ نے کہا ”جو علماء باقی رہ گئے ہیں ان میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم جہاد ہیں“ یخفف نے بھی ان کو اعلمہ بالانفسیر تسلیم کیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ ان کو امام مفسر لکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام سابقہ اور تالیف قدیم و متعلق اہل کتاب سے بھی سوالات کرتے رہتے تھے، چنانچہ ہمیشہ سے کسی نے پوچھا کہ لوگ تفسیر جہاد کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ فرمایا ”ان کا خیال ہے کہ وہ اہل کتاب کو پوچھتے تھے۔“

قرأت تفسیر کے ساتھ فن قرأت کے بھی عالم تھے۔ علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ ان کو مفسر و لکھتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت و واقف نہیں تھی، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ ”اگر میں نے ابن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق قرآن پڑھا ہوتا تو مجھ کو بہت سی مواقع پر حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔“

حدیث حدیث میں ان کو حفاظ کا مرتبہ حاصل تھا۔ امام ذہبیؒ ان کو حافظ حدیث اور امام نوویؒ امام حدیث لکھتے ہیں۔ ابن سعدؒ نے انہیں ”کثیر الحدیث“ لکھا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے حفظ کے اس درجہ معترف تھے کہ فرماتے تھے ”کاش نافع (مولیٰ ابن عمرؓ) کا حفظ بھی تمہاری طرح ہوتا“ جہاد حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے تھے۔ اکابر صحابہ اس وقت موجود تھے، چنانچہ انہوں نے حضرات ذیل کو حدیث حاصل کی: حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ

لے تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۴ لے ایضاً لے تذکرۃ الحفاظ لے تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۴ لے ایضاً

لے تذکرات الذہب ج ۱ ص ۱۲۵۔

بن عمرو بن العاصؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو ہریرہؓ، سعید بن ابی وقاصؓ، رافع بن خدیجؓ، ام المومنین
 حضرت عائشہ صدیقہؓ، جویریہ بنت الحارثؓ، ام ہانیؓ، تابعین میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، طاؤسؓ،
 عبداللہ بن اسائبؓ، عبداللہ بن سجرہؓ، عبدالرحمن بن صفوانؓ، عمر بن اسودؓ، مروقؓ ابی ذرؓ وغیرہم سم تلمذ رکھتے تھے۔
 تلامذہ ان کے خوشہ چینانِ علم کا دائرہ وسیع تھا۔ جن میں لائق ذکر حسب ذیل حضرات ہیں:-
 ایوب سختیانیؓ، عطاءؓ، عکرمہؓ، ابن عونؓ، عمرو بن دینارؓ، ابواسحقؓ سیسیؓ، ابوالزبیریؓ، یونسؓ
 بن ابی اسحاقؓ، قتادہؓ، عبید اللہ بن ابی یزیدؓ، ابان بن صالحؓ، سلیمان الاعمشؓ، سلیمان الاحولؓ،
 مسلم البطحینؓ، طلحہ بن مصرفؓ، عبداللہ بن کثیر القاریؓ۔

فقہ اقرآن وحدیث میں بصیرت رکھنے کے باعث فقہ میں بھی امتیازِ خاص رکھتے تھے چنانچہ ابنِ جابرؓ نے فرماتے ہیں:-
 کان فقیہاً ودعاہا بدلاً متفقاً مجاہد فقیہ، پرہیزگار، عبادت گزار اور حقہ علم والے تھے۔
 امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، علامہ ذہبیؒ تینوں ان کے فقہ پر متفق ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ نے مکہ کے
 مفتیانِ کرام کے جہاں نام گناے ہیں وہاں مجاہد بن جیسرؒ کا بھی ذکر کیا ہے۔

زہد و ان علی کمالات کے ساتھ علمی فضائل و اخلاق کے بھی جامع تھے۔ ابن جابرؓ کا قول ہے:-
 گذر چکا ہے جس میں وہ مجاہد کو سرگم حاکم کہتے ہیں۔ اُنکے ہر کام میں خلوص ہوتا تھا، سلمہ بن کسیلؓ کہتے
 ہیں میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اُس نے علم حاصل کیا ہو مگر عطاءؓ، طاؤسؓ اور مجاہدؓ کو یہ
 دنیا سے جس کو علم کی حقیقی لذت اور عبادتِ الہی کا ذوق لطیف میرا آجائے دنیا سے اسے کیا لچپسی
 بے تعلق رہ سکتی ہے چنانچہ مجاہدؓ بھی بسا اوقات دنیوی ملاقات سے الگ بٹھلگ رہنے کے باعث
 غمگین نظر آتے تھے۔ اعمشؓ کا بیان ہے ان سے کسی نے غمگین رہنے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا

نصاحت | کلام نہایت فصیح و بلیغ اور شیریں ہوتا تھا۔ اعمش فرماتے ہیں کہ جب عجاہ بولتے تھے تو ان
و بلاغت | کے منہ سے موتی بہتے تھے۔

وضع میں اظاہری زیبائش اور آرائش سے نفور تھے۔ عیش فرماتے ہیں: میں مجاہد کو دیکھتا تھا، تو ان سادگی کی ظاہری حالت کے باعث، انہیں حقیر سمجھتا تھا، وہ اپنی ظاہری وضع سے ایک مالکِ خرم معلوم ہوتے تھے جس کا گدھا گم ہو گیا ہو، اور وہ اس کی وجہ سے غمگین بیٹھا ہوئے۔

عجائب عالم | عجائبات عالم کو دیکھنے کا بڑا شوق تھا جس کی عیمید چنانچہ کا ذکر سنتے تھے اُس کو دیکھنے جاتے
کا شوق تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے اُن کے چاہ و بابل پر جانے اور وہاں ہاروت و ماروت کو
دیکھنے کا ذکر کیا ہے، ہمارے خیال میں اس روایت میں رنگینی عنوان کا بھی دخل ہے۔

وفات | سنہ وفات میں روایات مختلف ہیں ۱۲۰۸ھ یا ۱۲۱۰ھ میں ٹھیک اُس وقت جبکہ بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز تھے، ہاں جابِ آفریں کے سپرد کردی، وفات کے وقت عمر تراسی سال کی تھی۔

نام و نسب | اعطا نام والد کا نام اسم تھا اور بوجہ کینیت۔ خود حضرت عطا کی کینیت ابو محمد تھی یمن

کے ایک مقام جن میں ۲۰۰ میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمان کی خلافت کا عہد تھا، بابت مدنی ترمیم کہ معظمہ میں ہوئی۔ آل میرہ بن ابی نعیم فری کے غلام تھے۔

فضل و کمال | فضل و کمال اور زہد و اتقا کے لحاظ سے بڑے بلند مرتبہ تالیسی تھے۔ ابن سعد فرماتے ہیں :-

كان ثقة فقيهاً عالماً كثيراً الحديث ۱؎ وہ بڑے معتبر فقہ، عالم اور کثیر الحدیث تھے۔

حافظ ابن حجر انہیں یوں حسانِ محسنین میں کرتے ہیں۔

وكان من سادات التابعين فقهياً ۲؎ عطاء فقہ، علم، ذرع اور فضل کی وجہ سے

وعلماً وورعاً وفضلاً ۳؎ ساداتِ تابعین میں سے تھے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں ”وہ مکہ کے مفتی اور مشہور امام تھے، بڑے بڑے ائمہ ان کے علمی کمالات کے معترف تھے، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے ”علم کا خزانہ خدا اسی کو دیتا ہے جسے محبوب رکھتا ہو، اگر علم کسی کے ساتھ مخصوص ہوتا تو عالی نسب اس کے زیادہ حقدار تھے۔ مگر عطاء حبشی غلام تھے۔ یزید بن حبیب نوبی حسن بصری اور ابن سیرین غلام تھے۔“

شہر ان | حضرت عطاء ایک حبشی اور بد شکل غلام تھے، لیکن وہ جن بزرگوں کے سرچشمہ فیض سے

سیراب ہوئے انہوں نے ان کو قرآن کی تفسیر، حدیث اور فقہ غرض کہ تمام متداولہ اسلامی علوم میں ماہر بنا دیا تھا، مگر قرآن کے ساتھ شغف زیادہ تھا۔ اس کا مستقل درس دیتے تھے۔ علامہ ابن

سعد لکھتے ہیں اِنَّهٗ كَانَ يُعَلِّمُ الْكِتَابَ ۴؎

۱؎ ابن سعد ج ۵ ص ۳۲۲ ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۳ ۳؎ تہذیب الاسماء نووی ج ۱ ص ۳۳۳

۴؎ محقق صفحہ الصفحہ ص ۱۵۸ ۵؎ ابن سعد ج ۵ ص ۳۲۳

حدیث | قرآن کی طرح حدیث کے بھی امام تھے، انہوں نے عبادۃ اربعہ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو اور دوسرے جلیل القدر صحابہ کرام حضرت معاویہ، اسامہ بن زید، جابر بن عبداللہ، زید بن ارقم، عبداللہ بن اسحاق، عقیل بن ابی طالب، عمرو بن ابی سلمہ، رافع بن خدیج، ابو دردا، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری، ام المومنین حضرت عائشہ، اور ام ہانی اور ام سلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سماع حدیث کی تعلیم دی۔

تلاذہ | ان کے دامان تربیت سے جو حضرات فیضیاب ہو کر نکلے ان کی فہرست بڑی طویل ہے ان میں زیادہ مشہور یہ ہیں :- ابو اسحق السبیعی، مجاہد زہری، عمار، ابو ذاعی، ابن جریج، عمرو بن دینار، ابن اسحاق، یزید بن ابی جیب، سلمہ بن کسیل، امام ابو حنیفہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، قتادہ۔

احترام حدیث | سماع و درس کے وقت حدیث کا احترام پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے، یہاں تک کہ حدیث کی روایت کے درمیان میں اگر کوئی بولتا تھا تو سخت ناگوار گذرتا تھا معاذ بن سیدہ الا عورتوں میں ایک مرتبہ ہم حضرت عطاء کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کوئی حدیث بیان کرنی شروع کی، درمیان میں ایک شخص نے اُس کو ٹوک دیا۔ عطاء کو یہ دیکھ کر غصہ آگیا، فرمایا یہ کیا اخلاق ہیں کیسی طبعیتیں ہیں، بعد ازاں اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص مجھ سے کوئی حدیث بیان کرتا تو اگرچہ میں اُس کا اس کو زیادہ عالم ہوتا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُس نے وہ حدیث خود مجھ ہی کو سنی ہو تاہم میں اس کو بڑی خاموشی کو سنتا ہوں اور اُس پر یہ ظاہر کرتا ہوں کہ گویا میں نے وہ حدیث اُس سے قبل کسی سے سنی ہی نہیں۔ عمرو بن العاصم کہتے ہیں میں نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مبارک سے بیان کی تو فرمایا بخدا میں اپنا جوتہ نہیں اتار دے گا جب تک کہ اس کو خود حدیث کو نہیں سُن لوں گا۔

فہمہ القرآن و حدیث کی ہمارے نے اُن کو فقہ کا بھی امام بنا دیا تھا اُن کے عہد کے بڑے بڑے ائمہ فقہ اُن کی فتاویٰ پر متفق ہیں۔ عمرو بن سعید کی والدہ محترمہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر مکہ میں تشریف لاتے تو لوگ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر متفرق مسائل دریافت کرتے تھے۔ آپ فرماتے "تم میرے لیے مسائل جمع کر رکھتے ہو، حالانکہ تمہارے پاس ابن ابی ہریرہ موجود ہیں۔" ربیعہ خود بڑے پایہ کے فقیہ ہیں، مگر وہ بھی فرماتے تھے "عطاء فتویٰ میں تمام اہل مکہ سے بہت سارے گئے ہیں" ابراہیم بن کیسان کا بیان ہے کہ خلفاء بنو امیہ قافلہ کے حج میں اعلان کر دیتے تھے کہ عطاء کے سوا کوئی دوسرا شخص فتویٰ نہ دے۔

حضرت ابن عمرؓ کی طرح حضرت ابن عباسؓ بھی فرمایا کرتے تھے۔

یا اہل مکتہ بحق معین علیؑ و عندکم عطاء ؑ اے اہل مکتہ میری پاس جمع ہو جاتے ہو، حالانکہ تمہاری پاس عطا دیں۔
امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے ”میں نے عطاء سے افضل کسی کو نہیں پایا“ محمد بن عبداللہ الیسلجی
کہتے تھے ”میں نے عطاء سے بہتر کوئی مفتی نہیں دیکھا۔ ان کی مجلس ذکر الہی کی مجلس ہوتی تھی،
ان سے جوابات پوچھی جاتی اُس کا جواب بہت عمدہ طریقہ پر دیتے تھے“

اپنے عہد میں فتویٰ کے مرکز تھے۔ علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ اہل مکہ کے مفتی صرف وہ بزرگ تھے ایک عباد اور دوسرے عطا، مگر عطا عباد پر بھی سبقت لے گئے تھے۔

مناسک حج | یوں توفیق کی تمام جزئیات پر مبصرانہ نگاہ رکھتے تھے مگر خصوصیت سے مسائل حج کے کا علم بہت بڑے عالم تھے۔ سلم النقری کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ابو جعفر کے پاس بیٹھا

ہوا تھا کہ ناگاہ عطار بن ابی رباح گذرتے ہوئے نظر آئے۔ اس پر ابو جعفر بولے اب روئے زمین پر کوئی شخص عطار سے زیادہ مناسک حج کا علم رکھنے والا نہیں ہے۔ قاتادہ فرماتے تھے عطار ان بزرگوں میں سے ہیں جو مناسک حج کے بڑے عالم تھے۔ خلافاً عہد مناسک حج کی تعلیم کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سلیمان بن عبد الملک خدمت اقدس میں خود حاضر ہوا، اور آپ نے اس کو مناسک حج کی تعلیم دی۔

حضرت عطا، کے فیض صحبت سے معمولی حیثیت کے انسان مسائل حج کے خاصے عالم ہو جاتے تھے اس سلسلہ میں ابن خلکان نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، وہ یہ ہے:-

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حج کے ارکان سے فارغ ہونے کے بعد میں نے سر کا حلق کرانا چاہا، ایک حجام مل گیا، میں نے پوچھا، کیا لوگے؟ بولا، عبادات میں شرط نہیں ہوتی، تم بیٹھ کر خط بنالو۔ میں ذرا قبلہ سے مُڑ کر بیٹھ گیا، حجام نے دیکھ کر مجھ کو قبلہ رو بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر میں نے چاہا کہ حجام سر کے بائیں جانب سے آغاز کرے تو اس پر اُس نے کہا، اپنی دائیں جانب ادھر کر دو، وہ برابر سر کا حلق کرتا رہا اور میں خاموش تھا۔ وہ بولا ”تکبیر کو“ چنانچہ

جس تکبیر کی ہلقِ راس سے فراغت کے بعد میں نے چاہا کہ اپنے کجاوہ کی طرف چلا جاؤں اُس نے پوچھا "کماں جاتے ہو؟" میں نے کہا "جائے قیام پر کہنے لگا" دو رکتیں تو پڑھ لو پھر چلے جانا" امامِ اعظم فرماتے ہیں اس شخص کی یہ باتیں سن کر میں نے خیال کیا کہ یہ سب معلومات ضرور اس کو کسی سے حاصل ہوئی ہیں۔ چنانچہ میں نے اُس سے دریافت کیا تو اُس نے کہا "میں نے عطاء بن ابی رباح کو اسی طرح کہتے دیکھا ہے۔"

یہ وہ عالم | مناسک حج کے علاوہ کتاب الیسوع کے بھی عالم تھے، خود اُن کے صاحبزادہ یعقوب ابن عطاء فرماتے ہیں "میرے باپ کو خرید و فروخت کو سائل سب مسائل سے زیادہ محفوظ تھے۔" اُنہیں امتیاز | مگر اس کمالِ تفقہ کے باوجود جو بات اُن کو معلوم نہیں ہوتی تھی اُس میں اپنی رائے کو دخل نہیں دیتے تھے۔ عبدالعزیز بن رفیع کا بیان ہے "ایک مرتبہ عطاء سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو اُنہوں نے فرمایا "میں نہیں جانتا" لوگوں نے کہا "تو پھر کیا آپ اپنی رائے نہیں بتائیگے؟" فرمایا "مجھ کو اللہ سے اس بات میں شرم آتی ہے کہ زمین میں میری رائے کی اطاعت کی جائے۔" تاہم جب کبھی وہ رائے سے کام لیتے تھے، اُس کا برملا اظہار کر دیتے تھے۔ ابنِ حجر کہتے ہیں "عطاء کو کئی بات بیان کرتے تو میں پوچھتا "یہ علم ہے یا رائے ہے؟" اگر وہ کسی صحابی کا اثر ہوتا تو فرماتے "علم" ورنہ رائے ہوتی تو صاف کہہ دیتے "یہ رائے ہے۔"

علومِ شریعت | علم کے لیے دعاہت طلبی یا کسی اور دنیوی غرض سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں ہوتا۔ حضرت عطاء اہتمامِ جبے لوٹتے تھے۔ سلسلہ کہتے ہیں میں نے صرف تین بزرگ دیکھے ہیں جنہوں نے علمِ فتنہ

لوحہ حاصل کیا ہے۔ طاؤس، مجاہد، اور عطاءؒ۔

فراست | ان میں فراست و ذکاوت بھی غیر معمولی تھی ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ نے اپنی مجلس میں منہ مایا منافق کی تین خاص علامتیں ہیں: کوئی بات کہے تو جھوٹ بولے، امانت میں خیانت کرے، اور وعدہ کرے تو اُس کو پورا نہ کرے۔ جناب عطاءؒ نے یہ منہ مایا منافقینوں عادیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں موجود تھیں۔ انہوں نے بات جھوٹ کہی، امانت میں خیانت کی، اور وعدہ کر کے اُس کی خلاف ورزی کی لیکن اس کے باوجود اللہ نے اُن کی نسل میں نبی پیدا کیا: حسنؒ نے یہ سن کر فرمایا ”وفوق کل ذی علم علیم“ ہر صاحب علم کے اوپر ایک علم والا ہے۔

نصاحت و بلاغت | حضرت عطاءؒ زیادہ تر خاموش رہتے تھے، اور اگر بولتے بھی تھے تو ذکر اللہ کے سوا اور کچھ کوئی کوئی اور چیز نہ کہہ سکتے تھے، اور اس انداز میں اُس کو بیان کرتے تھے کہ خدا کی طرف سے تائید معلوم ہوتی تھی۔ اسماعیل بن اسمیہ شہادت دیتے ہیں: کان عطاءؒ یطیل الصمت فاذا تکلم فمخیل الینا اذ یؤید۔ کوئی شخص کوئی سوال کرتا تو جواب بڑی پُرگوئی سے دیتے تھے۔ حافظ ذہبی اُن کو فصیح کثیر العلم کہتے ہیں۔

ہر دلیلی | ان اوصاف و کمالات نے اُن کو لوگوں میں سب سے زیادہ ہر دلیلی بنا دیا تھا، امام اوزاعی کا بیان ہے: جس دن عطاءؒ کا انتقال ہوا وہ رات زمین پر سب لوگوں سے زیادہ

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۲، ص ۲۰۱ ۲۔ ابن خلکان ج ۱، ص ۲۱۹ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۲، ص ۲۰۱

۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۶۲ ۵۔ ایضاً۔

پسندیدہ تھے۔

سعید بن ابی عروبہ کہتے تھے "کسی مسئلہ پر اگر حسن، سعید بن السیب، ابراہیم، اور عطاء جو انصار کے ائمہ میں جمع ہو جائیں تو پھر مجھ کو کسی مخالفت کا ڈر نہیں ہے۔"

زہد و علم و فضل کے بحر بے کراں ہونے کے ساتھ ان میں زہد و ورع بھی اسی درجہ کا تھا۔ حافظ ذہبی کا ارشاد ہے "عطاء کے زہد، خدا پرستی اور علم کے مناقب بہت ہیں۔ حافظ ابن حجر کا مقولہ پہلے گزر چکا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: عطاء، علم اور ورع کے لحاظ سے سادات تابعین میں شمار کیے جاتے تھے۔ والدین کے انتقال کے بعد اپنی وفات تک برابر ان کی طرف سے سائین کو کھانا کھلاتے رہے۔ ابو نعیم کہتے ہیں یہ ان کی طرف سے صدقۃ الفطر تھی۔"

قوت ایمانی | تمام نیکیوں اور اعمال صالحہ کی اصل ایمان ہے، یہ اگر نہ ہو تو عند اللہ کسی عمل کا اعتبار نہیں۔ حضرت عطاء اس میں بھی نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ عبد الرحمن فرماتے ہیں "اللہ کی قسم میں تمام روئے زمین کے لوگوں کا ایمان حضرت ابو بکر کے ایمان کے اور تمام اہل مکہ کا ایمان حضرت عطاء کے ایمان کے برابر نہیں دیکھتا۔"

عبادت | عبادت کا عالم یہ تھا کہ بیس برس تک مسجد کا فرش ان کا بستر رہا۔ تہجد میں روزانہ دوسو یا اس سے زائد آیات پڑھتے تھے۔ ابو معاویہ المغربی کہتے تھے "میں نے مسجد کے نشان حضرت عطاء کی دونوں آنکھوں کے درمیان دیکھے ہیں۔ گویا وہ اس طرح ان بزرگوں کی صف میں داخل تھے۔"

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۲۰۱ ۲۔ تہذیب الاسماء ج ۱، ص ۲۳۳ ۳۔ تذکرۃ الخطاط ج ۱، ص ۹۲ ۴۔ ابن سعد ج ۵، ص ۳۳۶ ۵۔ ایضاً ص ۳۳۵ و ۳۳۶ ۶۔ تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۲۰۲ ۷۔ ابن سعد ج ۵، ص ۳۳۶۔

جن کے متعلق قرآن مجید نے سیما ہمو فی وجوہہم من اتوا السجود کی شہادت دی ہے، اُن کا کوئی وقت اللہ کے ذکر سے غالی نہیں ہوتا تھا۔ محمد بن عبد اللہ الدرباج کا بیان ہے۔

انما کان مجلسہ ذکر اللہ لا ان کی مجلس اللہ کا ذکر ہوتا تھا جس میں کبھی ہل
یفتراہ نہیں کرتے تھے۔

نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا کرتے تھے۔ دکان من احسن الناس صلاۃ۔

حج مستقل قیام گاہ مکہ معظمہ ہی تھا۔ تقریباً ہر سال حج کرتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی ہلیا کہتے ہیں انہوں نے شریح کیے تھے یہ

اتباع حدیث اتباع حدیث کا بڑا اہتمام کرتے تھے، امام شافعی اُن کی اس طرح داد دیتے ہیں۔

ولیس فی التابعین احدٌ اکثر تابعین میں عطاء سے زیادہ کوئی اتباع حدیث

اتباعاً للحدیث من عطاءؓ کو نے والا نہیں تھا۔

خلوت گزینی اتہائی کو پسند کرتے تھے، بسا اوقات خاموش رہتے تھے۔ کوئی کچھ پوچھتا تو اس کو تشفی بخش جواب دیتے تھے۔

جلالت شان اُن کے علمی وقاد کے سامنے بڑے بڑے لوگ سر تسلیم و اطاعت خم کرتے تھے، اور خلعت

کی مجلسوں میں اُن کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کیا جاتا تھا۔ قنادہ کہتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے

سلیمان بن ہشام نے پوچھا ”کیا اب مکہ میں کوئی بڑا فاضل ہے؟“ میں نے جواب دیا ”اے

۱؎ تذکرۃ اہل خانہ ص ۹۲ ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۲ ۳؎ ابن مفلحان ج ۱ ص ۳۱۹

۴؎ تہذیب الاسما ج ۱ ص ۳۲۳

بڑا فاضل کیا: تمام جزیرۃ العرب میں علم کے لحاظ سے کوئی اُس کی برابر نہیں ہے۔ اور وہ عطاء ابن ابی رباح ہیں۔

متفردات | جس بات کو حق سمجھتے تھے کسے برطانیان کہتے تھے۔ چنانچہ بعض مسائل کے متعلق اُن کے غرائب مشہور ہیں، مثلاً وہ فرماتے تھے کہ کوئی شخص سفر کی نیت سے چلے تو اُس کے لیے شہر سے باہر نکلنے سے قبل ہی نماز کا قصر جائز ہو جاتا ہے۔ یا مثلاً یہ کہ ابن منذر وغیرہ کی روایت کے مطابق اُن کی رائے تھی کہ اگر عید اور جمعہ دونوں ایک دن میں واقع ہو جائیں تو صرف عید کی نماز پڑھی جائے، جمعہ یا ظہر کی نہیں۔

حلیہ | یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو جس طرح معنوی و باطنی محاسن و فضائل سے نوازا تھا، صورتِ شکل کے اعتبار سے وہ ایسے نہیں تھے، رنگ کتے کی طرح سیاہ تھا، ناک چوٹی تھی آنکھوں میں کاناپن تھا، جسم پر رعشہ کی کیفیت طاری رہتی تھی، پاؤں میں لنگ تھا، آخرین نابینا بھی ہو گئے تھے، بال نہ بالکل نکھو گریا لے تھے اور نہ بالکل صاف سپاٹ بلکہ درمیانی درجہ کے تھے۔

وفات | مکہ معظمہ میں بعمر اٹھاسی برس ۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ میمونؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: "افسوس! عطاء اپنے بعد کوئی اپنا مثل چھوڑ کر نہیں گئے۔"

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۲۰۱ ۲۔ تہذیب الاسماء ج ۱، ص ۳۳۴ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۳۳۴

۴۔ ابن سعد ج ۵، ص ۳۴۶۔

طاؤس بن کیسان

نام و نسب | طاؤس نام، ابو عبد الرحمن کنیت، بحیر بن ربیع بن جمیری کے غلام تھے۔ ان کے والد اہل فارس میں سے تھے، آل حمدان سے موالات کر کے یمن کے مشہور مردم خیز شہر جندیس سکونت اختیار کر لی تھی۔

علم و فضل | علم و فضل کے اعتبار سے طاؤس کبار تابعین میں سے تھے، علامہ نووی لکھتے ہیں:-

وهو من كبار التابعين والعلماء
والفضلاء الصالحين۔
وہ کبار تابعین علماء اور فضلاء صالحین میں سے تھے۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں: "ان کی جلالت و فضیلت، اور وفور علم پر سب کا اتفاق ہے۔" عمرو بن دینار فرماتے تھے "میں نے طاؤس جیسا کوئی نہیں دیکھا۔" ابن عماد الحنبلی لکھتے ہیں: "وہ امام اور تابعین میں سب سے زیادہ حلال و حرام کو جاننے والے تھے۔"

حدیث | حدیث کے جلیل القدر حافظ تھے۔ عبد الملک بن میسرہ نے خود ان سے نقل کیا ہے کہ میں نے پچاس صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ جن صحابہ کے سر خمہ بقیض و کرم سے سیلاب ہوئے ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:-

حضرت عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عمرو بن العاص

زید بن ارقم، زید بن ثابت، ابو ہریرہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ، سراقہ بن مالک، صفوان بن اُمیہ، جابر رضی اللہ عنہم۔

جبرائیل حضرت عبداللہ بن عباس کے تلمیذ خاص تھے۔ ابن عیینہ فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن زید سے پوچھا ”تم کس کے ساتھ ابن عباس کے پاس جاتے تھے؟“ فرمایا ”عطاء اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ“ میں نے کہا ”اور طاؤس؟“ بولے ”اوہ! طاؤس تو ان کے پاس خواص کے ساتھ جاتے تھے۔“

تلاذہ | تلاذہ کا حلقہ وسیع تھا، ان میں جو زیادہ مشہور ہیں وہ یہ ہیں :-

خود ان کے صاحبزادہ عبداللہ، وہب بن منہ، سلیمان الیقینی، سلیمان الاحول، ابو الزبیر امام زہری، ابراہیم بن مسرہ، حبیب بن ابی ثابت، حکم بن عقیبہ، حسن بن مسلم، سلیمان بن موسیٰ الدمشقی، عبدالملک بن یسرو، عمرو بن شعیب، عمرو بن دینار، مجاہد بن جبر، لیث بن ابی سلیم، عمرو بن مسلم احنودی، قیس بن سعد المکی۔

حدیث میں | حدیث روایت کرتے تھے تو بڑی احتیاط کے ساتھ ایک ایک حرف کو صحت احتیاط طریقہ سے ادا کرتے تھے۔ لیث بن ابی سلیم کہتے ہیں :-

کان طاؤسٌ یَعْبُدُ الْحَدِیثَ حَرْفًا وَحَرْفًا طاؤس حدیث کا ایک ایک حرف شمار کرتے تھے۔
یحییٰ بن معین اور ابو زرعہ دونوں ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹۰ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۳ ۲۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹

۳۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹ -

فتہ | حدیث کی طرح فقہ میں بھی بڑا پایہ رکھتے تھے۔ ابن خلکان ان کو مفتی عیسیٰ بن القدر بنیہ الذکر بتاتے ہیں۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں :-

کان طاؤس مشیخ اهل الیمن طاؤس اہل یمن کے شیخ، ان کے لیے برکت
ورکھوہ و مفتیہم لہ جلالۃ اور ان کے مفتی تھے، ان کی جلالت شانیت
عظیمہ ۛ بڑی ہے۔

قیس بن سعد کہتے تھے "طاؤس کی وقت ہمارے ہاں وہی ہے جو ابن سیرین کی اہل
بصروں ہے۔" ابن عمار کھنسل کا قول اور گزر چکا ہے کہ طاؤس حلال و حرام کے مسائل
تابعین میں سب سے زیادہ جانتے تھے۔

ابن یمن سے کسی نے پوچھا "آپ کو طاؤس زیادہ پسند ہیں یا سعید بن جبیر فرمایا،
میں ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتا۔"

فتویٰ میں | بابینہ علم و فضل فتویٰ دینے میں بہت محتاط تھے۔ ایک مرتبہ ان سے کسی نے
استیاضہ کوئی مسئلہ پوچھا فرمایا "اگر میں کہوں تو ڈرتا ہوں، اور خاموش رہوں تو اس سے
بھی خوف کھتا ہوں، اور کلام و سکوت کی درمیانی راہ اختیار کروں تو اس سے بھی ڈرتا ہوں۔"
جلالت شان | سعید مابہ و زاہد تھے۔ ابن حبان کہتے ہیں "وہ یمن کے عبادت گزار لوگوں میں شہرہ
ہوتے تھے بچہ سجدہ کا نشان ان کی دلوں آنکھوں کے درمیان صاف نظر آتا تھا۔" بستر

ۛ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۳۶ ۛ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۴ ۛ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹

ۛ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۴ ۛ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹ ۛ ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۲۔

مرگ پہ بھی کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے تھے۔ چالیس حج کیسے تھے یہ طواف میں کلام نہ کرتے تھے، فرماتے تھے **فَانْمَا الطَّوَّافُ صَلَوَةٌ (طواف نماز ہے)** ان اعمالِ صالحہ کا ہی فضیل تھا کہ مستجاب الدعوات تھے حضرت ابن عباس نے فرمایا ”میں گمان کرتا ہوں کہ طاؤس جتنی آدمی ہیں۔“

شوقِ ثواب | ہر کام میں زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان کے صاحبزادہ عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنے والد طاؤس کے ہمراہ حج کرنے آتے تھے یمن سے مکہ تک کا راستہ ایک ماہ میں طے ہوتا تھا مگر میرے والد واپسی میں قصداً دو دراز کے راستوں سے گذرتے تھے اور گھر دو ماہ میں پہنچتے تھے، ہم ان سے اس کی وجہ دریافت کرتے تو فرماتے ”مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آدمی جب تک اپنے گھر نہیں پہنچ جاتا وہ سفر میں ہی رہتا ہے۔“

دنیلے | حضرت عطاء کے احوال میں سلمہ بن کبیل کا مقلد گذر چکا ہے کہ میں صرف تین بزرگوں کو جانتا ہوں جنہوں نے علمِ خالصتہ لوجہ اللہ حاصل کیا تھا، ان تین میں ایک حضرت طاؤس بھی ہیں چنانچہ آپ دنیا اور اہل دنیا سے مکمل استغناء رکھتے تھے اور ہمیشہ ایمان و اعمالِ صالحہ کی دعا کرتے رہتے تھے محمد بن سعید کا بیان ہے ”طاؤس کی عام دعا، یہ تھی ”اے اللہ تو مجھ کو مال اور اولاد سے محروم کر دے، اور ایمان و عمل سے بہرہ و اندوز فرما۔“

اباب شروت و حکومت سے بے نیازی | جس کی آنکھوں میں کوکبہ جلال خداوندی سما یا ہوا ہو، اور جو خود قلیم علم و عمل کا تابعدار

۱۔ ابن سعد ج ۵ ص ۳۳۵ ۲۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹ ۳۔ ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۲

۴۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹ ۵۔ ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۵ ۶۔ ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۲

ہو وہ کسی بادشاہ یا حاکم کو کب نظر میں لاسکتا ہے حضرت طاؤس کا بھی یہی حال تھا۔ ابن عیینہ کا بیان ہے "حکومت سے بچنے والے صرف تین بزرگ تھے۔ ابوذر غفاریؓ اپنے عہد میں، طاؤس اپنے عہد میں، اور توری اپنے زمانہ میں" عمرو بن دینار فرماتے ہیں: "لوگوں کے قبضہ میں جو کچھ ہوتا ہے، میں نے حضرت طاؤس سے زیادہ اُس سے بچنے والا اور پاکدامن کوئی نہیں دیکھا۔ خود اُن کا مقولہ تھا" میں نے ارباب شرف و دول سے زیادہ کسی کو شراں گیز نہیں دیکھا۔"

ایک مرتبہ طاؤس اور وہب بن منہ دونوں حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کے پاس گئے جو اُس وقت گورنر تھا، وقت صبح کا تھا اور ٹھنڈا، طاؤس جا کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ محمد بن یوسف نے اپنے ملازم سے کہا کہ ایک طیلسان لاکر طاؤس کو اڑھا دو، اُس نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ حضرت طاؤس برابر اپنے کاندھوں کو حرکت دیتے رہے، یہاں تک کہ وہ طیلسان گر پڑا۔ محمد بن یوسف یہ دیکھ کر غضبناک ہو گیا۔ وہب بن منہ نے طاؤس پر اظہار ناراضگی کیا اور فرمایا "اگر اس طیلسان سے آپ کو ایسا ہی استغناء تھا تو محمد بن یوسف کو ناراض کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ اسے لے لیتے اور پھر اس کو فروخت کر کے قیمت مساکین کو دیدیتے، طاؤس بولے "اگر مجھ کو اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ میرے بعد یہ کہتے کہ طاؤس نے طیلسان قبول کر لیا، تو میں قبول کر لیتا۔"

ارباب دولت و ثروت کے ادنیٰ سے ادنیٰ احسان کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

نعمان بن زبیر الصغافی فرماتے ہیں ”ایک مرتبہ میں کے حاکم نے طاؤس کے پاس پانسودینا^۱ بطور ہدیہ بھیجے مگر انہوں نے اُن کو قبول نہیں کیا اور وہ واپس کر دیے گئے۔“

اس حد درجہ استغناء کی وجہ سے اُن کی نگاہ میں امیر و غریب سب یکساں تھے ابراہیم بن مسیرہ کا بیان ہے ”میں نے طاؤس کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کی محفل میں شریف و غیر شریف دونوں برابر ہوں۔“

تحصیل داری | محمد بن یوسف نے کچھ دنوں کے لیے انہیں تحصیل داری بھی بنا دیا تھا، مگر انہوں نے کاعمدہ | کس شان سے تحصیل داری کی، اُس کی روئداد سنئے۔ ابراہیم فرماتے ہیں ”میں نے طاؤس سے دریافت کیا ”آپ کس طرح تحصیل داری کرتے تھے؟ فرمایا ”میں باقیدار کے پاس جا کر کہتا تھا، خدا تم پر رحم کرے، اُس نے تم کو جو عطا کیا ہے اُس کی زکوٰۃ ادا کرو اُس کے پس پر اگر وہ زکوٰۃ دے دیتا تو ہم لے لیتے، ورنہ ہم اُس سے کچھ نہ کہتے تھے۔“

خلفاء کو نصیحت | بے لوث و بے غرض ہونے کی وجہ سے خلفاء کو برطانویت کرتے تھے ایک مرتبہ آپ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو لکھ کر بھیجا ”اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے سب کام اچھے ہوں تو اچھے لوگوں کو عہدہ دار بنائیے، آپ نے یہ سن کر فرمایا ”میری بھلائی کے لیے نصیحت بہت کافی ہے۔“

انہی کی فیضِ محبت و تربیت کا نتیجہ تھا کہ ان میں جو جرات حق کو شہ پائی جاتی تھی اُس کا اثر و ادب بھی موجود تھا۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں ”ایک مرتبہ خلیفہ وقت ابو جعفر منصور نے

حضرت طاؤس کے صاحبزادہ عبداللہ اور امام مالک بن انس دونوں کو بلایا۔ یہ تشریف لے گئے تو تھوڑی دیر تک ابو جعفر منصور سر جھکے بیٹھا رہا، پھر سر اٹھا کر اس نے ابن طاؤس سے کہا: آپ اپنے والد ماجد کی کوئی روایت سنائیے؟ بولے ”مجھ سے میرے باپ نے حدیث بیان کی ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سلطنت میں شریک کیا (بادشاہ بنایا) اور اس کے باوجود اس نے ظلم کو اپنے حکم میں جائز رکھا۔ منصور یہ سن کر متعجب ہو گیا۔ مالک بن انس کو اندیشہ ہوا کہ عبداللہ بن طاؤس قتل کر دیے جائینگے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد منصور نے ابن طاؤس سے کہا کہ فرایہ دوات مجھ کو دینا، منصور نے تین مرتبہ دوات مانگی، مگر ابن طاؤس نے نہیں دی۔ منصور نے دوات نہ دینے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ”مجھ کو ڈر ہے کہ تم اس سے کوئی معصیت کی بات نہ لکھ دو کہ اس کی پاداش میں اعانت علی الاثم کا مرتکب ہو کر میں بھی پکڑا جاؤں۔“ منصور یہ سن کر برہم ہو گیا اور دونوں کو چلے جانے کا حکم دیا، ابن طاؤس بولے ہم یہی تو چاہتے تھے، امام مالک بن انس فرماتے ہیں ”میں نے دراصل طاؤس کے صاحبزادہ کا فضل اسی دن سے جان لیا۔“

مع واقعا | مباح چیزیں جن میں کسی درجہ کا کوئی شائبہ قباحت ہو، اُن سے احتراز کرنا عین تقویٰ ہے۔ حضرت طاؤس اس کا بھی بڑا ہتہام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ قرآن مجید کی تجارت کر رہی ہے، تو فرط الم سے اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھا لیتے۔ بیان کرتے ہیں کہ طاؤس سا بوری غلام اور اون کی تجارت کو مکروہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ

انہوں نے قریش کے چند لوگوں کو دیکھا کہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، اور ان کی وضع اسلحہ کی وضع سے بدلی ہوئی ہے۔ فرمایا ”لوگو! تم کو کیا ہو گیا کہ ایسے لباس پہنتے ہو جو تمہارے بزرگوں نے نہیں پہنے۔ اور ایسی رفتار سے چلتے ہو کہ ناچنے والے بھی اس طرح نہیں چلتے۔ جو خطوط ان کے پاس آتے تھے وہ اکٹھے ہو جاتے تو غالباً ازراہ احتیاط ان کو جلا ڈالتے تھے۔ ابن طاووس فرماتے ہیں ”میرے باپ اس کو بہت برا جانتے تھے کہ کوئی شخص اللہ کا واسطہ دے کر کسی چیز کا سوال کرے۔“ فرماتے تھے ”اگر کوئی نصرانی یا یہودی تم کو سلام کرے تو اس کے جواب میں ”علاک السلام“ کہو۔“

رمضی | احمدی بھی بدرجہ فائز تھے، ایک مرتبہ ایک چور کو دیکھا کہ لوگ اس کو پکڑ کر لجا رہے ہیں۔ آپ نے ایک دینار اس کا فدیہ دیا اور رہا کرالیا۔

خداوندی | ان کو اپنے علم پر پورا بھروسہ بھی تھا، جیب بن ہانی ثابت کہتے ہیں ”مجھے ایک مرتبہ حضرت طاووس نے فرمایا ”میں جب تمہارے سامنے کوئی حدیث بیان کروں اور اس کی توثیق بھی کروں، پھر تم اس کے متعلق کسی سے دریافت نہ کرو۔“

ہاس | بالطبع فقر پسند تھے، لباس میں عموماً سادگی پسند کرتے تھے۔ ان کے صاحبزادہ سے کسی نے پوچھا ”آپ کے والد سفر میں کیا پہنتے تھے؟“ بولے ”وہ صرف دو قمیصوں پر کفایت کرتے تھے۔ ان کے بچے باہامہ نہیں پہنتے تھے۔ ابن زاذان کا بیان ہے ”میں نے طاووس کو دیکھا کہ دو بچے پکڑے ہوئے تھے کبھی کبھی حنا کا خضاب بھی استعمال کرتے تھے بعض

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عثمانؓ وہ چہرہ پر نقاب ڈالے رہتے تھے، صرف رات کو اُسے اٹھا
تھے، عمامہ باندھتے تھے اور اسے مکروہ سمجھتے تھے کہ اُس کے ایک حصّہ کو ٹھوڑی کے نیچے لجا کر
بطور ڈھلّے کے باندھا جائے۔^{۱۰}

زندہ دلی اگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بالکل زاہد خشک تھے، بلکہ اسلامی تنویروں میں
بڑی خوشی سے شریک ہوتے تھے اور خوشیاں مناتے تھے۔ عید کے موقع پر اپنی تمام جواری کو
خواہ سیاہ فام ہوں یا غیر سیاہ فام، حکم کرتے تھے کہ اپنے ہاتھوں اور پیروں پر ہندی لگائیں۔^{۱۱}
وفات | پہلے گزر چکا ہے، حج چالیس کیے تھے۔ چنانچہ وفات بھی بسلسلہ حج ہی ہوئی۔ ذی الحجہ
ستائیس کی ساتویں تاریخ تھی، ابھی کہ مکہ میں ہی مقیم تھے کہ روح قفسِ عنصری سے طائرِ اعلیٰ کی طرف
پرداز کر گئی۔^{۱۲} اس وقت آپ کی عمر کچھ اوپر نوٹے سال کی تھی۔ جنازہ میں لوگوں کا اتنا ہجوم تھا
کہ جنازہ کا چلنا دشوار تھا، ابراہیم بن ہشام امیرِ مکہ نے پولیس کا انتظام کرایا۔ عبداللہ بن حسن بن
علی بن ابی طالب بھی شریک جنازہ تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ حضرت طاؤس کے جنازہ کو
کاغذ ہادے رہے ہیں، اور ہجوم کی وجہ سے آپ کی ٹوپی گر گئی ہے، اور چادر پیچھے سے پھٹ
گئی ہے۔ خلیفہ وقت ہشام بن عبدالملک نے ناز پڑھائی، اور پھر اُن کے جسم کی ہانٹ مکہ
کی خاک پاک کے سپرد کر دی گئی۔^{۱۳} لوگوں نے دعا کی ”اللہ تعالیٰ طاؤس پر رحم کرے، انہوں نے
چالیس حج کیے تھے۔“

۱۰ ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۲ ۱۱ ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۳ ۱۲ تذکرۃ الخلفاء ج ۱ ص ۸۲

۱۳ ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۵ ۱۴ ابن خلکان ج ۱ ص ۳۳۲ ۱۵ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹

سیلمان بن مهران اعمش

نام و نسب | سیلمان نام، ابو محمد کنیت، اُن کے والد کا نام مهران تھا، مهران نسلاً عجمی تھے، آبائی وطن طبرستان تھا۔ پھر کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، بنو کاہل کے غلام تھے، اور اسی نسبت سے کاہلی کہلاتے تھے۔

پیدائش | حضرت امام حسین کی شہادت کے دن یعنی عاشوراء محرم سن ۶۱ کو دنیا میں پیدا ہوئے جو رے اجمال کا ایک علاقہ ہے۔

فضل و کمال | اعمش کے والد کوفہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے جو اُس زمانہ میں اسلامی علوم و فنون کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اعمش کی نشوونما یہیں ہوئی۔ ابتداءً اگرچہ غلام تھے، مگر فطری استعداد و حسرتِ اوطنی شوقِ علم کے لیے غلامی مانع نہ ہو سکی، انہوں نے بڑی توجہ و محنت سے علم حاصل کیا، یہاں تک کہ وہ علماء کوفہ کی صفِ اول میں نظر آتے ہیں۔ حافظ ذہبی ایسا نقاد انہیں "شیخ الاسلام اور الحافظ الثقة" کہتا ہے۔ عیسیٰ بن یونس کہتے تھے "ہم نے اور ہمارے پیشرو لوگوں نے اعمش کا مثل نہیں دیکھا" حافظ ابن حجر بھی انہیں "علامۃ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، وہ تمام مذہبی علوم میں یکساں کمال رکھتے تھے۔ ابن حنین فرماتے ہیں "اعمش کتاب اللہ کے بڑے قاری اُمادیث کے بڑے حافظ، اور علمِ فرائض کے ماہر تھے۔ عیسیٰ بن مدینی کا بیان ہے "محمد بن اُشید

۱۔ تاریخ خلیفہ بغدادی ج ۹ ص ۱۷۱ ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۹ و تاریخ خلیفہ ۲۔ تذکرۃ اصناف ج ۱ ص ۱۳۰

علیہ وسلم کی امت میں علم چھ بزرگوں نے محفوظ رکھا ہے "مکرمین عمرو بن دینار نے۔ مدینہ میں زہری نے، ابوحنیفہ سبیعی اور عیش نے کوفہ میں اور قتادہ اور یحییٰ بن ابی کثیر نے بصرہ میں۔"

قرآن مجید | یوں تو حضرت عیش تمام اسلامی علوم میں ہی امامت کا مرتبہ رکھتے تھے۔ مگر قرآن مجید کا علم کے ساتھ انہیں خاص شغف تھا۔ حضرت شعبان کا ذکر کرتے تھے تو فرماتے تھے:

"قرآن قرآن" عمرو بن علی کہتے ہیں "صدق مقال کی وجہ سے لوگ حضرت عیش کو قرآن ہی کہنے لگے تھے۔ حافظ ابن حجر انہیں "علوم قرآنہ کا سرور" لکھتے ہیں۔ ہمیشہ فرماتے ہیں۔

ما رأیت بالکوفة احداً اقرأ کتاب میں نے کوفہ میں ان سے زیادہ قرآن کا کوئی

اللہ ویند ت بہتر تاری نہیں دیکھا

قرآن مجید کا درس دیتے تھے طلحہ بن مصرف نے انہی کے پاس قرآن پڑھا تھا۔ مگر آخر عمر میں کبر سن اور ضعف کے باعث درس ترک کر دیا تھا، پھر بھی ماہ شعبان میں تھوڑا تھوڑا قرآن پڑھاتے تھے۔ لوگ اپنے اپنے قرآن لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور عیش کی قرأت کے مطابق اصلاح کرتے جاتے تھے آپ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت کے مطابق قرآن پڑھتے تھے۔

حدیث | حدیث میں ان کا مرتبہ اتنا بلند تھا کہ ابن عباس فرماتے ہیں "محدثین میں عیش سے زیادہ کوئی فقہ نہیں ہے" مجلی کہتے ہیں "عیش فقہ اور ثبت فی الحدیث تھے، اور اپنے عہد کے سب سے بڑے محدث اہل کوفہ تھے جو علامہ حافظ ذہبی انہیں "الحافظ الفقہ" لکھتے ہیں، ابن عیینہ انہیں

احفظہم الحدیث بتاتے ہیں یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ جریرؓ اعمش سے کوئی روایت کرتے تھے تو اس کے بعد فرمایا کرتے تھے ”یہ شاہی خلعت ہے“۔

امام زہری اہل عراق کے علم کے قائل نہیں تھے۔ اسحق بن رشد نے ایک مرتبکن سے کہا کہ کوفہ میں بنو اسد کا ایک غلام ہے جو چار ہزار حدیثیں بیان کرتا ہے۔ امام زہری نے کہا ”چار ہزار!“ اسحق بولے ”اے چار ہزار!“ اگر آپ کہیں تو میں اس کا کچھ حصہ آپ کے سامنے پیش کروں؟ فرمایا ”اے لاؤ چنانچہ انہوں نے بعض روایتیں سنائیں۔ اسحق کہتے ہیں زہری روایات پڑھتے جاتے تھے اور ان کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ پھر فرمایا ”خدا کی قسم! یہ وہ علم ہے جس کے متعلق میں سمجھتا تھا کہ یہ کسی کے پاس بھی نہیں ہوگا“ شعبہ فرماتے ہیں:۔

ما شفا فی أحدک فی الحدیث ما شفا فی محمد کہ حدیث میں کسی نے اتنی شفا نہیں دی جس قدر الاعمشؓ۔
کہ اعمش نے شفا دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایات انہیں خصوصیت کے ساتھ زیادہ یاد تھیں۔ قائم بن عبدالرحمنؓ کے پاس سے ایک مرتبہ حضرت اعمشؓ گزرے تو انہوں نے فرمایا ”یہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایات کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں“۔

ابن معین اعمش عن ابراہیم عن علقمہ عن عبد اللہ کہ اجدد الا سانید کہتے تھے:۔ ابوبکر بن عیاشؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت اعمشؓ کو سید المحدثینؓ کہتے تھے:۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۵۔ ۲۔ ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۹۔ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳۔
۴۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۹ ص ۱۰۔ ۵۔ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۵۔ ۶۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۹ ص ۱۰۔

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ مرویاتِ اعمش کی تعداد چار ہزار تھی۔ گو ابنِ مثنیٰ کل تیر سو بتاتا ہے۔ اُن کی روایات کے مقبر ہونے کے لیے یہی کیا کم ہے کہ لوگ صداقت کی وجہ سے انہیں قرآن کہتے تھے۔

احادیث کی کثرت روایت کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا ”تم لوگ جب حدیث سننے کے لیے کسی کے پاس جاتے ہو تو اُسے ٹھوٹ بولنے پر مجبور کرتے ہو۔ خدا کی قسم یہ لوگ مشتر الناس ہیں۔“

اسناد حضرت اعمش نے جن بزرگوں سے سماع حدیث کیا تھا اُن کے اسماء حسب ذیل ہیں۔
عبد اللہ بن ابی ادنیٰ، زید بن دہب، ابو وائل، ابو عمرو الشیبانی، قیس بن ابی حازم
عکرمہ، معروف بن سوبہ۔ ابراہیم الحنفی۔

حضرت انس بن مالک سے ملاقات ثابت ہے، روایت ثابت نہیں ہے، اسی بنا پر حضرت اعمش کی جو روایتیں حضرت انس سے مروی ہیں اُن کو مرسل قرار دیا گیا ہے۔ ابن المنادی کی ایک روایت ہے کہ اعمش نے ایک مرتبہ ابو بکرہ الثقفی کو دکھایا تو حدیث سننے کے اشتیاق میں جا کر اُن کی رکاب پکڑ لی، ابو بکرہ بولے ”بیٹا اس فعل سے تم نے اپنے رب کا اکرام کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر اس روایت کو غلط فاحش قرار دیتے ہیں، اور دلیل یہ ہے کہ اعمش ۹۵ھ یا ۱۰۰ھ میں تولد ہوئے تھے اور ابو بکرہ ۱۵ھ یا ۲۰ھ میں انتقال کر چکے تھے، اس بنا پر دونوں میں کس طرح ملاقات ہو سکتی ہوگی؟ علامہ میں جو زیادہ مشہور اور نامور ہوئے اُن کے نام یہ ہیں۔ شعبہ۔ سفیان۔ ثوری۔ یحییٰ۔

ابن عیینہ، زائدہ، وکیع، عبید اللہ بن موسیٰ، ابراہیم بن طہمان، جریر بن حازم وغیرہم۔

فقہ فرائض | قرآن و حدیث کی طرح فقہ میں عموماً اور فرائض میں خصوصاً بڑا کمال رکھتے تھے۔ ابن عیینہ اُن کو اعلیٰ علیہم بالفرائض "فرائض کے سب سے بڑے عالم بتاتے ہیں۔

غیرہ کا بیان ہے کہ ابراہیم نخعی کی وفات کے بعد فرائض میں ہم نے اعمش کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ ابن عیینہ ایک دوسرے مقولہ میں فرماتے ہیں کہ اعمش اپنے ساتھیوں سے چار چیزوں میں بڑھ گئے۔ اُن میں وہ فرائض کا بھی شمار کرتے ہیں۔

استنبار | ان علمی کمالات کے ساتھ خدا نے ان کو حد درجہ متقی اور فقر نش بنایا تھا۔ امیرِ یوں خودداری اور شاہوں کا جاہ و شہم اُن کی چشم قناعت کو خیرہ نہیں کر سکتا تھا۔ امام شعرانی لکھتے ہیں "اعمش کو روٹی تک میسر نہیں تھی لیکن اس کے باوجود ان کی مجلس میں اغنیاء و سلاطین سب سے زیادہ فقیر معلوم ہوتے تھے۔"

عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے "فقر و حاجت کے باوجود اغنیاء و سلاطین حضرت اعمش کی نگاہ میں سب سے زیادہ حقیر تھے۔"

ایک دفعہ خلیفہ ہشام نے اُن کو لکھا کہ میرے پاس حضرت عثمانؓ کے فضائل اور حضرت علیؓ کے مناقب لکھ کر بھیج دو۔ انہوں نے قاصد کے سامنے ہی وہ خط ایک بکری کے منہ میں لکھ دیا اور اُس نے چبا کر اُس کو پیارہ پارہ کر دیا۔ پھر قاصد سے فرمایا "جاؤ یہ تمہاری تحریر کا جواب ہے۔" قاصد بولا اگر میں یوں ہی واپس چلا گیا تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ لوگوں نے یہ سن کر حضرت اعمش سے

درخواست کی کہ جواب ضرور لکھ دیجیے۔ آپ نے یہ دیکھ کر جواب لکھا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اما بعد اگر حضرت عثمانؓ کی ذات میں تمام دنیا کی خوبیاں جمع ہوں تب بھی اُن سے تمہاری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور اگر حضرت علیؓ کی ذات میں تمام دنیا کی بُرائیاں جمع ہو جائیں تو اُن سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تم کو چاہیے کہ اپنے نفس کی خبر لو“

بے شک تنقید وہ چونکہ کسی سے کوئی غرض اور طمع نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے اپنی رائے کے انہماک میں بھی بڑے بے باک تھے۔ کسی کی خجلی اور خوشنودی کی بالکل پروا انہیں کرتے تھے۔ ابو بکر بن عباسؓ کہتے ہیں ”ایک مرتبہ ہم چند محدثین کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے آخر میں عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے پوچھا۔ کس کس پاس ہیں ہو کر آئے ہو؟ ہم نے ایک ایک کا نام لیا اور وہ ہر ایک کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتے رہے۔ کسی کو کہا: ”وہ تو ایک پھٹا ہوا طبل ہے۔ کسی کے متعلق فرمایا ”وہ اُڑنے والا پرندہ ہے۔“ اور کسی کے بارہ میں بولے ”وہ دھن ہے۔“ عائشہؓ یہی وجہ ہے کہ بعض انہیں تند مزاج کہتے تھے۔

باس میں اکمال افتخار کی وجہ سے لباس کا بھی کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے۔ ابن عیینہؒ فرماتے ہیں ”ایک مرتبہ ہم نے عائشہؓ کو دیکھا کہ پوشین اٹلی پن رکھی تھی اور جو قبا زیب تن تھی بوسیدگی کی وجہ سے اُس کے تلگے اُن کے پیروں پر ٹٹک رہے تھے۔ پھر خود ہی فرمایا ”کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر میں نے علم حاصل نہ کیا ہوتا تو پھر بھی میرے پاس کوئی آتما۔ اگر میں بقال ہوتا

تو لوگ مجھ سے سودا خریدتے ہوئے استکراہ کرتے۔

ایک مرتبہ عیسیٰ بن موسیٰ (جو اس زمانہ میں حاکم تھا) نے قرار کو عطیہ دیے کا حکم دیا، چنانچہ حضرات اپنے اپنے لمبوسات کے ساتھ تشریف لائے۔ عیش بھی آئے تو اس شان سے کہ چھوٹے چھوٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے جو ان کی نصف پنڈلیوں تک پہنچتے تھے مگر میں داخل ہو کر فرمایا "یہاں ابن ابی لیلیٰ ہیں اور یہاں ابن شبرمہ تم ہم کو ان لمبی لمبی دیواروں سے نجات دو۔" جیسی یہ سن کر بلا آج ہمارے پاس اعیش کے سوا کوئی قاری (یعنی واقعی قاری) آیا ہی نہیں، تم جلدی جلدی ان کے صلہ کا بندوبست کر دو گے۔

زہد و عبادت | علی و خلافتی کمالات کے ساتھ اپنے وقت کے سب سے بڑے عابد و زاہد بھی تھے خیر ہی کا قول ہے "اعیش کا جس دن انتقال ہو گیا، انہوں نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جو ان سے زیادہ عبادت گزار ہو۔ وہ صاحبِ سنت تھے۔"

حافظِ دہلی لکھتے ہیں "وہ علم نافع اور عمل صالح دونوں میں سردار تھے۔ عیسیٰ بن یونس کے سامنے کسی نے اعیش کا ذکر کیا تو فرمانے لگے "وہ بڑے عابد و زاہد تھے، نماز باجماعت کے پابند تھے، اور ہمیشہ صوفِ اول میں رہتے تھے۔" کعب کا بیان ہے "اعیش نے تقریباً ستر سال تک تکبیر قریب فوت نہیں ہونے دی تھی۔"

جامیت | ان سب علی و عملی فضائل نے ان کو مجموعہ کمالات بنا دیا تھا، چنانچہ عیسیٰ بن یونس نے فرمایا "ہم نے اور ہم سے پہلے کسی قرن نے اعیش ایسا بزرگ نہیں دیکھا، یحییٰ فرماتے ہیں "اعیش

تاریخ خلیفہ ہندی ۹۰ ص ۱۱۱ ایضاً ص ۱۱۲ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۲۴ تذکرۃ اہل خانہ ج ۱ ص ۱۳۵ تاریخ

صاحبِ فضل و قرآن تھے، اور وہ بہت بلند مرتبہ انسان تھے۔

خرافتِ اُمران سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بالکل زاہد خشک مزاج تھے، بلکہ طبیعت میں خرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ علامہ ابنِ خلکان لکھتے ہیں:-

وكان لطيف الخلق مزاحاً و بڑے خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے۔

ایک مرتبہ چند لوگ اُن کے پاس سماعِ حدیث کے لیے آئے۔ اُغمش باہر نکلے تو فرمایا،
”اگر میرے گھر میں وہ نہ ہوتا جو مجھ کو تم سے زیادہ مغوم ہے (یعنی بیوی) تو میں گھر سے نہ نکلتا۔
ایک دفعہ اُن میں اور بیوی ہیں کچھ ناچاتی ہو گئی۔ حضرت اُغمش نے نالشی کے لیے کسی شخص کو بلا دیا۔

اُس شخص نے آکر حضرت اُغمش کی بیوی سے کہا ”تم اپنے شوہر کی آنکھوں کے چندھے پن اور اُن کی پندلیوں کے بدنما ہونے کو نہ دیکھو، بلکہ یہ دیکھو کہ وہ کتنے بڑے امام ہیں اور اُن کی کیا شان ہے اُغمش بولے ”خدا تم کو رسوا کرے، تم نے تو اور میری بیوی کو میرے عیوب بتا دیے۔“

ایک دفعہ داؤد بن عمر نے جو خود جولاہا تھا پوچھا ”جولہے کی امامت کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟“ فرمایا ”اُس کے پیچھے اگر ناز بے وضو پڑی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“

ایک مرتبہ اُغمش بیمار تھے۔ امام ابو حنیفہ اُن کی عیادت کو تشریف لائے، دیر تک بیٹھے رہے، چلنے لگے تو فرمایا ”میں اتنی دیر تک آپ کے پاس بیٹھا ہوں، اس سے تو آپ پر بڑا بار ہوا ہو گا“ اُغمش بولے ”آپ اپنے گھر میں ہوتے ہیں تو بھی میرے لیے بھاری ہی ہوتے ہیں“ اس میں امامِ اعظم کی جلالتِ علم کی طرف تلمیح ہے،

لے یہ واقعات ابنِ خلکان ج ۱ ص ۲۱۳ سے ماخوذ ہیں۔

نصاحت گفتگو بڑی فصیح و بلیغ ہوتی تھی۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں ”وکان فصیحاً“

تخیر نفس | اس پایہ کے مجموعہ کمالات ہونے کے باوجود اپنی ذات کو بالکل حقیر و ہیچ سمجھتے تھے انہوں نے وصیت کی تھی ”میں مر جاؤں تو کسی کو میری موت کی اطلاع نہ کرنا اور مجھ کو میرے رب کے پاس لیجا کر دفن کر دینا میں اس سے فرد تر ہوں کہ لوگ میرے جنازہ میں شریک ہوں۔“
وفات | باختلاف روایت ۳۷۷ھ یا ۳۸۱ھ میں وفات پائی۔ انتقال کے بعد جریر نے خواب دیکھا۔ پوچھا ”اے ابو محمد! کیا حال ہے؟“ فرمایا ”ہم نے مغفرت کی وجہ سے نجات پائی۔“ احمد شہ
رب العالمین علیہ

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی

نام و نسب | ایوب نام، ابو بکر کنیت۔ والد کا نام کیسان تھا اور کنیت ابو تمیمہ نسلاً کوئی ان کو عبری کہتا ہے اور کوئی جہنی۔ سختیانی کے لقب سے علامہ ابن عبد البر کے قول کے مطابق اسی لیے مشہور تھے کہ بصرہ میں بکے کی دباغت دی ہوئی کھالیں فروخت کرتے تھے۔ حضرت ایوب قبیلہ غزوہ یا ہینہ کی غلامی میں تھے۔

فضل و کمال | ایوب غلام تھے لیکن کشورِ علم و عمل کے تاجدار تھے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں

۱۔ تاریخ بغدادی جلد ۹ ص ۵۷۷ طبقات کبریٰ امام شعرانی ج ۱ ص ۳۸۸ ۲۔ ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۰
۳۔ خطیب بغدادی ج ۹ ص ۱۳۷ ۴۔ تہذیب الاسلام قسم اول ج ۱ ص ۱۳۱ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۹۷۔

سب اُن کی جلالت و امامت، حفظ اور تقاہت، وفور علم، فہم اور بیادیت پر متفق ہیں۔ علامہ ابن سعد تحریر فرماتے ہیں "ایوب ثقہ اور حدیث میں ثبت تھے، جامع اور عدل تھے، متقی، کثیر العلم اور حجۃ تھے۔" علامہ ابن عیینہ فرماتے ہیں۔ "لوا لقی مثلاً" (میں اُن کے مثل سے نہیں ملا) ابن عماد الحنبلی اُن کو احدا لا اعلام لکھتے ہیں۔ حماد بن زید فرماتے ہیں جن لوگوں سے میں نے مجالست کی ہے، ایوب اُن سب میں افضل تھے۔ اور اتباع سنت میں سب سے زیادہ شدید تھے۔ ابن ناصر الدین کہتے ہیں "ایوب علماء کے سردار، حفاظ حدیث کے امام، ثقہ اور بیدار مغز بزرگوں میں سے تھے۔" لوگ انہیں "جہذا العلماء" کہتے تھے۔ ہشام بن عروہ کہتے تھے میں نے بصرہ میں ایوب کا مثل نہیں دیکھا۔ ابو عثمان نے حضرت حسن بصری سے سنا کہ وہ ایوب کو بصرہ کے نوجوانوں کا سردار کہتے تھے۔ ابن عوف فرماتے ہیں "محمد بن سیرین کی وفات ہو گئی تو ہم نے اپنا مرجع ایوب کو بنالیا۔ ابو حاتم کہتے ہیں: ثقۃ لا یسل عن مثلیہ وہ ایسے ثقہ ہیں کہ اُن کے مثل کے متعلق سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ ایک مرتبہ محمد بن سیرین نے کوئی حدیث بیان کی۔ مسلم بن کیسان نے ان سے پوچھا "آپ سے یہ روایت کس نے نقل کی ہے؟" فرمایا "الثبت الثبت ایوب نے پتہ"

حدیث | حضرت ایوب کا خاص فن حدیث تھا، حافظ ذہبی ایسا نقاد فن اُن کو الحافظ احدا لا اعلام لکھتا ہے۔ انہوں نے اپنے عہد کے اجلہ ائمہ سے سماع حدیث کیا تھا۔

۱۔ ابن سعد ج ۲، قسم دوم ص ۱۴۱۔ ۲۔ تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۳۱۔ ۳۔ شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۸۱

۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۳۔

عمر بن سلمہ الجرمی۔ ابو العالیہ الریاحی، سعید بن جبیر، ابو قلابہ، عبد اللہ بن یحییٰ، ابن سیرین،
سعید بن بلال، قاسم بن محمد، عبد الرحمن بن القاسم، نافع بن عاصم، عطاء، عکرمہ، اعرج، عمرو
ابن دینار اُن کے شیوخ تھے۔

تلامذہ اُن کے حلقہ تلمذ میں جو لوگ شامل تھے اُن میں سے اکثر آسان علم و فضل پر مہر جانتے
بن کر چکے، اُن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں :-

اعمش، قتادہ، حماد، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شعبہ، امام مالک، ابن اسحاق
سعید بن ابی عروبہ وغیرہ۔ اُن کی مرویات کی تعداد آٹھ سو اور بعض کے نزدیک دو ہزار ہے
مرویات کا پایہ اعتبار کے اعتبار سے اُن کی مرویات کا جو پایہ ہے اُس کا اندازہ اس سے
ہوگا کہ شعبہ نے اُن سے کسی ایک حدیث کے متعلق استفسار کیا۔ انہوں نے فرمایا ”مجھ کو
اس میں شک ہے۔ حضرت شعبہ بولے :-

شكك احب الی من یقین غیرك۔ آپ کا شک مجھ کو دوسرے یقین سے زیادہ مجرب ہے،
امام نسائی انہیں ثقہ، ثبت بتاتے ہیں، ابو حاتم فرماتے ہیں ”اُن جیسا کوئی ثقہ
دیکھا ہی نہیں گیا۔ ابن قیمہ کہتے ہیں ”ایوب ابن عروہ سے زیادہ ثقہ اور مقرب ہیں۔ امام مالک
فرماتے ہیں :-

وكان من العالمين العاملين الخاشعين ده عالم، حامل اور الله كرهت لياره وذر الخاشعين

احتیاط فی الحدیث | اس کمال ثقاہت کے باوجود وہ حدیث بیان کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ حماد بن زید فرماتے ہیں ”میں نے ایوب اور یونس سے زیادہ سوال کا جواب بے غر میں کوئی محتاط نہیں دیکھا۔ جواب سے پہلے وہ سائل کے حافظہ کا امتحان کر لیتے تھے کہ کہیں وہ اُسے غلط نقل نہ کر دے۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ کوئی شخص حضرت ایوب سے کوئی سوال کرتا تھا تو وہ جواب سے قبل اُس سوال کا اعادہ کرتے تھے۔ اگر اس اعادہ میں وہ ذرا بھی غلط طوطا و تعمیر کر دیتا تو حضرت ایوب اُس کا جواب نہیں دیتے تھے۔ پھر جواب میں بھی صرف احادیثِ سنّادینے پر اکتفا کرتے تھے۔ اپنی طرف سے حکم کے بیان کرنے میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے اُن سے کوئی سوال کیا۔ فرمایا مجھے معلوم نہیں“ وہ بولا ”اپنی رائے ہی بتا دیجیے“ ارشاد ہوا ”میری رائے بھی کچھ نہیں ہے“

ایک مرتبہ اُن سے پوچھا گیا ”آپ رائے سے کام نہیں لیتے؟ اُس کے جواب میں فرمایا ”کسی نے گدھے سے کہا تو جگالی کیوں نہیں کرتا؟ بولا، میں باطل چیز کا چانا برا جانتا ہوں“ اس سے آپ کی غرض یہ تھی کہ اپنی رائے کا ظاہر کرنا بھی ایسا ہی ہے۔

فقہ | حدیث کی طرح فقہ کے بھی امام تھے حضرت شعبہؒ انہیں ”سید الفقہاء“ کہتے ہیں۔ حماد کہتے ہیں ”ہمارے فقہاء ایوب، ابن عون، اور یونس ہیں۔“

احترام حدیث | طبیعت میں خشوع و خضوع بہت تھا، اور اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سننے ہی رو پڑتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں ”ہم حضرت ایوب کی خدمت میں

حاضر ہوتے تھے، اُن کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کا ذکر آتا تھا، تو
بیاختہ رونے لگتے تھے۔ یہاں تک کہ ہیں اُن کی حالت پر رحم آتا تھا؛

امام مالک ہی ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ”میں نے جب یہ دیکھا کہ ایوب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا ادب و احترام کرتے ہیں تو پھر میں نے اُن سے حدیثیں لکھنی
شروع کر دیں۔“

انکاری و تواضع | اس پایہ کے محدث اور فقیہ ہونے کے باوصف مزاج میں انکاری حد سے
زیادہ تھی۔ وہ ہمیشہ اس سے خائف رہتے تھے کہ علم کا پندار اور عجب و غرور پیدا ہو جائے۔
چنانچہ فرماتے تھے ”کون شخص اس سے محفوظ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث بیان کرے اور دیکھے کہ
اس طرح اُس نے جماعت میں کوئی امتیاز پیدا کر لیا ہے، اور اس بنا پر اُس کے دل میں کوئی
عجب پیدا ہو جائے۔“

علماء کے لیے بڑا ابتلا یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی موقع پر کسی مسئلہ کی نسبت اپنی لاعلمی ظاہر
نہیں ہونے دیتے۔ مگر حضرت ایوب اس سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ ان کو کسی مسئلہ کے متعلق
علم نہیں ہوتا تھا تو وہ برملا اُس کا اعتراف کر لیتے تھے۔ ابن خوزبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوب
نے اگر کبھی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس سے وہ واقف نہیں ہوتے تھے تو بے تکلف فرامیتے
تیسئل اهل العلم راجل علم سے دریافت کر لیتے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۳۔ ۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۹۸۔ ۳۔ ابن سعد ج ۲ ص ۱۴

۴۔ ابن سعد ج ۲ ص ۱۴۔

شہرت سے نفرت | اس انکساری اور تواضع کا یہی نتیجہ تھا کہ وہ شہرت سے حد درجہ نفور تھے، یہاں تک عام مجبوں اور لوگوں کی نظروں سے بچ کر وہ ایسے راستوں سے جاتے تھے جہاں کوئی انہیں نہ دیکھ سکے۔ حماد بن زید کہتے ہیں: "ایک مرتبہ میں حضرت ایوب کے ساتھ چل رہا تھا، چھکویہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ وہ ایسے ایسے راستوں سے نکلے کہ میں تعجب تھا، انہیں وہ راستے کس طرح معلوم ہو گئے۔ اور یہ شخص اس لیے تھا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ وہ ایوب جا رہے ہیں، تاہم راستے میں اگر کوئی لمبا تا تو سلام کرنے میں سبقت کرتے۔ لوگ اُس کے جواب میں اُصلانے کر کے سلام کرتے۔ حضرت ایوب پر اس سے خشوع طاری ہو جاتا تھا اور وہ فرمانے لگتے: "اے اللہ میں یہ نہیں چاہتا، اے اللہ میں یہ نہیں چاہتا۔"

وہ اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی اُن کے ساتھ چلے۔ حماد بن زید بیان کرتے ہیں: "ایک مرتبہ میں بازار جا رہا تھا، راستہ میں ایوب مل گئے، وہ ایک جنازہ کے ساتھ جا رہے تھے۔ حضرت ایوب کو دیکھ کر میں اُن کے ہمراہ ہو گیا تو فرمانے لگے: "تم اپنے بازار جاؤ، شعبہ بیان کرتے ہیں: "بسا اوقات میں اپنی ضرورت سے ان کے ساتھ جانا چاہتا تو وہ مجھے اجازت نہ دیتے۔ اور گھر سے نکل کر گلیوں میں ادھر ادھر ہو جاتے تھے تاکہ لوگ انہیں نہ جانیں۔"

نہد عبادت | علمی کمال کے ساتھ زاہد و عابد بھی تھے۔ انہوں نے چالیس حج کیے تھے۔ امام مالک فرماتے تھے: "کان من عباد الناس وخیراً منہم ایوبؑ بڑے عبادت گذار اور بہترین بندگ تھے، مگر اس کے باوجود فرمایا کرتے تھے: "جب صلحا کا ذکر کیا جائیگا تو میں اُن سے الگ ہو جائیگا۔"

عبادت کا اخلا تمام رات عبادت کرتے رہتے تھے، مگر صبح کے وقت آواز لہی کر لیتے تھے جس سے معلوم ہو کہ ابھی اٹھے ہیں۔ اُس زمانہ کے عام عابدوں اور زاہدوں کا لباس یہ تھا کہ وہ چست قمیص پہنتے تھے حضرت ایوب میں اخفا کا جذبہ اس قدر تھا کہ انہوں نے یہ لباس ہی ترک کر دیا تھا۔ اپنی قمیص ڈھیلی ڈھالی رکھتے تھے۔ سعید نے اُن سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ”ابو عروہ! پہلے زمانہ میں دامن لٹکا کر چلنے میں شہرت تھی اور اب سمیٹ کر چلنے میں ہے۔“

اُن کا مقولہ تھا کہ انسان کو خواہ کتنا ہی بڑا زاہد ہو اللہ سے ڈرتا رہنا چاہیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زہد کو لوگوں کے لیے عذاب نہ بنائے۔

اہل حکومت | ارباب حکومت کی ملاقات سے ہمیشہ محبت رہتے تھے یہاں تک کہ انہیں سے بختاب کسی خلیفہ کا اپنے مکان پر آنا بھی گوارا نہیں تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا ”مجھ کو میرا بیٹا بکر سب سے زیادہ محبوب ہے، مگر اس کے باوجود میں اُسے اپنے ہاتھوں سے دفن کروں۔ یہ زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ہشام یا کوئی اور خلیفہ میرے پاس آئے۔“

یزید بن ولید کے ذاتی دوست تھے۔ مگر جب وہ والی خلافت ہوا تو آپ نے دعا کی ”اے اللہ! میرے ذکر کو چھلے“ یعنی اب یزید میری شہرت کی وجہ سے بار بار یاد نہ کرے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ص ۱۲۳۔ ۲۔ ابن سعد، ج ۲، ص ۱۵۔ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ص ۱۲۳۔

۴۔ ابن سعد، ص ۱۶۔ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ص ۱۲۳۔

خوش طلقی | اس قدر عابد و زاہد اور شہرت و وجاہت سے نفور ہونے کے باوجود خوش اخلاق بھی انتہا درجہ کے تھے۔ کوئی اُن کے مکان پر آتا تھا تو حتی الوسع اُس کی خاطر مدارات کھتے اور بشارت وجہ کے ساتھ بات چیت کرتے تھے۔ حاذبن زید کا بیان ہے ”میں نے حضرت سے زیادہ کوئی خندہ رو نہیں دیکھا عید الفطر کے موقع پر خاص اہتمام کرتے تھے۔ اس دن اپنے تمام پڑوسیوں کے ہاں جتے بھجوتے تھے جو احباب ملتے تھے اُن سے بڑی رنجوشی سے ملاقات کرتے تھے۔

ربیع بن سلم کہتے ہیں ”ایک مرتبہ میں حضرت ایوب کا ہم سفر تھا۔ ابلج میں ہم قیام پذیر تھے کہ ایک فریاد نام شخص آیا جس نے اُس وقت موٹا لباس پہن رکھا تھا، اُس نے حضرت ایوب کو دریافت کیا۔ میں نے اطلاق کی، آپ تشریف لائے تو اس شخص کو دیکھ کر اُس کے گلے سے لپٹ گئے۔ لوگوں نے پوچھا ”یہ کون ہیں؟“ آپ نے فرمایا ”یہ سالم بن عبد اللہ ہیں۔“

عیادت و تعزیت | آپ کے پاس بہتیرے ایسے آدمی آتے تھے جن سے آپ نا آشنا یا نہ معاملہ کرتے تھے۔ لیکن اگر وہ بیمار ہو جاتے تو آپ اُن کی عیادت کو تشریف لیجاتے اور اُن کا انتقال ہو جاتا تو تعزیت کے لیے اُن کے مکان پر جاتے تھے اور اس درجہ دلسوزی کا اظہار فرماتے کہ وہ شخص آپ کا بہت ہی بڑا مکرم و محترم معلوم ہوتا تھا۔ شام میں ثقیف کے ایک غلام علی بن حکیم کا انتقال ہو گیا اُس نے صرف ایک ماں چھوڑی تھی حضرت ایوب کو

خبر ہوئی تو تین دن تک برابر غریب کے لیے علی کی ماں کے پاس اُس کے مکان پر جاتے رہے، آپ دیر تک وہاں قیام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے تلامذہ و احباب بھی آپ سے ملنے وہیں چلے جاتے تھے۔

کرات | بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے آپ صاحب کرامات بھی تھے۔ ابو نعیم کا بیان ہے کہ حضرت ایوبؑ مکہ کے راستہ میں تھے۔ اہل کارواں کو پیاس لگی، مگر انہوں نے اس کو ظاہر نہیں کیا۔ حضرت ایوبؑ نے باصرار دریافت کیا تو انہوں نے افشاء کر دیا۔ آپ نے ان لوگوں سے کہا تم کسی پر ظاہر تو نہیں کرو گے؟ لوگوں نے اقرار کر لیا، تو آپ نے ایک دائرہ بنایا، اور دعا مانگی، نتیجہ یہ ہوا کہ پانی اُبلنے لگا جس سے سب خوب جی بھر کر سیراب ہوئے، اور انہوں نے اپنے اونٹوں کو بھی پانی پلایا۔ پھر آپ نے اُس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا اور پانی اُبلنا بند ہو گیا۔

علیہ | سر پر بڑے بڑے بال رکھتے جس کو سال بسال رغبالبانج کے موقع پر منڈوا دیتے تھے اور زیادہ بڑے ہو جاتے تھے تو اُن میں مانگ نکالتے تھے، تو ند بڑھی ہوئی تھی ازار باندھنے پر بھی ناف ظاہر رہتی تھی۔ سر اور داڑھی پر سُرخ خضاب استعمال کرتے تھے۔ وفات | ۶۳ برس کی عمر میں بحرین طاعون بصرہ میں ۳۱ سنہ وفات پائی۔ انہوں نے ایک سُرخ چادر عرصہ سے کفن کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔ اور اُس کو وہ احرام کی حالت میں اور رمضان کی تیسویں شب میں اوڑھتے تھے، مگر یہ اتفاقاً مکہ میں چوری چلی گئی تھی۔

حضرت مکحول الدشتی

نام و نسب مکحول نام، ابو عبد اللہ یا ابو ایوب کنیت۔ اُن کے نسب سے متعلق روایات مختلف ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کئی روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسلاً عجمی تھے اور اُن کے والد کا نام سہراب تھا، بعض سے ثابت ہوتا ہے کہ مصری تھے اور بعض سے اُن کا ہذلی یعنی عرب ہونا دریافت ہوتا ہے۔

اپنی ابتدائی زندگی کے متعلق حضرت مکحول کا خود اپنا بیان یہ ہے کہ میں پہلے عمرو بن سعید بن العاص کا غلام تھا۔ انہوں نے مجھ کو مصر میں قبیلہ ہذیل کے ایک شخص کو دیدیا۔ اس بیان سے ان دونوں روایتوں میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے، جن میں سے ایک سحران کا عمرو بن سعید کی غلامی میں ہونا اور دوسری سے ہذیلی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

شوقِ علم ہذیلی نے آزاد کر دیا تو آپ کو تحصیلِ علم کا شوق ہوا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے طولِ طویل سفر کیے خود اُن کا اپنا بیان ہے ”میں مصر میں اُس وقت تک مقیم رہا جب تک مجھے یہ معلوم نہیں ہو گیا کہ یہاں علم نہیں ہے اور جو کچھ علم تھا وہ میں حاصل کر چکا تھا۔ یہاں سے روانہ ہو کر میں عراق آیا۔ جب یہاں کا تمام علم بھی میں نے حاصل کر لیا تو یہاں سے بھی روانہ ہوا اور مشرقیہ علوم و معارفِ مدینہ میں پہنچ کر اپنی علمی تشنگی کو بجھانے کا سامان کرنے لگا غرض

کہ انہوں نے طلب علم میں دنیاۓ اسلام کا گوشہ گوشہ چھان لیا تھا، اور جہاں سے جتنا کچھ علم ملا اسے اپنے دامان شوق میں سمیٹ لیا، وہ خود فرماتے ہیں:-

طفت الارض فی طلب العلم میں نے علم کی طلب میں زمین کا چکر لگایا تھا۔
مدینہ میں جس شان انہماک سے انہوں نے علم حاصل کیا اُس کو اس طرح بیان کرتے ہیں:-
فلما دۡمۡ ہما علماۡلا مدینہ اور عراق میں کوئی علم ایسا نہیں تھا جس حویت علیہ کو میں نے حاصل نہ کیا ہو۔

فضل دیکھ! اُن کے اس شوق و ذوق اور محنت و جستجو کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سرخیل علماء عصر بن گئے امام زہری فرماتے تھے ”علمائے تین ہی ہیں۔ اُن میں سے ایک کھول ہیں، ابن یونس کہتے ہیں وہ فقیہ و عالم تھے۔ ابن عمار اُن کو اہل شام کا امام بتاتے ہیں۔ عجلیٰ انہیں تابعی ثقہ کہتے ہیں۔ سلیمان بن موسیٰ کہتے تھے کھول کا علم شام سے ہم تک پہنچا تو ہم نے اُس کو قبول کر لیا۔“

حدیث جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے انہوں نے مدینہ، عراق، شام اور مصر میں علم حاصل کیا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ اُن کو کن صحابہ سے لقاء حاصل ہے۔ مگلاس پر سب کا اتفاق ہے کہ انہوں نے حضرت انس سے ملاقات کی تھی۔ خود اُن کا بیان ہے کہ میں نے دمشق کی مسجد میں حضرت انس کو دیکھا، میں نے اُن کو سلام کیا اور اُن سے پوچھا کہ جنازہ اُٹھانے اور اُس میں شریک ہونے کے بعد وضو کرنا چاہیے یا نہیں؟ فرمایا ”ہم نماز میں تھے اور نماز

کی طرف آئے ہیں پھر اس کے درمیان وضو کی کیا ضرورت ہے؟
حضرت انس کے علاوہ اُن کے شیوخ کبار یہ ہیں:-

شیوخ | وائلہ بن اسقع، ابو امامہ، محمود بن الربیع، عبید اللہ بن جریز، عنبسہ بن ابی سفیان
جبر بن نفیر، سلیمان یسار، شرحیل بن السمط، طاؤس بن کیسان، عراک بن مالک
کثیر بن مرہ، دقاص بن ربیعہ، ام الدرداء الصغریٰ۔ مگر امام شعبی سے خصوصیت کے ساتھ
استفادہ کیا تھا۔ اُن کا بیان ہے ”لہ ادمثلہ“ (میں نے اُن جیسا نہیں دیکھا) ان کے
بزرگوں کے علاوہ قاضی شریح کی مجلسوں میں بھی شریک رہے ہیں۔

تلاذہ | اُن کے خوشہ چینوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، اُن میں مشہور یہ ہیں: امام اوزاعی
عبدالرحمن بن یزید، عکرمہ بن عمار، محمد بن الولید الزہری، محمد بن اسحق، حجاج بن ارطاة، برہ
بن سان، زید بن واقد، ثور بن یزید، ایوب بن موسیٰ، محمد بن راشد، ثابت بن ثوبان
وغیرہم۔

ثبات | حضرت کھول کا حافظہ بڑا قوی تھا۔ فرماتے تھے ”جس کسی چیز کو میں اپنے
سینہ میں محفوظ رکھتا تھا، اُس کی ضرورت پیش آتی تو فوراً یاد آجاتی تھی“ اس بنا پر ملک
ملک کی خاک چھاننے کے بعد جو کچھ انہوں نے سنا تھا اُن کے خزانہ حافظہ میں جمع تھا،
علامہ ابن سعد انہیں تابعین شام کے تیسرے طبقہ میں شمار کرتے ہیں۔ ابن یونس کہتے

۱۔ ابن سعد ج ۲، ق ۱۶۱۔ ۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰، ص ۲۹۰۔ ۳۔ ابن سعد ج ۲، ق ۱۶۱۔ ۴۔
تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۱۰۲۔ ۵۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰، ص ۲۹۰۔

ہیں ان کی توہین پر سب کا اتفاق ہے۔ حافظ ذہبی انہیں تابعین کے تیسرے طبقہ اور
کبار حفاظ میں شامل مانتے ہیں۔

فقہ | حدیث میں امامت و کمال کے ساتھ وہ فقہ کے بھی مسلم امام تھے۔ ابو حاتم فرماتے
ہیں ”میں نے شام میں مکحول سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔“ سعید بن عبد العزیز کہتے تھے:
مکحول زہری سے بڑے فقیہ تھے۔ مروان بن محمد کا بیان ہے کہ کوئی شخص مکحول سے زیادہ
فتویٰ میں بصیرت رکھنے والا نہیں تھا۔ لیکن اس کمال تفقہ کے باوجود وہ فتویٰ دینے
میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ ابو حاتم فرماتے ہیں وہ اس وقت تک فتویٰ نہیں دیتے تھے
جب تک کہ پہلے ”لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم“ نہ پڑھ لیتے تھے اور کسی مسئلہ میں
حکم بیان کرنے کے بعد صاف طور پر فرمادیتے تھے ”یہ میری رائے ہے اور رائے خطا بھی
ہوتی ہے اور صواب بھی ہے۔“

خوف خدا | ان علمی کمالات کے ساتھ اخلاقی و باطنی محاسن سے بھی بھجھتے وافر ہوا اندوز تھے
خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ کر رکھی تھی۔
رب باعد مکھولاً من النار (میں سو، اے رب تو مکحول کو دوزخ سے دور رکھ

اتفاق فی | حضرت مکحول ان مجاہدین میں سے تھے جن کو خلافت کی طرف سے وظائف ملے
سبیل اللہ تھے۔ مگر حضرت مکحول اپنے وظیفہ سے خود جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کرتے تھے۔

لے تہذیب الاسلام ج ۲ ص ۱۱۴ لے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۱ لے ایضاً ج ۱ ص ۱۰۲

لے شذات الذہب ج ۱ ص ۱۴۷ لے تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۹۱ لے شذات الذہب ج ۱ ص ۱۴۷

اور دوسرے مجاہدین کو بھی مدد دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کو کہیں سے دس ہزار دینار کی رقم
 خطیر ملی تو انہوں نے اُس میں سے پچاس پچاس دینار مجاہدین کو گھوڑا خریدنے کے لیے
 دیے تھے۔

ایک الزام اور اکحول کی نسبت ایک عام اعتراض یہ ہے کہ وہ قدریہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے
 اُس کا ازالہ علامہ ابن سعد نے بعض ایسی روایتیں بھی نقل کی ہیں جن سے اس کی تصدیق
 بھی ہوتی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کا دامن اس الزام سے بالکل پاک تھا امام اوزاعی
 فرماتے ہیں ”تابعین میں سے صرف حسن اور کحول دو بزرگ تھے جن کے متعلق شہرت تھی
 کہ قدریہ عقائد رکھتے ہیں۔ ہم نے اس کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ الزام سراسر غلط ہے۔ ان کے
 علاوہ حضرت کحول کے ایک شاگرد سعید بن عبدالعزیز بھی اس عقیدہ سے ان کی برأت کی
 شہادت دیتے تھے جو زبانی فرماتے ہیں:-

یتوهم علينا القدر وهو سعي عليه ان پر قدر کا شبہ کیا جاتا ہے، مگر حقیقت وہ ان پر اتمام ہے
 حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ”یحییٰ بن یعین کہتے تھے کہ کحول قدری ہیں مگر پھر انہوں نے
 اس سے رجوع کر لیا تھا۔“

عام حالات اکحول انگوٹھی پہنتے تھے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ نماز پڑھتے وقت ایک ڈھیلا
 ڈھالا طیلسان زیب بدن فرماتے تھے، اور زبان میں کچھ لکنت بھی تھی۔

وفات باختلاف روایت ۱۱۲ھ ۱۱۳ھ ۱۱۴ھ ۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ

منصور بن زاذان

نام و نسب | منصور نام، والد کا نام زاذان تھا، عراق کے مشہور شہر واسطہ کے باشندہ تھے
بزرگیت کی غلامی میں ہونے کی وجہ سے ثقیفی کہلاتے تھے۔

فضل و کمال | حضرت منصور نے اپنے عہد کے بڑے بڑے ائمہ حدیث سے استفادہ کیا تھا۔ اس
بنا پر وہ واسطہ کے جلیل المرتبت علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں :-

وكان ثقةً حجةً صالحاً متعبداً منصور مقبر حق کی دلیل، صراح، عبادت گزار
کبیر الشانؒ اور بڑی شان والے تھے۔

شیوخ انہوں نے خصوصیت کے ساتھ حضرت حسن بصری کے ساتھ مجالست کی تھی ان کے
علاوہ آپ کے اساتذہ کرام یہ ہیں۔

انس بن مالک، ابوالعالیہ الریاحی، محمد بن سیرین، عطاء بن ابی رباح، میمون بن ابی
شبیب، معاویہ بن قرۃ، حمید بن ہلال، قتادہ، عمرو بن دینار، حکم بن عقیبہ، عبدالرحمن بن
القاسم، محمد بن الولید بن مسلم الغزلی۔

تلامذہ | ان کے بھتیجے مسلم بن سعید الواسطی، حبیب بن الشہید، حمیر بن حازم، خلف بن
خلیفہ ہشیم، ابو حمزہ، ابو عوانہ وغیرہ ان کے تلامذہ ہیں۔

ثقافت کی کیفیت کے اعتبار سے اُن کی روایتیں معتبر ہوتی تھیں۔ عبد اللہ بن احمد اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ منصور شیخ ثقافت تھے۔ ابن معین، ابو حاتم اور امام نسائی انہیں ثقہ مانتے ہیں اور عجل انہیں ثقہ ثبت کہتے تھے۔

قرآن مجید منصور کے صحیفہ محاسن و کمالات کا روشن باب عبادت و ریاضت تھا۔ ان کو سوشلف قرآن مجید سے حد درجہ شغف تھا۔ رات کو نمازیں قرآن مجید پڑھنا شروع کرتے تو چاشت کے وقت تک ختم کر دیتے تھے۔ جب وہ سجد ہائے قرآن ادا کرتے تو لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے پورا ایک قرآن ختم کر لیا ہے۔ بلکہ بعض روایتوں سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ وہ فجر اور عصر کے درمیان ایک قرآن ختم کر دیتے تھے۔

قرآن مجید حتی الوسع جلد پڑھنا چاہتے تھے مگر پڑھ نہ سکتے تھے۔ ہشام بن حسان کا بیان ہے "ایک مرتبہ میں نے حضرت منصور کے ساتھ مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھی تو میں نے دیکھا کہ دوسری رکعت میں وہ سورہ نحل تک پہنچ گئے۔"

رمضان میں خصوصیت کے ساتھ یہ شوق تیز تر ہو جاتا تھا، روزانہ کئی قرآن ختم کرتے تھے۔ نمازیں اس زور کا گریہ طاری ہوتا تھا کہ آنسوؤں کی وجہ سے عمامہ تر ہو جاتا تھا۔ نماز شروع کرنے سے قبل گیارہ سجدے کرتے تھے۔

بخسند عبادت میں ہاتھاک کے باعث وہ لوگوں سے الگ تھلگ اور علائق دنیویہ سے

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۰۶ ۲۔ ابن سعد ج ۷ ص ۶۰ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۰۶
۴۔ تذکرۃ الخلفاء ج ۱ ص ۱۳۳ ۵۔ طبع الاولیاء، البیوم ج ۲ ص ۵۸۔

زیادہ تر مجرور کرتے تھے۔ ابن جان لکھتے ہیں "وكان من المتشفيين المتجدين ابن عمار الجبلي انيس زاهد البصرة وشيخها لکھتے ہیں۔"

انہوں نے عبادت و ریاضت میں کوئی کمی اٹھا نہ رکھی تھی۔ ان کے تلمیذ شیم کا بیان ہے کہ وہ اس درجہ کامل تھے کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ موت دروازہ پر کھڑی ہے تو بھی وہ عمل میں کوئی زیادتی نہیں کر سکتے تھے۔

ان پر خوف خدا اس قدر مسلط تھا کہ غم و حزن کو سرور مفرط پر ترجیح دیتے تھے خلف بن خلیفہ بیان کرتے ہیں کہ منصور بسا اوقات فرمایا کرتے تھے "غم اور سنج سے انسان کی نیکیوں میں زیادتی ہوتی ہے، اور اس کے بر خلاف اگر نانا اور اترا نا انسان کی بُرائیوں میں اضافہ کا موجب بنتے ہیں۔"

وفات | حضرت منصور اپنے علم و فضل اور زہد و عبادت کی وجہ سے بلا قید ملت و مذہب ہر و عزیز خلق تھے۔ ۱۳۱ھ میں مرض طاعون میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ اخیر عمر میں واسط سے ستائیس میل کے فاصلہ پر ایک مقام مبارک ہے، منصور وہاں منتقل ہو گئے۔ تھے مجنازہ اٹھا تو اُس میں ہر مذہب کے آدمی شریک تھے۔ عباد بن عوام کہتے ہیں۔ میں منصور کے جنازہ میں شریک تھا، میں نے دیکھا کہ اُس میں ایک طرف عیسائی بھی تھے اور ایک طرف یہودی بھی، ہجوم اس قدر تھا کہ میرے اموں نے میرے گم ہو جانے کے

لے تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۰۷ لے شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۸۱ لے تذکرہ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۳

۳۷۷ ایضاً ۳۷۷ ابن سعد ج ۱ ق ۲ ص ۸۰۔

ڈرے میرا ہتھ پکڑ رکھا تھا۔

میمون بن ہمران

نام و نسب | میمون نام، ابو ایوب کنیت۔ والد کا نام ہمران تھا۔ ہمران بنو نصر بن معاویہ کے مکاتب غلام تھے۔ بدل کتابت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو گئے تھے۔

پیدائش | میمون ۳۳۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً یہ قبیلہ ازد کی ایک شاخ تھاکہ کی ایک عورت کے غلام تھے، اُس نے ان کو آزاد کر دیا تھا اس کے بعد بھی یہ کوفہ میں قیام پذیر رہے۔ پھر حرب محمد بن عبدالرحمن اشعث نے حجاج کے خلاف معرکہ آرائی کی جس کو حرب جاحم کہا جاتا ہے، تو میمون کوفہ چھوڑ کر جزیرہ میں آئے تھے، خود میمون بیان کرتے ہیں کہ جنگ جاحم کا آغاز ۳۳۰ھ میں ہوا تھا۔ اس حساب سے وہ کم و بیش چالیس سال کی عمر میں جزیرہ منتقل ہو گئے تھے۔

فضل و کمال | اُم عمر کی غلامی کے باوجود میمون نے تحصیل علم میں کوتاہی نہیں کی۔ انہوں نے عمر کے چالیس برس کوفہ میں ہی بسر کیے تھے جو اس وقت اسلامی علوم و فنون کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اس لیے صرف فوقِ خدا داد درکار تھا، انہوں نے اکابر امت سے استفادہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میمون ائمہ رازگار میں سے ہو گئے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ان کا ثقہ

کثیر الحدیث حافظ ذہبی اُن کو امام و پیشوا قرار دیتے ہیں۔ اور جزیرہ کانایاں عالم تہاتر ہیں
 سلیمان بن موسیٰ الفقیہ کا بیان ہے "ہشام کی خلافت میں چار بزرگ تھے جن کو علماء انام
 کہا جاتا تھا۔ حسن بصری، مکحول دمشقی، میمون بن مہران اور شہاب الدین زہری۔ ابو الجلیج
 کہتے تھے "میں نے کوئی شخص میمون سے افضل نہیں دیکھا"

حدیث ابن حدیث میں مسلم الثبوت امام تھے، انہوں نے صحابہ کرام میں ام المومنین حضرت
 عائشہ صدیقہؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ اور تابعین میں سعید بن جبیرؓ، نافع مولیٰ
 ابن عمر، مقسم مولیٰ ابن عباسؓ، یزید بن مہمؓ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔

تلامذہ اُن کے تلامذہ کا حلقہ وسیع تھا، مشہور نام یہ ہیں، خود اُن کے تلامذہ عمرو بن میمون،
 حمید الطویل۔ ایوب، جعفر بن برقان۔ جعفر بن ابی وحشیہ، حبیب بن الشہید، علی بن الحکم
 النہانی، حکم بن عقیبہ، ابو فروة یزید بن سان الراوی۔ حجاج بن تمیم، سالم بن مہاجر۔ ابو الجلیج
 الرقیؓ

اُن کی مرویات کیفیت کے لحاظ سے اُن کی مرویات کا پایہ بلند تھا۔ علامہ ابن سعد کا قول پہلے
 کا پایہ گزر چکا ہے، ابو عروبہ انہیں تابعین کے حلقہ اول میں شمار کرتے ہیں، احمد کا
 کرتے تھے "میمون بن مہران حضرت عکرمہ سے زیادہ ثقہ ہیں۔ عملی کہتے ہیں "تابعی ثقہ"
 ابو زرعہ اور امام نسائی بھی انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔

فقہ فقہ میں وہ تمام علماء جزیرہ میں ممتاز تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں۔

لہ تذکرۃ اصحاب ج ۱ ص ۹۳ لہ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۹ لہ ایضاً

وَكَانَ الْغَالِبُ فِي الْمَجْزِيَةِ فِي فِتْوَى أَدْفَعَةٍ فِي جَزِيرَةٍ فِي سَبِّهِ
الْفِتْوَى وَالْفَقِيهِ
غالب تھے۔

تحصیل علم کے زمانہ میں ہی اُن کو فقہ میں اچھی مہارت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ خود فرماتے ہیں ”میں مدینہ میں آیا تو دریافت کیا کہ یہاں کا سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ لوگوں نے حضرت سعید بن المسیب کا نام لیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سوالات کرنے لگا۔ سعید نے فرمایا ”تم تو اُس شخص کی طرح سوالات کرتے ہو جو اُن تمام چیزوں کا ماہر ہو جو آج سے پہلے تک یہاں موجود رہی ہیں۔“

لوگوں کو اُن کے علم پر اتنا اعتماد تھا کہ عبدالکریم فرماتے ہیں ”اے اہل رقبہ ہم کو تمہارا علم نہیں ہے۔ بس جو علم ہمارے پاس میمون بن مہران کی جانب سے آتا ہے ہم اُس کو قبول کر لیتے ہیں اور جس شخص کو ہم اُن کے بارے میں سخرت دیکھتے ہیں اُسے رد کر دیتے ہیں۔“

ان علمی کمالات کے باعث حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ایسا مردم شناس بزرگ میمون کا بڑا احترام کرتا تھا۔ آپ میمون کو دیکھتے تو فرماتے ”جب میمون اور اُن کے مثل اس دنیا میں نہیں رہینگے تو لوگ مضطرب ہو جائیں گے۔“ مگر خود حضرت میمون کی انکاری کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا ”جب تک آپ اس دنیا میں رہینگے لوگوں کی حالت بہتر رہیگی“ آپ نے فرمایا ”جاؤ اپنا کام کرو، لوگ تو اُس وقت تک بہتر حالت میں

رہینگے جب تک وہ اپنے رب سے ڈرتے رہینگے۔

ولایت خراج [میمون اپنی معاش کے لیے کپڑوں کی تجارت کا کام کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد خلافت میں ان کی ویانت و امانت پر اعتماد کر کے انہیں خراج وصول کرنے کا متم بنا دیا تھا، لیکن میمون اس درجہ محتاط تھے کہ وہ اس کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس اپنا استغفار بھی بھیج دیا تھا، مگر اُس کو باب خلافت میں منظور نہیں کیا گیا، اور حضرت عمرؓ نے لکھا "یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے، صرف درہم کا معاملہ ہے، تم اُس کو حق سے لو گے اور حق کی جگہ ہی میں رکھو گے" اس کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے اختتام تک آپ برابر اس کا رخیہ کو انجام دیتے رہے، اس سے قبل محمد بن مروان کی طرف سے آپ بیت المال کے سردفتر تھے۔ میمون خراج کی ولایت کا تمام کام اپنی دکان میں ہی بیٹھ کر انجام دیتے تھے، آپ کے صاحبزادے عمرو بن میمون دفتر کے محافظ تھے۔

حضرت عمرؓ کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اُس کے عہد میں بھی چند ماہ تک خراج کی خدمت انجام دیتے رہے۔ مگر پھر مستعفی ہو گئے بعض دوستوں نے استعفا واپس لینے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا "میری آنکھیں جاتی رہیں، اور تذکرۃ الخلفاء میں ہے میری انگلیاں کٹ جاتیں، یہ مجھ کو زیادہ پسند تھا بہ نسبت اس کے کہ میں کسی عہدہ کا انچارج ہوتا" کسی نے دریافت کیا "حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی طرف سے بھی؟ فرمایا:

ہاں! وہ عمدہ حضرت عمرؓ کی طرف سے پیش کیا جاتا یا کسی اور کی جانب سے؟
 قضا | عمدہ خرچ ہی نہیں، بلکہ حضرت عمرؓ نے میمونؓ کی جامعیت و فقاہت کی قدر کرتے ہوئے انہیں جزیرہ کا قاضی بھی بنا دیا تھا۔

معصیت و اجتناب | حضرت میمونؓ پر خشیت ربانی کا بڑا غلبہ تھا، ممنوعات سے ہمت اجتناب کرتے تھے۔ اُن کے صاحبزادہ عمرو بن میمونؓ کا بیان ہے کہ میرے والد (فراتس) کے علاوہ زیادہ نماز روزہ نہیں کرتے تھے، مگر معصیت کے قریب جانے کو برا جانتے تھے۔ عبادت | اگرچہ عموماً وہ فراتس و سنن کے علاوہ زیادہ عبادت نہ کرتے تھے۔ تاہم کبھی کبھی ہزار ہزار رکعتیں روزانہ پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ سترہ دن میں سترہ ہزار رکعتیں پڑھیں۔

سلامت روی | حضرت میمونؓ جلیل القدر عالم ہونے کے باوجود بید سلیم الطبع تھے۔ اگر اپنی کسی رائے کے خلاف کوئی مضبوط دلیل ملتی تھی، تو فوراً اُس سے رجوع کر لیتے تھے بعض دلائل کی بنا پر آپ کا خیال یہ تھا کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس سلسلہ میں فرمایا ”آپ کی کیا رائے ہے، وہ شخص افضل ہے جس نے مال کے خراج کرنے میں عجلت کی (یعنی حضرت عثمانؓ) یا وہ جس نے خون بہانے میں عجلت کی (یعنی حضرت علیؓ) یہ استدلال سن کر حضرت میمونؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا، اور فرمایا کہ اب آئندہ اپنی رائے پر قائم نہیں رہوں گا۔

۱۔ ابن سعد ج ۲ ص ۸۷، اذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۳ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۲

۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۹۱ ۴۔ ایضاً ص ۳۹۲

وفات | ہشام بن عبد الملک کے عہد میں ۱۱۸ھ میں وفات پائی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ عبادت کرنے کے باعث پیٹ میں کوئی سخت تکلیف ہو گئی تھی اس کی وجہ سے انتقال ہوا۔

سلمہ بن دینار

نام نسب | سلمہ نام، ابو حازم کنیت۔ فارس کے رہنے والے تھے، والد کا نام دینار تھا۔ اسود بن سفیان مخزومی کے غلام تھے۔ بعض لوگوں نے ان کو بنو شمع کا غلام بتایا ہے، مگر علامہ ابن حجر نے اس کو دوہم قرار دیا ہے۔

فضل و کمال | سلمہ نسلاً عجمی اور غلام تھے، مگر اُن کے ذاتی شوق علم اور اسلام کے فیض مساوت نے اُن کو سرآمد روزگار بنا دیا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں ”سلمہ داعظ زاہد، مدینہ کے عالم اور شیخ تھے علامہ نووی انہیں ”الفقیر المشہور بالمحاسن“ لکھتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اُنکی ثقاہت و جلالت اور ثناء پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن خزیمہ فرماتے ہیں:-

لہ یکن فی زمانہ أحد مثله ۱۱۵ اُن کے زمانہ میں کوئی اُن جیسا نہیں تھا۔

حدیث | حدیث کے بڑے حافظ تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں مکان ثقۃ کثیر الحدیث ۱۱۶

۱۱۵ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۹۲۔ ۱۱۶ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۵ تہذیب الاسامی ج ۲ ص ۲۰۹

۱۱۷ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۵ بحوالہ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۳۳

شیوخ انہوں نے صحابہ کرام میں سہل بن سعد الساعدیؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایتیں کی ہیں مگر ان کے صاحبزادے نے یحییٰ بن صالح سے بیان کیا کہ جو شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ میرے والد نے سہل بن سعدؓ کے علاوہ کسی اور صحابی سے بھی سماع کیا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں حضرت سہلؓ کے علاوہ کسی اور سے سماع ثابت نہیں ہے۔

غیر صحابی علماء میں ایک جماعت کثیر سے روایتیں کی ہیں۔ ان میں سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

ابو امامہ بن سہل بن ضیف، سعید بن المسیب، عامر بن عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن ابی قتادہ، نعمان بن ابی عیاش، یزید بن رومان، علیہ اللہ بن مقسم، ابراہیم بن عبد الرحمن، ابو صالح السمان، ابوسلمہ بن عبد الرحمن، ابن المکندرو غیر ہم۔
تلاذہ جن بزرگوں نے سلمہ سے روایتیں نقل کی ہیں اور ان کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہیں ان میں سے مشہور علماء کے نام یہ ہیں۔

امام زہری، عبید اللہ بن عمرو بن کثعم، ابن عجلان۔ ابن ابی ذئب، مالک، حماد، سلیمان بن بلال، سعید بن ابی بلال، سفیان ثوری، سفیان بن ابی حینہ، ابو غسان المدنی، ہشام بن سعد، وہیب بن خالد، ابو صخر حمید بن زیاد، اخراط، اسامہ بن زید، یحییٰ بن عمار، ثقات کے اعتبار سے ان کی روایتیں معتبر ہوتی تھیں۔ امام احمد بن حنبل، ابو حاتم، عجل،

اور امام نسائی انہیں ثقہ کہتے ہیں۔ ابن جان نے بھی اُن کا شمار ثقات میں کیا ہے۔
فقہ فقہ میں بھی انہیں کمال حاصل تھا، علامہ ذہبی لکھتے ہیں:-

وكان فقيه النفس مناقب سلمه نفس کے فقیہ تھے اُن کے مناقب بہت
ابی حازم کثیرہ وکان فقیہاً ہیں اور وہ فقیہ مقبر تھے، اُن کا علم بہت ادا
ثبتاً کثیر العلم کبیر القدر ہے اُن کا مرتبہ بڑا تھا۔

علامہ نووی انہیں ”الفقیہ المشہور بالمحاسن“ لکھتے ہیں۔ اس کمال فقہ کے باعث
ہی چند دنوں تک وہ مدینہ کے قاضی رہے تھے۔

دعطا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہ مستقلاً وعظاً بھی کہتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اور حافظ
ذہبی دونوں انہیں القاسم الواعظ (فقہ گوار و واعظ) لکھتے ہیں
وسیلہ معاش اتنے بڑے عالم کامل ہونے کے باوجود کھجوروں کی تجارت کر کے معاش
حاصل کرتے تھے۔

زہد و عبادت وہ جس طرح علما و مدینہ میں نمایاں مقام رکھتے تھے زہد و عبادت کے لحاظ سے
بھی اُن میں ممتاز تھے۔ ابن جان لکھتے ہیں ”سلمہ مدینہ کے مشہور عابد و زاہد تھے۔“

امراء و سلاطین خود داری کا عالم یہ تھا کہ امراء و سلاطین سے الگ تھلگ رہتے تھے، خود
سے استغناء جانا تو درکنار بلائے بھی جاتے تب بھی نہیں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ امام زہری

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۴۴۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۶۔ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۴۴۔
۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۵۔ ۵۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۴۴۔

کی وسالت سے خلیفہ وقت سلیمان بن عبد الملک نے اُن کو بلایا تو آپ نہیں گئے اور یہ کہلا بھیجا "اگر اُس کو مجھ سے کچھ کام ہے تو کسے میرے پاس آنا چاہیے۔ رہا میں تو مجھ کو اُس کی طرف کوئی حاجت نہیں ہے۔"

حکمت بآبی | ان اخلاقی و علمی کمالات کے ساتھ قدرت نے انہیں حکمت و فرزانی سے بہرہ وافر عطا فرمایا تھا۔ عبد الرحمن بن زید بن اسم کہتے ہیں "میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کے مُنہ سے حکمت بہ نسبت ابو حازم کے زیادہ قریب ہو۔ ابن خزمہ کا بیان ہے کہ سلمہ کی براہِ کشتی شخص کے پاس حکمت و وعظ کی باتیں نہیں تھیں تھیں۔"

اقوال حکیمانہ | آپ کے بعض حکیمانہ مقولے مشہور ہیں جن کو حافظ ذہبی نے نقل کیا ہے اُن سے آپ کی حکمت کا اندازہ ہو سکتا ہے، فرماتے ہیں "ہر وہ عمل جس کی وجہ سے موت کا خوف کیا جاتا ہو اُسے ترک کر دو، پھر تم جب مرو گے تو موت تمہیں ضرر نہیں پہنچائیگی" ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے اور اپنے تعلق کو درست رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اور دوسرے بندگانِ خدا کے درمیانی تعلقات کو بہتر بنا دیتا ہے۔ اور جو شخص اپنے اور اللہ کے تعلق کو خراب رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے اور دوسرے بندوں کے تعلقات کو خراب کر دیتا ہے، ایک شخص کے ساتھ رکھ رکھاؤ رکھنا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ تمام اشخاص کے ساتھ نباہ کی کوشش کی جائے۔ ایک مرتبہ خلیفہ ہشام نے آپ سے دریافت کیا "میں امورِ سلطنت کی ذمہ داریوں سے کس طرح

فی العلم راستا فی التَّأَلُّفِ الْعِبَادَةِ خدا پرستی میں سرِ راست تھے اپنے اخلاص کی
حافظاً لافاسہ کبیرا الشَّانِ حفاظت کرتے تھے دینی بیکار و وقت ضائع
نہیں کرتے تھے اور بلند شان والے تھے۔

ابن عماد حنبلی انہیں امام اور شیخِ اہل البصرة وعالمہم کہتے ہیں۔

حدیث | ابن عون بصرہ کے رہنے والے تھے مگر علم حدیث کے شوق میں انہوں نے مختلف
شہروں کے ائمہ حدیث سے کسب فیض کیا تھا اور متعدد مراکز حدیث کے موتیوں کو اپنے دامن
طلب میں جمع کر لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کے پاس احادیث کا ایسا عمدہ ذخیرہ اکٹھا ہو گیا
تھا جو کسی کے پاس نہیں تھا۔ ابن مدائنی فرماتے ہیں "ابن عون کے پاس ایسی عمدہ احادیث
جمع ہو گئی تھیں جو اُن کے کسی ساتھی کے پاس نہیں تھیں، انہوں نے مدینہ میں قاسم اور
سالم سے، بصرہ میں حسن بصری اور محمد بن سیرین سے، کوفہ میں شعبی اور یحییٰ سے مکہ میں عطاء
اور جابر سے، شام میں کحول اور رجا بن حیوہ سے سماع حدیث کیا تھا۔ یعنی وہ اس عمدہ
کے تمام بڑے بڑے سرچشمہ علم و فضل سے سیراب ہوئے تھے۔

ان بزرگان حدیث کے علاوہ انہوں نے جن سے شرف تلمذ حاصل کیا، حافظ
ابن حجر نے اُن کی ایک طویل فہرست دی ہے، اُن میں سے بعض نام یہ ہیں:-

ثامہ بن عبد اللہ بن انس، انس بن سیرین، ابراہیم النخعی، زیاد بن جبر، امام شعبی
سعید بن جبیر، موسیٰ بن انس بن مالک، ہشام بن زید بن انس اور حضرت نافع رحمہ اللہ

ابن اکابر اسلام کے فیض نے ابن عون کو بصرہ کا مرجع علم بنا دیا تھا۔ وہیبت کہتے بصرہ کا امر صرف چار لوگوں پر منحصر تھا۔ ایوب، یونس، یحییٰ، ابن عون۔
 علامہ ابن سعد انہیں ثقہ کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ ابن مبارک کہتے تھے کہ میں نے جن جن لوگوں کا تذکرہ سنا تھا، ملاقات کے بعد سب کو کمتر پایا، بجز ابن عون، سفیان اور حیوۃ کے، پھر ان تینوں میں بھی ابن عون کا حال یہ تھا کہ میں چاہتا تھا کہ ان کے دامن سے وابستہ ہو جاؤں، اور اس وقت تک نہ چھوڑوں جب تک کہ میں نہ مر جاؤں یا وہ۔ ابن حبان انہیں ثقات میں شمار کرتے ہیں اور اپنے عہد کا سردار کہتے ہیں۔ امام نسائی ایک جگہ انہیں ثقہ مامون اور دوسرے مقام پر ثقہ ثبت کہتے ہیں۔ حضرت شعبہ فرماتے تھے ”ابن عون مجھ سے کوئی روایت بیان کریں اور فرمائیں ”میرا لگان ہے کہ میں نے یہ سنا ہے“ یہ یقین مجھ کو زیادہ محبوب ہے نسبت اس کے کہ میں اس روایت کو ان کے علاوہ کسی دوسرے ثقہ سے سُنوں۔ ان پر لوگوں کو اس درجہ اعتماد تھا کہ عثمان بنی کتے تھے ”کسی شخص کی شہادت اس کے باپ کے حق میں جائز نہیں ہے لیکن ابن عون اس سے مستثنیٰ ہیں۔“

احتیاط فی اكمال علم و فضل اور نہایت ثقاہت کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑی احادیث احتیاط کرتے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے راستہ چلنا بند کر دیا تھا۔ بجا بن محمد

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۶ و ۳۴۷ ابن سعد ج ۴ ق ۲ ص ۲۴۔

۲۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۸ ایضاً ۳۔ حاشیہ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۸۔

کا بیان ہے کہ حضرت ابنِ عون نے مجھ سے کہا کہ ”بھتیجے لوگوں نے میرا راستہ بند کر دیا ہے میں اپنی ضرورت کے لیے بھی گھر سے باہر نہیں آ جا سکتا ہوں۔“ بکار کہتے ہیں اس سے ابنِ عون کی مراد یہ تھی کہ لوگ اُن سے حدیثیں پوچھتے تھے۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ احادیث بیان کرتے بھی تھے تو ہر ایک شخص کے سامنے بیان نہیں کرتے تھے بلکہ جن کو صاحبِ ذوق و صلاحیت سمجھتے تھے اُن کو احادیث سناتے تھے۔ بکار کا بیان ہے کہ ابنِ عون کے صرف چند مخصوص بھائی تھے جن کے سامنے وہ احادیث بیان کرتے تھے اور عبادت کو سماعِ حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

محمد بن سیرین ایک مرتبہ اُن کے پیچھے چلنے لگے، غالباً سماعِ حدیث کے لیے ابنِ عون نے پوچھا ”تمہیں کچھ کام ہے؟“ بولے ”نہیں“ فرمایا ”تو پھر واپس چلے جاؤ۔“ محمد کے ساتھ ابنِ عون خاص عقیدت رکھتے تھے۔ ابنِ عون انہیں احادیث سناتے جس کو وہ کہہ دیتے کہ کیا عدم ہے، اُسے بیان کرتے تھے۔ اور جس پر وہ نہیں کہتے تھے اُسے بیان نہیں کرتے تھے۔

خُشوع احادیث بیان کرتے وقت ایک خاص قسم کا خشوع و خضوع اس خیال سے طاری ہو جاتا تھا کہ کہیں اُنہوں نے حدیث میں زیادتی یا کمی نہ کر دی ہو، اس خشوع کا یہ عالم ہوتا تھا کہ دیکھنے والوں کو رگم آ جاتا تھا۔

تلاذہ روایت میں بڑے محتاط تھے، اس کے باوجود اُن کے تلاذہ کا حلقہ وسیع تھا اور

اُس سے بڑے بڑے ائمہ حدیث پیدا ہوئے۔ مثلاً حضرت عائشہؓ، سفیان ثوریؒ، شعبہؒ اور ابن مبارکؒ عام تلامذہ میں قابلِ ذکر یہ ہیں۔

داؤد بن ہند، یحییٰ القطان، بشر بن الفضل، ازہر بن سعد السمان، معاذ بن معانی، نصر بن شمل، یزید بن ہارون، ابوالعاصم، محمد بن عبد اللہ۔

زہد و علم و فضل کے ساتھ حضرت ابنِ عونؒ کے مکارمِ اخلاق کا طغرائے امتیاز زہد و معنی تھا۔ بکار بن محمد کا بیان ہے کہ میں نے ابنِ عونؒ کو کبھی کسی سے مذاق کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ انہیں اپنے کام سے کام تھا۔

فرہ کہتے تھے ”ہم ابنِ سیرینؒ کے زہد و معنی پر تعجب کرتے تھے۔ مگر ابنِ عونؒ نے تو ان کی یاد بھی بھلا دی۔“ امام اوزاعیؒ فرماتے تھے ”ابنِ عونؒ اور سفیانؒ کی وفات کے بعد تو سب لوگ برابر ہو گئے۔“ ابنِ حبانؒ کا بیان ہے کہ ”ابنِ عونؒ عبادت و ریاضتِ زہد و سوسائٹت کی پابندی، بابِ بدعت پر تشدد اور فضل و کمال کے اعتبار سے اپنے زمانہ کے سردار تھے۔“ علم کی ذمہ داری شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے، فرماتے تھے ”میں چاہتا ہوں کہ علم کی ذمہ داری سے برابر سراسر بوجہ برابر ہو جاؤں۔“ معنی کا یہ عالم تھا کہ کبھی سچی یا جھوٹی قسم نہیں کھائی۔

عقیدہ میں تشدد | صحابہ کرام کے پاک اور صاف عقائد کے سختی کے ساتھ پابند تھے اور ان میں مبتدعانہ خیالات کی آمیزش کو پسند نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے فرقہ

تدریجاً ذکر آیا تو فرمانے لگے ”میری عمر اس عقیدہ کی عمر سے زیادہ ہے۔ میں نے دو مخصوص معبد الجہنمی اور سنہویہ کے علاوہ اسلاف میں کسی کو اس کا ذکر کرتے نہیں سنا۔ اس طرح کے خیالات رکھنا شر ہے اور وہ ایسے لوگوں کو سلام تک کرنے کے روادار نہیں تھے۔“

عبادت | اپنے اوقات کے بڑے پابند تھے۔ درس تدریس کے علاوہ جتنا وقت بچتا تھا اس کا بیشتر حصہ عبادت میں گزارتے تھے۔ فجر کی نماز کے بعد قبلہ رو ہو کر بیٹھ جاتے اور ذکر اللہ کرتے رہتے تھے۔ آفتاب کے طلوع ہو جانے پر نماز پڑھتے اور پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ ایک ہفتہ میں قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح ایک دن روزہ رکھتے، اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ جمعہ اور عیدین کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ غسل کر کے بہترین لباس زیب تن فرماتے خوشبو لگاتے، اور نماز جمعہ کے لیے نہ تو بہت پہلے جاتے اور نہ بالکل اخیر میں، بلکہ ہر امر میں اعتدال مرعی رکھتے تھے جامع مسجد کبھی پا پیادہ آتے اور کبھی سواری پر آتے تھے، جمعہ کے فرض مسجد میں پڑھتے تھے۔ اور دنوں و نوافل گھر پر پڑھتے تھے۔ رمضان میں عبادت اور بڑھ جاتی تھی۔ فرض نماز باجماعت پڑھ کر گھر چلے آتے، اور تنہائی میں عبادت کرتے۔ یہ اُن کا معمول تھا جس میں وفات کے وقت تک فرق نہیں آیا۔

اس سے | اس سے منہ میں ایک طرح کی بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اجتناب زیادہ کرتے تھے، اس لیے وہ اس سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ اُن کو اگر

کسی کھانے میں لسن کا اثر بھی محسوس ہو جاتا تھا تو اُس کو نہیں چکھتے تھے۔

جمادنی سہیل اللہ | زہد و عبادت کے ساتھ اُن میں جہاد کا بھی بڑا ولولہ تھا۔ خاص اسی مقصد کے لیے اُنہوں نے ایک اونٹنی پال رکھی تھی۔ علامہ ابن سعد نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُنہوں نے ایک رومی سے جنگ کر کے اُس کو قتل کر دیا تھا۔

احسان بر خفاء | لوگوں پر احسان کرتے تھے، مگر بڑے اخلا کے ساتھ۔

اخلاق | عام لوگوں کے ساتھ بڑی خندہ پیشانی سے ملتے تھے، علم اور بردباری میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کے غلام نے اُن کی ناقہ کے چہرہ پر مار دیا جس سے اُس کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ ابن عون نے ناقہ کو اس حال میں دیکھا تو غلام سے صرف یہ فرمایا ”کیا مارنے کے لیے ناقہ کا صرف چہرہ ہی رہ گیا تھا۔ اللہ تجھ کو برکت دے۔ تو میرے پاس سے چلا جا، جا تو آزاد ہے“

بجارت کا بیان ہے کہ میں نے ابن عون کے ساتھ عرصہ دراز تک مصابحت کی ہے۔ میں نے کسی شخص کو اُن سے زیادہ زبان پر قابو رکھنے والا نہیں دیکھا۔ وہ اپنی لونڈی غلاموں بلکہ مرغی بکری تک کو بڑبھلا نہیں کہتے تھے۔

لونڈی غلام تو پھر بھی اپنے ہی تھے۔ وہ دشمنوں کو بھی بڑا نہیں کہتے تھے ابن عون نے ایک عربی عورت سے شادی کر لی تھی، اس جرم میں بلال ابن بردم نے اُن کو زد و کوب کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود اُنہوں نے بلال کے متعلق کبھی ایک حرف بُرا نہیں کہا۔ ایک مرتبہ بعض لوگوں نے کہا کہ بلال نے آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا،

تو آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی مظلوم ہوتا ہے مگر پھر وہی ظلم کی شکایت کر کے ظالم بن جاتا ہے۔ تم میں سے کوئی بھی بلال کے متعلق اتنا سخت نہیں ہے جتنا کہ میں ہوں لیکن میں اس کے ظلم کی شکایت کر کے ظالم نہیں بنونگا۔

پہلے گزر چکا ہے کہ ابنِ عون حسن بالکل نہیں کھاتے تھے۔ بکار بن محمد کی ایک باندی عینا حضرت ابنِ عون کی خدمت کرتی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا جس میں لسن ڈال دیا۔ حضرت ابنِ عون کے سامنے کھانا آیا تو لسن کی بو سونگھ کر کھانے سے دستکش ہو گئے اور ناگواری طبع کے باوجود اس سے صرف یہ کہا "اللہ تم کو برکت دے، اللہ تم کو برکت دے۔ تم اس کھانے کو میرے پاس سے اٹھا لو" عینا کہتی ہے کہ میں نے کھانا تو اٹھایا مگر ایسا محسوس ہوا کہ گویا میرے بدن میں آگ لگ گئی ہو اور بھاگ کر میں نے سیرین کے گھر میں پناہ لی۔

علاّت | آپ کو ذاتِ نبوی کے ساتھ والہانہ شیفنگی تھی، بڑی آرزو رکھتے تھے کہ ایک مرتبہ خواب میں ہی جمالِ جاں افروز نبوی کے دیدار سے شاد کام ہو جائیں اُن کی یہ تمنا برآئی اور وہ خواب میں دیدارِ جمالِ نبوی سے مشرف ہوئے۔ اس مشرفِ پرلے واردہ ہوئے کہ بالا خانہ سے اتر کر مسجد میں آنا چاہتے تھے کہ گر پڑے۔ پیروں میں چوٹ آئی، مگر آپ نے اس کا علاج نہیں کرایا۔

وفات | آخر کار یہ چوٹ ہی مرضِ الموت کا سبب بن گئی۔ آپ یساری میں نہایت صابر

شاگرد رہتے تھے۔ زیان پر حروف شکایت نہیں لاتے تھے۔ بکار بن محمد کہتے ہیں: ابن عون چواری کی حالت میں شیر سے زیادہ شاگرد رہتے تھے: آخری سانس تک قبلہ رو ہو کر خدا کا ذکر کرتے رہے۔ انجام کار اس قید بہستی سے نجات پائی اور شانہ میں داخل الی اللہ ہو گئے۔

جنازہ | جنازہ اٹھا تو اس شان سے کہ میثار خلقت شریک جنازہ تھی۔ مسجد کا صحن اور اس کی عمارت ناکافی ثابت ہوئی اور محراب میں رکھ کر نماز پڑھائی گئی۔

بارگاہ نبوی | حضرت ابن عون کو ذات نبوی کے ساتھ جو الہامانہ شیفگی تھی اس کی مقبولیت میں مقبولیت کی سند یہ ہے کہ ابن عون کی زندگی میں بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں ”ابن عون کی زیارت کرو“
ترکہ | ترکہ میں نقد روپیہ کچھ نہیں چھوڑا، صرف دو مکان تھے، مرض الموت میں پانچویں حصہ کی وصیت اعزاء کے لیے کر گئے تھے۔ دس ہزار کا قرض چھوڑا تھا، اس کو ادا کرنے کے بعد وصیت پوری کر دی گئی۔

علیہ | خدا نے حین سیرت کے ساتھ حسن صورت بھی دیا تھا۔ پھر مزاج بھی لطیف و نفیس پایا تھا۔ نرم اور باریک کپڑے پہنتے تھے اور خوشبو کا استعمال کثرت سے کرتے تھے۔ پورا لباس پہن کر گھر سے باہر نکلتے تھے۔ ہاتھ دھوتے یا وضو کرتے تو خادم تولیہ پیش کرتا اور آپ اس سے ہاتھ منہ صاف کرتے تھے۔

عمرو بن دینار

نام و نسب | عمرو نام، ابو محمد کنیت۔ باذان کے غلام تھے۔

پیدائش | ۳۶ھ یا ۴۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔

علم و فضل | حضرت عمرو اس عہد کے اکثر دوسرے علما، فضلا کی طرح اگرچہ غلام تھے لیکن اسلام نے غلاموں کو کسب فضل و کمال کے جو مواقع عنایت فرمائے ہیں، حضرت عمرو اس کی ایک روشن مثال تھے۔ اکابر امت اُن کی جلالتِ علم کے مقر ہیں۔ حافظ نبی انہیں الحافظ الامام اور عالم المحرم لکھتے ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں: اُن کی جلالتِ امامت اور ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے وہ ائمہ تابعین میں سے تھے۔

حضرت عمرو بن دینار کا علم نہایت وسیع تھا اور اس کی شہرت دور دور تھی طاؤس نے ایک مرتبہ اپنے صاحبزادے کو ہدایت کی کہ تم جاؤ عمرو بن دینار سے ضرور ملنا اُن کے کان علماء کے لیے خریطہ ہیں (کہ جو سنتے ہیں سب سینہ میں محفوظ کر لیتے ہیں) ابن ہدی کہتے ہیں۔ حضرت شعبہ فرماتے تھے ”میں نے عمرو بن دینار ایسا کوئی نہیں دیکھا“

حدیث | حدیث اُن کا خاص فن تھا۔ علامہ ذہبی انہیں حافظ حدیث تسلیم کرتے ہیں

اور علامہ ابن سعد فرماتے ہیں۔

کان عمرو ثقة ثبتاً کثیر الحدیث عمرو ثقة تھے، ثبت اور کثیر الحدیث تھے۔

صحابہ میں انہوں نے جلیل القدر اساطین اُمت سے فیض حاصل کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمرو بن العاص

ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ، ابوالطفیل، سائب بن یزید رضوان اللہ علیہم اجمعین سے

اور تابعین میں حضرت سعید بن جبیر، سعید بن المسیب، طاؤس بن کيسان، عطاء

بن ابی رباح، سالم بن عبداللہ، مجاہد، محمد بن علی۔ ابن ابی ملیکہ، سلیمان بن یسار

اور امام زہری وغیرہ سے حدیث سنی تھی۔

لہذا جنہوں نے ان سے استفادہ کیا، ان میں زیادہ مشہور اور قابل ذکر یہ ہیں:

ابن جریج، دونوں حماد، سفیان بن عیینہ، سفان ثوری اور ورقاء۔

مردیات مثبت اور ثقاہت کے لحاظ سے ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ مسعر سے کسی

کا پایہ نے ان کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: ثقۃ ثقۃ ثقۃ۔ حضرت شعبہ فرماتے

ہیں ”میں نے ان سے زیادہ صاحبِ مثبت کوئی نہیں دیکھا۔“ سفیان نے ایک مرتبہ

مسعر سے پوچھا ”آپ نے حدیثوں میں سب سے زیادہ متقن کس کو پایا؟“ فرمایا

عمرو بن دینار، اور قاسم بن عبد الرحمن کو۔ ابن عیینہ اور جریر انہیں ثقۃ ثبت صدوق

کثیر الحدیث کہتے تھے۔

حضرت عمرو بن دینار کی ذات مشتاقانِ حدیث کے لیے مرکزِ توجہ تھی۔ لوگ سرور سے پوچھ پوچھ کر اُن کی روایات لکھتے تھے۔ سفیان فرماتے ہیں: ”ایوب مجھ سے پوچھتے تھے کہ عمرو بن دینار نے فلاں شخص سے کیا کیا حدیثیں بیان کی ہیں۔ میں اُن کو بتانے کے بعد پوچھتا: کیا آپ لکھنا چاہتے ہیں؟“ وہ کہتے: ہاں! سفیان فرماتے تھے: ”جو حدیث میں عمرو بن دینار سے سُنا ہوں وہ مجھ کو اُس حدیث سے زیادہ محبوب ہے جس کے میں آدمیوں سے سُناؤں!“

روایت بالمعنی | غایت احتیاط فی النقل کی وجہ سے وہ بنا اوقات روایت بالمعنی کرتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”وكان يحدّث على المعنى“

احتیاط | حضرت عمرو بن دینار خاص خاص تلامذہ کو احادیثِ قلمبند کرنے کی اجازت دیدیتے تھے۔ چنانچہ حضرت سفیان فرماتے ہیں: ”میں نے ایوب کے لیے اطرافِ حدیث لکھی تھیں پھر اُن سے متعلق میں نے عمرو بن دینار سے سوال کیا۔ لیکن روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عام طور پر لکھنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ معمر کہتے ہیں: ”ایک مرتبہ میں نے عمرو بن دینار سے سُنا، فرمایا ہے: ”لوگ ہم سے ہماری روئے دریافت کرتے ہیں، ہم اُن کو بتا دیتے ہیں، اور وہ اُس کو پتھر کی لکیرِ جان کر قلمبند کر لیتے ہیں“ حالانکہ اُن کو ایسا نہیں چاہیے کیونکہ ممکن ہے ہم اُس سے رجوع کر لیں۔ ایک دفعہ کسی نے اُن سے کہا کہ سفیان لکھتے ہیں: ”آپ یسُن کر لیٹ گئے اور رونے لگے۔ اور فرمایا: جو شخص

مجھ سے سن کر لکھتا ہے وہ مجھے تنگی میں مبتلا کرتا ہے۔ سفیان کہتے ہیں "یہ سن کر میں نے وہ بات نہیں لکھی جس کو ہم یاد کر سکتے ہوں۔"

نفس | حدیث کی طرح اُن کو فقہ میں بھی بڑا کمال حاصل تھا۔ علامہ نووی اُن کو محدث اصحاب مذہب میں شمار کرتے ہیں۔ ابن ابی کحج کہتے ہیں "میں نے عمرو بن دینار سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا، نہ طاؤس کو، اور نہ عطاء و مجاہد کو۔ ابن ابی عیینہ فرماتے ہیں

ماکان عندنا افقہ ولا اعلم ہلکے پاس عمرو بن دینار سے بڑا نہ کوئی فقیہ تھا

ولا احفظ من عمرو بن دینار تھے نہ عالم اور نہ زیادہ حفظ حدیث والا۔

مرکز علم مکہ کے مفتی تھے، لیکن اس کمال فقہ کے باوجود فتویٰ دینے میں بڑی احتیاط کرتے تھے۔ کسی مسئلہ میں اگر انہیں ذرا بھی شک ہوتا تھا تو اُس کے متعلق لب کشائی کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کسی چیز کی نسبت کوئی سوال کیا، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سائل بولا "میرے دل میں اس مسئلہ کے بارہ میں چند شبہات ہیں" آپ نے فرمایا "بخدا تمہارے دل میں ابوقیس رہپاٹ کی مانند کسی شک کا ہونا مجھ کو زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میرے دل میں بال برابر بھی شک ہو دینی مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے۔"

عبادت | علم و فضل میں نمایاں مقام رکھنے کے ساتھ بڑے عبادت گزار بھی تھے۔ وہ رات

۱۔ ابن سعد ج ۵ ص ۳۵۳ سے تہذیب الاسماء واللقاب ج ۲ تم اول ص ۲۷ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۷

۲۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۰ ۳۔ ابن سعد ج ۵ ص ۳۵۳۔

کے ایک حصہ میں سوتے تھے، ایک تہائی شب درسِ حدیث میں بسر کرتے تھے اور ایک تہائی رات نماز پڑھتے رہتے تھے۔

جامعہ نمازِ جماعت کے بڑے پابند تھے، یہاں تک کہ بڑھاپے میں جبکہ نہایت درجہ کی پابندی ضعف و نقاہت کی وجہ سے اپنا جمع ہو گئے تھے، گدھے پر سوار ہو کر مسجد جاتے تھے جو ان کے مکان سے کافی فاصلہ پر تھی۔ پھر گدھے پر بھی خود سوار نہیں ہو سکتے تھے بلکہ ان کا کوئی خادم یا شاگرد سوار کرتا تھا۔ سفیان کا بیان ہے کہ عمرو بن دینار کسی حالت میں بھی مسجد میں آنا ترک نہیں کرتے تھے۔ ان کو گدھے پر سوار کر کے لیجا جاتا تھا اس وقت میں کسی کی وجہ سے انہیں اٹھا نہیں سکتا تھا۔ پھر میں بڑا ہو کر ان کے اٹھانے پر قادر ہو گیا، ان کا گھر مسجد سے دور تھا۔

خلوص و لئیت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی مذہبی و علمی خدمات پر کسی قسم کا کوئی معاوضہ لئیت یا وظیفہ لینا گوارا نہیں کرتے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں "ایک مرتبہ ابن ہشام نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کا وظیفہ جاری کیے دیتا ہوں آپ اطمینان سے گھر بیٹھے ہوئے فتویٰ دیتے رہیے۔ میں نے کہا "کہ میں ایسا نہیں چاہتا۔ چنانچہ وہ اخیر دم تک دیونہی بلا معاوضہ خدمات انجام دیتے رہے۔"

سادگی مزاج میں سجد سادگی تھی، کبر سن کے باعث سراور دار صحنی کے بال سفید ہو گئے تھے لیکن آپ نے خضاب لگانا پسند نہیں کیا۔

وفات | ۱۲۶ھ میں وفات پائی، آپ کے بعد افتاء کی خدمت عبداللہ بن ابی نجیح کے سپرد ہو گئی۔ اس وقت آپ کی عمر اسی برس کی تھی۔

سلیمان بن طسرخان تیمی

نام و نسب | سلیمان نام، ابو معمر کنیت۔ نپاڑی تھے، بنو تمیم میں بلسلہ غلامی سکونت اختیار کر لی تھی۔ اسی وجہ سے حافظ ذہبی انہیں مولانا البصری، اور ابن عماد حنبلی انہیں التیمی القیسیؒ کہنے کے بعد مولانا کہتے ہیں۔

علم و فضل | علم و کمال کے اعتبار سے وہ بصرہ کے علماء راہِ علم میں سے تھے۔ حافظ ذہبی اور ابن عماد حنبلی انہیں حافظ، امام، اور شیخ الاسلام کہتے ہیں۔

حدیث | کے ممتاز حافظ تھے۔ ابن سعد فرماتے ہیں۔ ”وکان ثقة کثیر الحدیث اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ حدیث ان کے حفظ و اتقان کے معترف ہیں حضرت سفیان فرماتے تھے۔ بصرہ کے حفاظ تین ہیں۔ سلیمان التیمی، عاصم الاحول، داؤد بن ابی ہند۔“

شیوخ | صحابہ کرام میں انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ اور تابعین میں حسن بصریؒ ابو عثمان، طاؤس، انس، قتادہ، اور ابو اسحاق سبیعی سے استفادہ کیا تھا۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۱۰۷، ابن سعد ج ۲، ص ۳۵۴۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۱۰۷ و ۱۰۸، تذکرات اللہ ج ۱، ص ۱۲۱

تلامذہ | ان کے شاگردوں کا حلقہ وسیع تھا، ممتاز تلامذہ یہ ہیں :- شعبہ، سفیان ثوری،

سفیان بن عیینہ، ابن المبارک، یزید بن ہارون اور ہودہ بن خلیفہ۔ ابن علیہ، ابراہیم

بن سعد، جریر وغیرہم

مرویات | ثقاہت کے اعتبار سے وہ مسلم تھے، شعبہ کا بیان ہے کہ میں نے سلیمان سے

کا ہائے زیادہ کوئی سچا نہیں دیکھا، وہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث

بیان کرتے تھے تو اُن کا رنگ بدل جاتا تھا

حافظ ذہبی نے اُن کی مرویات کی تعداد دو سو بتائی ہے۔

عبادت و | حضرت سلیمان کا اصل طفرائے امتیاز عبادت و ریاضت تھا، علامہ ابن سعد لکھتے

ریاضت | ہیں و کان من العباد المجتہدین ابن عساکر منبلی لکھتے ہیں۔

وکان عابداً صواماً قانتاً سلیمان عابد، صائم النهار، خدا کے مطیع و فرمانبردار
للہ فواماً لکھتے ہیں اور قائم الیل تھے۔

رات رات بھر نماز پڑھتے بہتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ صبح کی نماز آتے

کے دنوں سے ہی پڑھتے تھے۔ اُن کے صاحبزادے معتمر اور وہ خود رات میں مسجدوں

کا چکر لگا کر کبھی نماز کسی مسجد میں پڑھتے اور کبھی کسی مسجد میں پڑھتے تھے۔ صبح تک یہی

کہتے بہتے تھے یہ

سعید بن عامر الضبی کا بیان ہے کہ ہر سجدہ میں ستر مرتبہ تسبیح پڑھتے تھے۔ ایک تہ

لہ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۲ لہ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۲۔ لہ شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۱۲

لہ ابن سعد ج ۱، ق ۲ ص ۱۸۔

ہے کہ عصر سے مغرب تک تسبیح پڑھتے رہتے تھے، غار کے علاوہ روزوں کا بھی حال یہی تھا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ روزہ رکھتے تھے، اور بعض سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے تھے۔

صدقہ خیرات | صدقہ خیرات کثرت سے کرتے تھے۔ جریر کہتے ہیں ”سلیمان پر کوئی نعت ایسی نہیں آتی تھی کہ وہ اُس میں خیر خیرات نہ کرتے ہوں۔ اگر صدقہ کرنے کو کچھ نہیں ہوتا تھا تو دو رکعت نماز ہی پڑھ لیتے تھے و غرض کہ وہ خدا کی اطاعت اور بندگی سے کسی دقت بھی خالی نہیں ہوتے تھے۔ حماد بن سلمہ کا بیان ہے کہ جب کبھی بھی سلیمان کے پاس ایسے وقت آتے جبکہ خدا کی عبادت کی جاسکتی، تو ہم انہیں خدا کی عبادت کرتے ہوئے ہی پاتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اُن میں مصیبت کا مادہ ہی نہیں ہے۔ مواخذہ کا ڈر | اس قدر زہد و عبادت کے باوجود مواخذہ اخوت سے ہمیشہ خائف رہتے تھے۔ اُن سے کسی نے کہا ”سلیمان! آپ تو آپ ہی ہیں۔ آپ کے مثل کون ہوگا؟“ بولے ”ایسا نہ کہو، مجھ کو نہیں معلوم میرے رب کی طرف سے آئندہ کیا پیش آنے والا ہے۔ اُس نے خود فرمایا ہے۔ **بدا لہم من اللہ ما لہم یکنوا یحسبون**“ اللہ کی طرف سے اُن کے لیے وہ بات ظاہر ہوگی جس کا انہیں گمان بھی نہیں ہوگا۔

قدیر کو نصرت | المحب فی اللہ والبعض فی اللہ اُن کا شعار تھا۔ اس بنا پر قدر یہ فرقہ سے بہت بغض رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ بیماری کی حالت میں رونے لگے کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا:-

”ایک دفعہ میں نے ایک قدری کے پاس سے گزرتے ہوئے اُسے سلام کر لیا تھا۔ اب بڑتا ہوں کہ کہیں اس پر مواخذہ نہ ہو۔“ حضرت سلیمان کا یہ عام قاعدہ تھا کہ کوئی شخص اُن کے پاس حدیث سننے کے لیے آتا تو وہ پہلے اُس کا امتحان لیتے، اُس سے دریافت فرماتے کہ کیا زنا کا فعل بہ تقدیر الہی ہے؟ ”وہ کہتا ہاں“ پھر آپ اُس سے اس قسم لیتے اور اگر وہ قسم کھا لیتا تو آپ اُسے پانچ احادیث سناتے تھے۔

نکتہ قدری ہر زمانہ میں ایسے افراد رہے ہیں جو مذہب کے معاملہ میں خصوصاً سہولت پسندی سے کام لیتے ہیں۔ وہ کسی خاص امام کی تقلید یا کسی خالص عالم کے مسلک کی پیروی پسند نہیں کرتے۔ بلکہ جس امام کے مسلک میں انہیں جوابات آسان معلوم ہوتی ہے، اُسے اختیار کر لیتے ہیں اور دل کی تسلی کے لیے عذریہ کر دیتے ہیں کہ ہر امام جہت ہے۔ اس طرح کے سہولت پسند افراد سے متعلق حضرت سلیمان الیمینی نے کیا عجیب دیدہ و راز بات کہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”اگر تم ہر عالم کی رخصت یا اُس کی لعزش کو اختیار کرنے لگو گے تو تم میں تمام شرعی شر پیدا ہو جائیگا۔“

وفات | ماہ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ میں وفات پائی اُس وقت ستاون سال کی عمر تھی۔

۱۔ صدقہ و خیرات کے عنوان سے یہاں تک کی سب معلومات تذکرۃ المحفاظ ج ۱ ص ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴

حسن بصریؒ

نام و نسب | حسن نام، ابو سعید کنیت، والد کا نام یسار تھا۔

غلامی | ان کے والدین غلام تھے، اس بارہ میں روایتیں مختلف ہیں۔ ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد میسان کے قیدیوں میں سے تھے۔ ربیع بنت نضر نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا، دوسری روایت میں یہ ہے کہ ان کے والدین ایک انصاری کی غلامی میں تھے، انہوں نے بیوی کے ہمراہ بنو سلمہ کو دیدیا تھا جنہوں نے ان کو آزاد کر دیا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد زید بن ثابت کے غلام تھے اور ان کی والدہ حبن کا نام خیرہ تھا ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی کنیز تھیں۔ اور واقعات مابعد سے معلوم ہو گا کہ یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

ولادت | ۲۲ھ میں یعنی حضرت عمرؓ کی شہادت سے تقریباً دو سال پہلے مدینہ میں پیدا ہوئے اور بچپن | جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے ان کی والدہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی کنیز تھیں اس تقریب سے حضرت حسن کو ام سلمہؓ کے گھر میں تربیت پانے کا موقع ملا۔ ان کی والدہ کسی کام سے باہر چلی جاتیں یا گھر میں ہی کسی کام میں مشغول ہوتی تھیں تو حضرت ام سلمہؓ

۱۔ ابن سعد، ق ۲ ص ۱۱۰۔ ۲۔ حضرت حسن بصریؒ کی صبح ۲۲ ریح ولادت کوئی نہیں لکھا صرف اتنا لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے ختم ہونے میں دو سال کی مدت باقی تھی کہ حضرت حسن پیدا ہوئے۔ پھر حافظ ذہبی وغیرہ نے یہ بھی لکھا کہ ۲۲ھ میں حسن بصریؒ کا انتقال ہوا تو ان کی عمر اس وقت اسی سال کی تھی اب اس میں اشکال یہ کہ ۱۱۰ھ میں وہ مگھنادے جاتے تھے تو ۲۲ھ لکھا ہے۔ اور حضرت عمرؓ کی وفات ذی الحجہ ۲۳ھ میں ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے صرف ایک سال کا فرق رہتا ہے اس

حضرت حسن کو دودھ پلا دیتی تھیں بے شبہ یہ اتنا بڑا شرف ہے کہ کسی خوش نصیب کو ہی مل سکتا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں "حضرت حسن میں جو غیر معمولی فصاحت اور کشش پائی جاتی تھیں یہ سب اسی مقدس شیرخوارگی کے طفیل میں تھیں۔"

حضرت ام سلمہؓ کے تعلق سے حسن کو دوسری ازواج مطہرات کے گھروں میں بھی آنے جانے کا موقع ملتا تھا، خود ان کا بیان ہے کہ حضرت عثمان کے عہد خلافت تک جبکہ ان کی عمر تیرہ سال کی تھی وہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں بے تکلف آتے جاتے تھے۔

علم فضل حسن ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جبکہ صحابہ کرام کی بڑی تعداد بقیہ حیات تھی، پھر ان کی تربیت بھی ایسے مقام پر ہوئی تھی، جہاں دن رات علم و دین کے چرچے رہتے تھے اور خود ان کے اندر فطری استعداد و صلاحیت تھی نتیجہ یہ ہوا کہ علم و عمل، فضل و کمال، زہد و اتقا، اور تمام اخلاقی و روحانی کمالات، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے ان کا دامن پُر نہ ہو۔ علامہ ابن سعد نے ان کے تمام اوصاف ایک سطر میں جمع کر دیے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

كَانَ عَالِمًا رَافِعًا ثَقَفًا حَجَّتْهُ أُمُوتًا
عَابِلًا نَاسِكًا كَثِيرَ الْعِلْمِ فَصِيحًا
يُكْثِلُ عِبَادَتَ اللَّهِ وَافْرًا عِلْمٍ فَصِيحًا

(ترجمہ مفہوم)، کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہو کہ حضرت عمر کی شہادت کے لئے انہی کے اہل بیت میں ہوئی تھی اور حضرت حسن ابی طالب کے اہل بیت میں پیدا ہوئے ہونگے۔ تھوڑے دنوں کا فرق ایسا کچھ زیادہ اہم نہیں ہے۔ تقریباً دو برس کو روکا جانے والا

برس سے تعبیر کر دیا۔ لے تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۱۶۱۔

جمیلاً و سیمائے خوبصورت، اور خوش رو تھے۔

حافظ وہی فرماتے ہیں۔

حافظ علامۃ من مجر العلم فقیہ حسن حافظ، علامہ، علم کا سمندر نفس کے

النفس کبیر الشان عدیم النظیر فقیہ، بڑے شان والے، بے نظیر، پسندیدہ

ملیح التذکر بلیغ الموعظة وعظ کئے والے خوب نصیحت کرنے والے

راسخ فی انواع النجیر لہ تمام انواع خیریں سردار تھے۔

تفسیر | تفسیر کی تعلیم انہوں نے بڑی محنت اور شوق سے حاصل کی تھی۔ ابو بکر المذکی بیان کرتے ہیں "ایک دن مجھ سے سفاح نے دریافت کیا کہ تمہارے حسن اس بلند مرتبہ کو کس طرح پہنچ گئے؟ میں نے کہا "انہوں نے بارہ برس کی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اس کے بعد وہ جب تک ایک سورۃ کی تفسیر و تاویل اور اس کی شان نزول معلوم نہیں کر لیتے تھے دوسری سورت نہیں پڑھتے تھے یہ

حدیث | حدیث کی سماعت انہوں نے ان اساطین امت سے کی تھی جو مدینہ میں اس فن کے مرجع خلائق ہزرگ تھے۔ صحابہ میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عمران بن حصینؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت معاویہؓ، انسؓ، جابرؓ ان کے شیوخ تھے۔

بعض لوگوں کو حضرت حسن بصریؒ پر یہ اعتراض تھا کہ وہ تدلیس کرتے ہیں یعنی اپنے

اصل شیخ کا نام نہیں لیتے اور حدیث کو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں لیکن اُس کی وجہ جیسا کہ وہ خوب بیان کرتے ہیں یہ تھی کہ اُن کے عہد میں حجاج کو مظالم اور اس کی سفاکیوں کا بڑا چرچا تھا، حضرت حسنؑ فرماتے ہیں ”میں جس کسی حدیث میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کہتا ہوں، سمجھ لو کہ وہ میں نے حضرت علیؑ سے سنی ہے لیکن (حجاج کی وجہ سے) میں ایک ایسے زمانہ میں ہوں کہ حضرت علیؑ کا نام نہیں لے سکتا۔“ غالباً حضرت حسنؑ سے استفادہ کرنے والے اس راز کو جانتے تھے اور وہ اُن کے ایسا کرنے پر پوچھ گچھ نہیں کرتے تھے۔ یونس بن عبید نے اُن سے ایسا سوال کیا تو فرمایا ”اے میرے بھتیجے آج تم نے مجھ سے ایک ایسی بات دریافت کی ہے جو آج تک کسی نے دریافت نہ کی تھی اور اگر تمہاری منزلت میرے دل میں نہ ہوتی تو میں اس مجید کو تم سے بھی بیان نہ کرتا۔“

اکابر علماء ہر حال وہ بڑے بڑے علماء و عصر کے نزدیک معتبر اور ثقہ تھے۔ اور وہ اُن سے حدیث کی لئے سنتے تھے۔ انس بن مالکؓ کہا کرتے تھے ”حسنؑ سے دریافت کرو، اُن کو سب کچھ محفوظ ہے اور ہم تو بھول گئے۔“ حاصم الاحولؓ کا بیان ہے ”میں نے شعبیؓ سے کہا کہ میں بصرہ جا رہا ہوں، آپ کو دہاں کا کوئی کام ہو تو بتائیے“ بولے ”تم بصرہ پہنچو تو حسنؑ کو میری طرف سے سلام کہنا“ میں نے کہا ”میں تو اُن کو پہچانتا نہیں ہوں“ فرمایا ”تم بصرہ میں داخل ہو تو دیکھنا وہاں سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش رو اور پُر عیب کون ہے بس وہی حسنؑ ہوں گے۔ تم اُن سے میرا سلام کہہ دینا۔“ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں بصرہ کی مسجد میں

داخل ہوا تو حضرت حسن کو دیکھا وہاں تشریف رکھتے ہیں اور لوگوں کا ایک جم غفیر اُن کے ارد گرد بیٹھا ہوا ہے۔ سلیمان النبی کہتے تھے ”حسن شیخ بصرہ ہیں“ مطر الوراق کا قول تھا کہ ”عجاہ بن زید اہل بصرہ میں سب سے بڑے بزرگ مانے جاتے تھے، پھر جب حسن آئے تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ آخرت میں ہیں اور وہاں کی چیزوں کو دیکھ دیکھ کر اُن کے متعلق خبریں دے رہے ہیں شہ عطار بن ابی رباح خود حلیل القدر محدث ہیں وہ فرماتے تھے ”تم اس شخص (حسن) کی طرف رجوع کیا کرو، وہ بہت بڑے عالم، امام، اور مقتدا ہیں۔“

تلاذہ العلم بفضل کی اس عام شہرت کی وجہ سے اُن کے تلامذہ کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔ ایوب، قتادہ، بکر بن عبداللہ مفرنی، عطار بن السائب، یونس بن عبید، منصور بن زاذان، مجاہد، عطار بن ابی رباح، طاؤس بن کيسان۔

فتاویٰ تفسیر و حدیث کے علاوہ وہ فقہ کے بھی بڑے وسیع النظر امام تھے اور بصرہ کے مفتی بھی تھے۔ قتادہ کا بیان ہے ”میں جس کسی فقیہ کے پاس بیٹھا میں نے دیکھا کہ وہ بھی حضرت حسن کے فضل و کرم کا مہر ہوں ہے۔“ ایوب کہتے تھے ”میں نے حسن سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔“ بکر المزینی کہتے ہیں ”جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ ہمارے زائد کے سب سے بڑے عالم کو دیکھے اُس کو چاہیے کہ حسن کو دیکھے، کیونکہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو اُن سے بڑا عالم ہو۔“ حماد بن سلمہ یونس بن عبید اور حمید الطویل سے نقل کرتے ہیں کہ ہم نے فقہا کو دیکھا لیکن حسن سے زیادہ کسی

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۳ و ۲۶۵ ۲۔ ابن سعد، ق ۲ ص ۲۷۰ تذکرہ حسن بن علی

۳۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۳

کو مروت میں کامل نہیں پایا۔

دستِ علم | ان علوم و فنون نے اُن کو فضل و کمال اور حکمت و ادب کا دریائے بے کنار بنادیا
حسکت | تھا۔ ربیع بن انس سے منقول ہے، کہتے تھے۔

اختلفت الی المحسن عشر سنین میں حضرت حسن کے پاس دس برس یا اس سے
او ما شاء الله فلیس من یوم الا کم بیش آج آثار بائین مجھ کو کوئی دن ایسا نہیں ملتا
اسم منہ ما لہ اسم قبل ذلک جس میں میں نے یہی بات سنی پھر میں اس پر پہلے
عش کہتے ہیں "حسن حکمت کی باتیں خوب یاد کرتے تھے۔ پھر وہ اُن کا اظہار کر ڈالتے
تھے حضرت ابو جعفر باقر کے سامنے جب کبھی حسن کا ذکر آتا تھا تو وہ فرماتے تھے: "والله لانی
یشبہ کلامہ کلام الانبیاء" (یہ تو وہ ہیں جن کا کلام انبیاء کے کلام کے مشابہ ہوتا ہے)۔
نصاحت | گفتار، علمی مہارت و کمال کے علاوہ قدرت نے اُن کو فصاحت و بلاغت کا ایسا
جلافت | ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اس وصف میں وہ سب سے ممتاز تھے۔ ابن جان کہتے ہیں "حضرت
حسن بصرہ کے سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے۔ علامہ ابن سعد اور حافظ ذہبی دونوں اُن کی فصاحت
کو تسلیم کرتے ہیں۔ ابن عون کہتے ہیں "میں حضرت حسن کے لہجہ کو ربیع بن العجلج کے لہجہ کو تشبیہ
دیتا ہوں تعیہ ابو عمرو بن العلاء کہتے ہیں "میں نے حجاج اور حسن سے زیادہ فصیح اور ربیع اور عجاج
سے بڑا شاعر کوئی نہیں دیکھا۔"

امرا المعروف و بنی عن الشکر ایک مسلمان کے لیے سب سے زیادہ کٹھن اور دشوار مرحلہ امرا المعروف اور

نہی عن المنکر کہے۔ قدرت نے حضرت حسن کو جس بیدار قوتِ عمل کی دولت سے نوازا تھا
 اُس کی وجہ سے وہ بڑے بڑے اربابِ صولت و صیبت کی پروا نہ کرتے تھے اور جو امر حق تھا
 تھا اُس کو ظاہر کیے بغیر نہ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں لکھا کہ
 ”مجھ پر خلافت کا بار ڈال دیا گیا ہے، آپ ایسے لوگ تلاش کیجیے جو اس معاملہ میں میری
 امداد کریں“ حضرت حسن نے جواب دیا ”لوگ دو ہی قسم کے ہیں، انبارِ دنیا تو آپ کو اُن
 کی ضرورت نہیں ہے۔ اور انبارِ آخرت، تو وہ اس چیز کو پسند نہیں کرتے پس بہتر یہی ہے
 کہ آپ خدا سے مدد طلب کریں۔ ابنِ ہبیرہ کو یزید بن عبدالملک نے عراق و خراسان کی گورنری
 پر مامور کیا تو اُس نے حضرت حسن، ابنِ سیرین اور شبی کو بلا کر کہا کہ خلیفہ نے مجھ کو فلاں معاملہ
 کی نسبت ایسا ایسا لکھا ہے اور میرا فرض ہے کہ اُس کے مطابق عمل کروں۔ اس پر ابنِ
 سیرین اور شبی نے ایک ایسی بات کہی جس میں کچھ تو یہ پایا جاتا تھا۔ پھر حسن بصری کی بارگاہِ
 آئی تو انہوں نے صاف صاف کہا ”ابو ہبیرہ! تو یزید کے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو اور
 اس کے برعکس اللہ کے معاملہ میں یزید سے مت ڈر کیونکہ اللہ زیادہ طاقتور ہے وہ تجھ کو
 یزید کے شر سے بچا سکتا ہے، لیکن یزید تجھ کو اللہ کے شر سے نہیں بچا سکتا۔ اللہ میں یہ قدرت
 ہے کہ وہ تیرے پاس ایک فرشتہ بھیج دے جو تجھ کو تیرے تخت سے اتار دے اور تیرے
 وسیع محل میں سے نکال کر تنگائے قبر میں پہنچا دے۔ اُس وقت سوائے تیرے غسل کے
 کوئی چیز تیرے کام نہیں آئیگی، تو خدا کی معصیت کرنے سے بچ، کیونکہ اللہ نے اس حکومت
 کو بندگانِ خدا اور دین کا مددگار بنایا ہے تو اس کو دین اور بندگانِ خدا کے خلاف استعمال

منت کر، کیونکہ خدا کی معصیت میں کسی بندہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ناجائز اور حرام ہے۔
 ابو بکر المذلی کہتے ہیں ”حضرت حسنؓ نے کوئی درہم کسی تجارت میں نہیں لگایا کبھی
 کوئی عہدہ سرکاری حاصل نہیں کیا اور وہ جس کسی چیز کا امر کرتے تھے پہلے اُسے خود کرتے
 تھے۔ اسی طرح کسی چیز کے ترک کا حکم کرتے تو پہلے اُسے خود ترک کر دیتے تھے“

علم باطن | حضرت حسنؓ علوم ظاہریہ کے علاوہ علم باطن کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔ چنانچہ
 تمام بڑے بڑے ارباب تصوف نے آپ کا نام حلی عنوان سے لکھا ہے اور سب کے نزدیک
 یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ سلسلہ تصوف کے شیخ الشیوخ ہیں۔

خوب خدا | تصوف میں اصل احسان یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حضور کا تصور
 ہر وقت رہے۔ حضرت حسنؓ بصریؒ پر کیفیت بہت غالب تھی، وہ اللہ تعالیٰ کی جلالت
 شان سے ہر وقت خائف اور ترساں رہتے تھے۔ یونس بن عبید سے کسی نے دریافت
 کیا ”آپ کوئی ایسا شخص بھی جانتے ہیں جو حسنؓ کی طرح عمل کرتا ہو؟“ کہنے لگے ”عمل کرنا تو بہت
 دشوار ہے میں نے تو کوئی ایسا شخص بھی نہیں دیکھا جو ان کے قول کی طرح اقوال کہتا ہی ہو“
 اس کے بعد انہوں نے حضرت حسنؓ کی توصیف کرتے ہوئے بیان کیا ”وہ جب آتے
 تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے کسی دوست کو دفن کر کے آرہے ہیں، اور جب بیٹھتے تھے
 تو اس قدر اُداس ہوتے تھے کہ گویا وہ ایک قیدی ہیں جس کے قتل کا حکم دیا جا چکا ہے،
 اور جب ان کے سامنے دوزخ کا ذکر کیا جاتا تو ان پر ایسی دہشت طاری ہو جاتی تھی کہ

اگر گویا دونوں ان کے سوا کسی اور کے لیے پیدا ہی نہیں کی گئی تھے

وفات | سال ۱۱۸۰ میں بصرہ میں وفات پائی وفات سے چند روز قبل ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک پرندہ نے مسجد کی ایک کنگڑی اٹھالی اس نے حضرت ابن سیرین سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا ”اگر تمہارا یہ خواب سچ ہے تو حسن بصری کا انتقال ہو جائیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس خواب کے تھوڑے ہی دنوں بعد حسن بصری وفات پا گئے۔ جنازہ اٹھا تو اس میں اس کثرت سے لوگ شریک تھے کہ جامع بصرہ میں عصر کی نماز کے لیے ایک متنفس بھی نہیں تھا۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں ”آغاز اسلام سے اب تک کی تاریخ بصرہ میں یہ سب سے پہلا اتفاق تھا۔“

محمد بن سیرین

نام و نسب | محمد نام، ابو بکر کنیت، والد کا نام سیرین تھا جو جرجا یا (عراق) کے باشندے تھے اور عین الہتم میں ٹھہرے کا کام کرتے تھے، اسی عین الہتم کے معرکہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ گرفتار ہوئے اور کسی کو تقسیم کر دیے گئے۔ بعد میں وہ انس بن مالکؓ کی غلامی میں آ گئے تھے جنہوں نے بیس ہزار درہم پر مکاتبت کر کے انہیں آزاد کر دیا۔

ابن سیرین کی والدہ صفیہ حضرت ابو بکرؓ کی باندی تھیں لیکن وہ اس شان کی تھیں

لے شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۸ ۲۱۱ یعنی ۲۱۱ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۵۳۔

کہ جب اُن کے نکاح کا وقت آیا تو تین ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے اُن کی مشاطگی کا کام انجام دیا اور اٹھارہ بدری صحابہ کرام جن میں ابی بن کعب بھی تھے نکاح کی تقریب میں شامل ہوئے، آراستگی کے بعد اہمات المؤمنین نے حضرت صفیہ کے لیے دعا مانگی اور مردانہ مجلس میں حضرت ابی دعا مانگتے جلتے اور دوسرے صحابہ آمین کہتے جلتے تھے۔

ولادت | سیرین کثیر الاولاد تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ صرف اہمات الاولاد کے بطن سے اُن کے تین لڑکے تھے لیکن محمد حضرت صفیہ کے بطن سے تھے ۳۳ سنہ میں جبکہ حضرت عثمان کی خلافت ختم ہونے میں دو سال باقی تھے آپ پیدا ہوئے۔

علم و فضل | محمد ابن سیرین فارس میں مدت تک حضرت انس بن مالک کے ساتھ کاتب کی حیثیت سے رہے تھے اور اس تقریب سے اُن کو حضرت انس سے علمی استفادہ کا بہت کافی موقع ملا تھا۔ ان کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ اور عمران بن حصینؓ ایسے جلیل القدر صحابہ کے فیضِ صحبت سے مشرف ہوئے تھے۔ ان بزرگوں کی توجہ اور خود ابن سیرین کے ذاتی شوق کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علم کے پکیر ہو گئے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں :-

وكان فقيهاً اماماً عزيزاً العلم ابن سیرین فقیہ، امام، وافر علم، مستند ثابت فی
ثقة ثباتاً علامةً في التعبير اماماً الحديث، تیسیر میں علامہ، زہد و تقویٰ کے امام
فی الوریثہ۔ تھے۔

علامہ ابن سعد فرماتے ہیں "ابن سیرین ثقہ، مامون بلند مرتبہ، عالی شان فقیہ اور امام کثیر

العلم اور متقی تھے۔

تفسیر اور تمام اسلامی علوم میں کیاں کمال رکھتے تھے چنانچہ وہ تفسیر کے بھی امام تھے علامہ
نوری انہیں "الامام فی التفسیر الحدیث والفقه وعبر الویاء والمقدم فی الزہد والورع"
لکھتے ہیں۔

حدیث جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ابن سیرین حضرت انس بن مالک کے خاص تربیت یافتہ اور
حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ و ابن عباسؓ کے فیض محبت پائے ہوئے تھے اور ان
بزرگوں کے علاوہ انہوں نے دوسرے جملہ صحابہ سے حدیث کی روایت کی ہے جن میں
سے بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ زید بن ثابت، حذیفہ بن یمان، حسن بن علی، رافع بن خدیج
سلیمان بن عامر، سمرقہ بن جذب، ابوالدرداء، معاویہ، ابوسعید خدری رضوان اللہ علیہم
اجمعین۔ صحابہ کے علاوہ جن غیر صحابہ علماء حدیث سے انہوں نے روایت کی ہے ان
میں مشہور یہ ہیں: عکرمہ، شریح، عبدالرحمن بن ابی بکر، قیس بن عباد، مسلم بن یسار وغیرہ۔
ان اکابر امت کے فیض نے ابن سیرین کو علم حدیث کا امام بنا دیا تھا۔

ثقاہت ثقاہت میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ ہشام بن حسان نے محمد بن سیرین سے ایک
روایت نقل کی تو کہا "مجھ سے یہ روایت اس شخص نے بیان کی ہے جو ان تمام انسانوں
میں سب سے زیادہ سچا ہے، جن کو میں نے پایا ہے" ابن بدینی کہتے تھے "حضرت ابو ہریرہؓ
کے اہل شاگرد تھے ہیں۔ ابن المسیب، ابولہ، الاعرج، ابوصالح، ابن سیرین، طاووس، امام

احمد بن حنبل اور یحییٰ بن عیینہ انہیں فقہ کہتے ہیں۔ ابن عون کا مقولہ ہے ”میں نے دنیا میں تین ایسے آدمی نہیں دیکھے، عراق میں محمد بن سیرین، حجاز میں قاسم بن محمد، شام میں رجا، بن حیوۃ۔ اور ان تینوں میں محمد بن سیرین جیسا کوئی نہیں تھا۔ امام شعبی تلامذہ کو ہدایت کرتے تھے کہ ابن سیرین کے حوالہ علم سے فائدہ اٹھائیں۔ علی بن مدینی، عمرو بن علی وغیرہ کہتے تھے اصح الاسانید محمد بن سیرین عن عبیدۃ عن علیؓ ہے۔

احتیاط اس وسعت علم اور ثقاہت کے باوجود روایت کرنے میں نہایت احتیاط کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ روایت کے صرف معافی نقل کر دینے کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ بالفاظ رواایت کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ ابن عون کہتے ہیں کان ابن سیرین یحدث بالحديث علی حروفہ۔ اس احتیاط کی وجہ سے معمولی مرتبہ کے لوگوں سے علم اور حدیث کا اخذ کرنا نامناسب سمجھتے تھے، چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے ”علم دین ہے۔ اس کو حاصل کرنے سے قبل اس شخص کو خوب اچھی طرح پرکھ لو جس سے اُس کو حاصل کرنا چاہتے ہو۔“

فقہ فقہ میں بھی اُن کو کمال حاصل تھا۔ علامہ ابن سعد، حافظ ذہبی۔ امام نووی، حافظ ابن حجر انہیں فقیہ تسلیم کرتے ہیں۔ مودق اہلبی کہتے ہیں ”میں نے ابن سیرین سے زیادہ کوئی پاکباز فقیہ نہیں دیکھا۔“ ابن جان انہیں فقیہ فاضل بتاتے ہیں۔ علامہ خطیب بغدادی

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۵-۲۱۶ ۲۔ ایضاً ۳۔ تہذیب الاسما ج ۱ ص ۸۳

۴۔ تہذیب الاسما ج ۱ ص ۸۳ ۵۔ ابن سعد ج ۲ ق ۱ ص ۱۳۱

۶۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۳ ۷۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۶

لکھتے ہیں: "وكان محمدٌ أحد الفقهاء من أهل بصرة والمذکورین بالودع فی وقتہ"۔
لیکن احتیاط کی شدت کا یہ عالم تھا کہ جن امور میں ذرا سا شبہ بھی ہوتا تھا اس کے
معلق فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ کوئی شخص ان سے فقہ کا مسئلہ پوچھتا تو ان کا رنگ یکایک
متغیر ہو جاتا اور حالت دگرگوں ہو جاتی تھی۔

قضا میں ہمارے اہل حق کی کمال کی وجہ سے ان کو قضا میں بڑی مہارت تھی۔ عثمان لہتی کا قول
ہے "اس نواح میں محمد بن سیرین سے بڑا کوئی ماہر قضا نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود عہد
قضا سے گھبراتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کو یہ عہدہ پیش کیا گیا تو شام بھاگ گئے اور وہاں سے
مدینہ پہنچ گئے۔"

زہد و دوع | ان علمی کمالات کے ساتھ ان میں زہد و دوع بھی حد سے زیادہ تھا۔ ابن سیرین
کسب معاش کے لیے تجارت کرتے تھے۔ لیکن انہیں اس میں کچھ شک ہو گیا تو اسے بھی
چھوڑ دیا۔ اتفاقاً کا یہ عالم تھا کہ وہ خود فرماتے ہیں "خواب میں اور بیداری میں میں ام عبد اللہ
یعنی اپنی بیوی کے سوا کسی عورت کے پاس نہیں آیا۔" پھر فرماتے ہیں "خواب میں اگر کوئی
اجنبی عورت دیکھتا ہوں تو فوراً خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ عورت میرے لیے حلال نہیں ہے
اس خیال کے آتے ہی میں فوراً اپنی نگاہ پھیر لیتا ہوں۔"

الی نقصان | غایت احتیاط کے باعث انہیں بعض اوقات شدید مالی نقصانات برداشت

۱۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۵ ص ۳۲۱۔ ۲۔ ایضاً ج ۵ ص ۳۲۶۔

۳۔ ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۲۔ ۴۔ تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۸۴۔

۵۔ شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۲۹۔ ۶۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۵ ص ۳۲۶۔

کرنے پڑتے تھے لیکن وہ اُس کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ (غالباً تجارت کے سلسلے میں) انہوں نے زیتون کے تیل کی ایک مشک چالیں ہزار درہم میں خریدی اُس میں اتفاق سے ایک مراہو چوہا اگل آیا۔ حضرت ابن سیرین نے اس خیال سے کہ ممکن ہے چوہا کو لمبے پڑا ہوا ہو پوری مشک پھنکوا دی لیکن چونکہ اُسے خرید چکے تھے اس لیے تیل ولے نے قیمت کا مطالبہ کیا۔ یہ ادا کرنے سے قاصر تھے نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں قید کر دیا گیا۔

خیانت و احتراز | جیل کا انچارج ان کا ارادہ مند تھا، اُس نے کہا ”میں رات کے وقت جیلخانہ آپ کے لیے کھول دیا کرونگا، آپ اُس وقت اپنے بال بچوں کے پاس چلے جایا کیجیے“ لیکن آپ نے یہ فرما کر انکار کر دیا کہ میں تمہاری خیانتِ فرض منصبی میں اعانت نہیں کرونگا۔

خوفِ خدا | اس زہد و اتقا کا سبب یہ تھا کہ ان میں خوفِ خدا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ہشام بن حسان کہتے ہیں ”ہم ایک مرتبہ ابن سیرین کی محبت میں ایک مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں ہم نے اُن کو دیکھا کہ دن کو مہنتے اور رات کو روتے تھے۔ ابن عون کہتے ہیں ”ابن سیرین امت کے متعلق تو بہت پر اُمید لیکن خود اپنی ذات کی نسبت بہت شدید اور سخت تھے۔“

ابو قلابہ کہتے ہیں ”عبد بن سیرین کی طرح کون نیزہ کی دھار پر سوار ہونے کی طاقت رکھتا ہے؟ اُن کے سامنے موت کا ذکر ہوتا تھا تو اُس سے بھی آخرت کے ڈر سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ گویا اُن کے ایک ایک عضو پر موت طاری ہو گئی ہے۔“

شانِ ہندگی [اجمعی طور پر وہ خصالِ حمیدہ کے لیے جامع تھے کہ اُن کو کسی پہلو سے دیکھا جاتا
اُن کی خوبیاں آشکارا ہو جاتی تھیں۔ ابو قلابہ کہتے ہیں

أَصْرَفُوهُ حَيْثُ شِئْتُمْ فَلَتَجِدْنَاهُ قَمَانًا كَوْحًا مَرَّحًا زَاكِرًا دَكْحُوًّا نَمَّ دَكْحُوًّا
أَشَدَّ كَرْدًا وَأَمْلَكَكُمْ لِنَفْسِهِ کہ وہ تم میں سب سے زیادہ پُر ہنگام اور تم سب سے
زیادہ مضابط نفس ثابت ہونگے۔

خلفاء کا اعزاز حضرت محمد بن سیرین کی جلالتِ شان کی وجہ سے اعیان و امراء ان کے پاس
ہرایا بھیجتے تھے لیکن اُن کے استغناء کا یہ عالم تھا کہ قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت
عمر بن عبدالعزیز جیسے بزرگِ شامِ ظلیف نے اُن کے اور حضرت حسن بصری کے پاس کچھ ہایا
روانہ کیے تو حسن بصری نے انہیں قبول کر لیا، لیکن محمد بن سیرین نے انہیں واپس کر دیا۔
شانِ بزرگی | حدیث میں اہل اللہ کی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ انہیں دیکھتے ہی خدا یاد
آجائے۔ حضرت محمد بن سیرین کا حال یہی تھا۔ ابو عوانہ کہتے ہیں ”میں نے ابن سیرین کو دیکھا
ہے کہ بازار سے جب گزرتے تھے تو لوگ اُن کے صلاح و تقویٰ کی وجہ سے اللہ کا ذکر کرنے
لگتے، اور اُس کے نام کی تسبیح و تہلیل پڑھنے لگتے تھے۔“ ابن عماد الحنبلی لکھتے ہیں ”ابن سیرین
کسی مکان میں تشریف لے جاتے تو وہاں کا کوئی شخص ایسا نہ ہوتا تھا جو اُن کو دیکھ کر اللہ کا
ذکر شروع نہ کر دیتا ہو۔“ ابن قتیبہ کہتے ہیں ”ابن سیرین علم اور عبادت میں مرتبہ کمال رکھتے تھے۔“

۱۔ تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۸۴ ۲۔ ابن سعد ج ۱ ق ۱ ص ۱۳۷ ۳۔ خطیب بغدادی ج ۵ ص ۳۳۷

۴۔ شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۹۔ ۵۔ ایضاً

تعبیر خواب | ابن سیرین بہترین معتبر خواب کی حیثیت سے عوام و خواص میں زیادہ شہرت رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کے متعلق بعض دلچسپ حکایتیں بھی مشہور ہیں۔ ان کی وفات سے چند روز قبل ایک شخص آیا اور کہنے لگا "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آسمان سے ایک نامعروف فرہ پڑا اور ایک درخت پر بیٹھ کر پھول چھننے لگا پھر وہ اڑ گیا" ابن سیرین کے چہرہ کا رنگ یہ سنتے ہی متغیر ہو گیا اور فرمایا "یہ علماء کی موت ہے"۔ اس فن میں کمال کی وجہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور ان سے درخواست کی کہ مجھ کو خواب کی تعبیر سکھا دیجیے، انہوں نے فرمایا "اپنا منہ کھولو" میں نے تعمیل ارشاد میں منہ کھولا تو آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا، اس واقعہ کے بعد سے میں خواب کی تعبیریں بیان کرنے لگا۔

شادی آپ نے ایک عربی قانون سے شادی کی تھی جس سے آپ کے اولاد کثیر ہوئی لیکن عبداللہ بن محمد کے سوا سب کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا۔

وفات | حضرت حسن بصری کی وفات کے سوا تین ماہ بعد شمال سنہ میں شتر برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔

ابوالعالیۃ الریاحی

نام و نسب | رفیع نام، ابوالعالیۃ کنیت تھی۔ بنو الریاح کی ایک عورت کے غلام تھے جس نے ان کو بعد میں آزاد کر دیا تھا، اُس کی نسبت سے ریاحی کہلاتے ہیں۔ ان کے والد کا نام مہران تھا۔ بصرہ کے باشندہ تھے۔

آزادی | اپنی آزادی کی داستان وہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں۔ ”مجھ کو ایک عورت نے خریدا اور جب اُس نے آزاد کرنا چاہا تو اُس کے چچا زاد بھائیوں نے کہا کہ تم اس کو آزاد کر دو گی تو یہ کونہ چلا جائیگا، اور ہم سے تعلق بالکل منقطع ہو جائیگا۔ اس کے بعد وہ عورت مجھ کو مسجد کے ایک حصہ میں لائی اور مجھے اس کی خدمت کے لیے آزاد کر دیا اور دعا مانگی کہ اے اللہ! میں ابوالعالیۃ کو اس لیے آزاد کر رہی ہوں کہ قیامت کے دن میرا یہ کارِ ثواب میرے لیے ہو۔ ایک ذخیرہ آخرت بن جائے۔“

اسلام | حضرت ابوالعالیۃ مخضرمی تھے یعنی انہوں نے عہد جاہلیت بھی پایا تھا اور عہد اسلام بھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سال بعد مشرف باسلام ہوئے اس لیے صحابی نہ ہو سکے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے قرآن مجید پڑھا، اور اس شوق و رغبت سے کہ ایک رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے اس وقت تک ان کو آزادی نہیں ملی تھی۔ دن بھر اپنے آقا کا کام کرتے، اور رات کو قرآن مجید کی اول سے آخر تک تلاوت کرتے تھے۔ یہ جنت

شاقہ برداشت نہ ہو سکی تو دو راتوں میں ایک قرآن مجید کے ختم کرنے کا اہتمام کیا۔ لیکن یہ بھی برداشت نہ ہو سکا تو تین راتوں میں ایک قرآن مجید ختم کرنے لگے۔ جب یہ بھی ناقابلِ عمل ثابت ہوا تو انہوں نے بعض صحابہ کرام سے شکایت کی۔ انہوں نے بتایا کہ جمعہ جمعہ یا ہفتہ میں کوئی اور دن، بہر حال سات دن میں ایک قرآن مجید ختم کر لینا چاہیے۔ چنانچہ ابوالعالیہ کہتے ہیں: "اس مشورہ سے ہم کو عشاء کی غاز کے بعد سولے کا موقع ملتا تھا۔ اور ایک ہفتہ میں قرآن مجید ختم کرنا گراں نہیں گذرتا تھا۔"

تحصیل علم | حضرت ابوالعالیہ کو تحصیل علم کا اثناسوثق تھا کہ غلامی کی چند در چند مصروفیتوں کے باوجود انہوں نے قرآن مجید پڑھا اور اس کے ساتھ عربی کتابت بھی سیکھی۔ پھر حدیث کا شوق پیدا ہوا تو بصرہ کے علماء سے سماع حدیث کرتے رہے اس سے تشنگی فرو نہ ہوئی تو انہوں نے مدینہ طیبہ کا ارادہ کیا تاکہ یہاں صحابہ کرام سے بلا واسطہ استفادہ کر سکیں۔

فضل و کمال | ان کی اس کوشش اور طلب صادق کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے عہد کے نامور علماء و تفسیر و حدیث و فقہ میں شمار ہونے لگے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: "کان ثقةً کثیر الحدیث۔ یحییٰ بن معین، ابو زرعہ، ابو حاتم اور دوسرے ائمہ کرام بھی انہیں "ثقة" مانتے ہیں۔ ابوالفتح الطبری کہتے ہیں: "وہ ثقة ہیں اور ان کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے۔"

تفسیر | قرآن مجید کے ساتھ ان کو خاص شغف تھا اور اس میں انہوں نے خاص بصیرت

۱۔ ابن سعد، ق ۱ ص ۸۱ ۲۔ ایضاً ص ۸۲ ۳۔ ابن سعد، ق ۱ ص ۸۵

۴۔ تہذیب الاسما ج ۲ ص ۲۵۱ ۵۔ ایضاً

پیدا کی تھی، یہاں تک کہ ابو بکر بن ابی داؤد فرمایا کرتے تھے کہ صحابہ کے بعد ابوالعالیہ سے بڑھ کر کوئی عالم بالقرآن نہیں۔ سعید بن المسیب بھی ان کے بعد ہیں۔
 قرأتِ تفسیر کے ساتھ قرأت کے فن سے بھی واقف تھے اور اس کی تعلیم انہوں نے باقاعدہ حضرت ابی بن کعب سے حاصل کی تھی۔ حافظ ذہبی اور ابن عماد حنبلی دونوں انہیں المرقیٰ لکھتے ہیں۔

حدیث | تفسیر و قرأت کے ساتھ انہیں حدیث میں بھی کمال حاصل تھا۔ پہلے گزر چکا ہے اسی شوق میں یہ بصرہ سے سفر کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے، یہاں اجلہ صحابہ موجود تھے ان سے انہوں نے حدیث کا سماع کیا۔ ان میں سے بعض نام یہ ہیں: حضرت عمر بن الخطابؓ۔ ابن مسعودؓ۔ علیؓ اور حضرت عائشہؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ ابوالیوبؓ۔ ابوموسیٰؓ۔ ابن عباسؓ۔ ابوبرزہؓ۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوالعالیہ سے روایات نقل کی ہیں۔ ان کے اس فضل و کمال کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ جو خود بہت بڑے مفسر و محدث اور فقیہ و امام تھے حضرت ابوالعالیہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جبکہ حضرت ابن عباسؓ بصرہ کے گورنر تھے، ابوالعالیہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے اپنا ہاتھ حضرت ابوالعالیہ کے ہاتھ میں دے کر انہیں تخت ہی پر اپنے پاس بٹھالیا۔ بنو تمیم کا ایک شخص بولا ”یہ تو غلام ہیں“ آپ نے فرمایا ”علم اسی طرح شرفا میں شرف بڑھاتا ہے اور غلاموں کو

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ۱ ص ۵۸۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ۱ ص ۵۸ و تذکرات الذہب ج ۱ ص ۱۰۲

۳۔ تہذیب الاسامی ج ۲ ص ۲۵۱ ۴۔ ایضاً

تخت پر بٹھاتا ہے۔

فتنہ سے احتراز | ان علمی کمالات کے علاوہ اُن میں علمی و اخلاقی کمالات بھی کچھ کم نہ تھے طبیعت
 نہایت سلیم پائی تھی۔ فتنہ و فساد سے طبعاً اجتناب کرتے تھے۔ اپنا ایک واقعہ وہ خود بیان
 کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ میں جنگ ہو رہی تھی میں اُس زمانہ میں
 جوان تھا۔ لانا مرنا مجھ کو عمدہ عمدہ کھانوں سے بھی زیادہ مرغوب تھا چنانچہ میں نے بھی
 جنگ میں جانے کا ارادہ کیا، اور اس کے لیے خوب تیاریاں کی میدان کارزار میں پہنچ کر
 میں نے دیکھا کہ دونوں صفیں آراستہ ہیں اور اس قدر بڑی ہیں کہ اُن کے کنارے نظر ہی
 نہیں آتے اُن میں سے ایک فریق نعرہ تکبیر بلند کرتا تھا، تو فریق ثانی بھی اللہ اکبر پکارتا تھا۔
 اب میں نے دل میں سوچا کہ میں ان میں سے کس فریق کو کا فر قرار دوں اور کس کو مومن سمجھتا
 رہوں۔ پھر میں نے خیال کیا کہ مجھ کو یہاں جنگ میں آنے پر کس نے مجبور کیا ہے؟ جواب ملا
 کسی نے بھی نہیں نتیجہ یہ ہوا کہ شام ہوتے ہوتے میں میدان جنگ سے واپس چلا آیا۔
 بے تکلفی | دوستوں کے ساتھ نہایت بے تکلفی سے رہتے تھے شعیب بن العجاہ بیان کرتے
 ہیں۔ "ابو العالیہ ہمارے گھر آتے تھے، اور فرماتے "تمہارے گھر میں جو کچھ کھانا تیار ہو ہمیں لا کر
 کھلا دو، بازار سے ہرگز کوئی چیز مت خریدنا۔"

ہمگانی سے اجتناب | ہمگانی سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ ابوخلدہ کہتے ہیں
 "ایک مرتبہ میں حضرت ابو العالیہ کے پاس بٹھا ہوا تھا کہ اُن کا ایک غلام ایک رومال لیکر

آیا جس میں سر بھر خشک کے ٹکڑے تھے۔ ابو العالیہ نے مہر توڑ کر دس دانے خود غلام کو دیدیے اور پھر فرمایا ”اگر یہ غلام خیانت کرتا بھی تو اس سے زیادہ کی خیانت نہ کرتا۔ اور یوں ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ نوکریا غلام سے کوئی چیز منگائیں تو سر بھر منگائیں، تاکہ بدگمانی کا موقع ہی نہ رہے۔“

بے ریائی | انہیں ایسے لباس یا ایسی وضع و قطع سے قلبی نفرت تھی جس سے ریاکاری کی بو آتی ہو یا ایک دفعہ عبدالکریم اُن کے پاس اوئی کپڑے پہنے ہوئے آئے حضرت ابو العالیہ نے انہیں دیکھ کر فرمایا ”یہ تمہارا لباس تو راہبوں کا سا لباس ہے۔ مسلمان جب ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو عمدہ کپڑے پہنتے ہیں۔“

لباس میں فحاشی | چنانچہ حضرت ابو العالیہ کا معمول ہی یہ تھا کہ گھر میں سادہ لباس رکھتے اور پاجامہ پہنتے تھے۔ کسی نے اُن سے پوچھا ”آپ گھر میں پاجامہ کیوں پہنتے ہیں؟“ فرمایا۔ ”اس سے ستر خوب ہوتا ہے اور گھر میں مردوں کو پاجامہ ہی پہننا چاہیے لیکن جب وہ کہیں باہر جاتے تھے تو عمدہ سے عمدہ کپڑے جن میں قمیص، چادر، اور ازاد شامل ہوتے تھے، زیب تن فرماتے تھے لیکن ان تمام کپڑوں میں چادر کا زیادہ اہتمام کرتے تھے خود اُن کا بیان ہے کہ میں چادر زیادہ اچھی اوڑھتا ہوں جس کی قیمت بیس اور تیس درہم ہوتی ہے۔ اہل بیت و محبت | اہل بیت سے اُن کو دلی محبت تھی۔ اُن کا یہ معمول تھا کہ اپنے مال کی پوری

زکوٰۃ مدینہ منورہ بھیج دیتے تھے تاکہ وہاں اہل بیت کو دیدی جائے اور وہ اپنی صوابدید سے جس مستحق کو جتنا دینا چاہیں دے سکیں۔ جب اُن کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے

وصیت کی کہیں جتنا سونا، چاندی یا مال بطور ترکہ چھوڑے جا رہا ہوں اُس کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ ایک حصہ فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے ایک فقرا و مسکین کو دیا جائے، اور ایک بتائی اہل بیت اطہار کی خدمت میں میری طرف سے بطور نذرانہ پیش کر دیا جائے۔ ساتھ ہی وصیت کی کہ میری بیوی کا حق بھی ادا کرنا۔

نکاح ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنی کسی باندی کو تعلیم و تربیت دے اور پھر اُسے آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لے تو اللہ تعالیٰ اُس کو دو ہزار اجر دیتا ہے حضرت ابو العالیہ نے اسی پر عمل کرتے ہوئے اپنی ایک جاریہ کو آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لیا تھا۔ اور آپ ان کا بڑا خیال رکھتے تھے، انتقال ہونے لگا تو رٹا، کو خاص طور پر وصیت کی کہ میری بیوی کا حق پورا پورا دے دیا جائے۔ عید الفطر کے موقع پر اپنی طرف سے ایک قفیز اور اپنی بیوی کی طرف سے دو موک یعنی ایک سیر کے قریب صدقہ ادا کرتے تھے۔

جمال ان معنوی کمالات کے ساتھ قدرت نے کمال صوری سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ اصمعی کا بیان ہے کہ ابو العالیہ اور مکحول ہار دی دونوں جمیل ہیں، اور حضرت ابو العالیہ ظریف الطبع بھی بہت تھے۔

وفات علامہ ابن سعد نے تاریخ وفات سنہ ۹۳ بتائی ہے لیکن حافظ ذہبی اور ابن عماد اکنبیٰ دونوں لکھتے ہیں کہ صبح سنہ ۹۳ ہے۔ مرض کے دنوں میں نہایت نفیہ ہو گئے تھے۔ بچھونے سے اتر نہیں سکتے تھے وہیں بیٹھے بیٹھے نماز پڑھتے اور سجدہ تکیہ پر کرتے رہتے۔

لے یہ سب واقعات ابن سعد، قتادہ، ابو العالیہ، و ماخوذ ہیں منہ شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۱۱ ابن سعد، ق ۱

خراسان کے کسی علاقہ میں انتقال ہوا۔

عطاء بن یسار

نام و نسب | ابو محمد کنیت، عطاء نام، والد کا نام یسار تھا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی غلامی کا شرف رکھتے تھے۔ مشہور فقیہ سلیمان بن یسار اور عبد الملک کے بھائی تھے۔

ولادت | ۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔

علم و فضل | حضرت میمونہؓ کے شرفِ صحبت اور اس تقریب سے دوسرے اکابر امت کی مجالست نے اُن کو حدیث کا معتمد عالم بنا دیا تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں دکانِ ثقتہ کثیر الحدیث۔ حافظ ذہبی انہیں الامام الربانی اور الفقیہ الواعظ بتاتے ہیں۔ اور پھر تحریر کرتے ہیں ”عطاء بڑے ثقہ اور علم کا ظرف تھے۔“

شیوخ | انہوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کثیرہ سے حدیث کی سماعت کی تھی۔ جن میں زیادہ مشہور نام یہ ہیں۔ حضرت ابو ذرؓ، ابو الدرداءؓ، عبادہ بن الصامتؓ، زید بن ثابتؓ، معاویہ بن حکمؓ، ابو ایوبؓ، ابو قتادہؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، ابو رافعؓ، مولیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ام المومنین حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا، امام بخاری اور ابن سعد کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے بھی حدیث کا سماع کیا تھا، ان بزرگوں سے فیض پانے کے علاوہ علم کی جستجو میں انہوں

نے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۳، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۱۹، ابن سعد ۲/ ۱۲۹، تذکرۃ الفقہ ج ۱ ص ۸۳

نے شام اور مصر کا بھی سفر کیا تھا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ عطاء بن یسار واعظ، عبادت گزار اور صاحب فضل و کمال تھے یہ امام نووی لکھتے ہیں ان کی توثیق پر سب کا اتفاق تلامذہ ان سے جن بزرگوں نے سماع حدیث کا فیض پایا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں ابو سلمہ بن عبد الرحمن، محمد بن عمر بن عطاء، محمد بن عمرو بن حنبلہ، ہلال بن علی، زید بن اسلم شریک بن ابی عمر، محمد بن ابی حنبلہ، عمرو بن دینار

فتہ حدیث کے بڑے عالم ہونے کے ساتھ وہ فقہ میں بھی امامت کا مرتبہ رکھتے تھے چنانچہ حافظ ذہبی اور ابن عماد حنبلی نے انہیں "الفقیہ" لکھا ہے۔

قضاء ابن عماد حنبلی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مدینہ میں ایک سال تک قضاء کی خدمت بھی انجام دیتے رہے تھے۔ ابن قتیبہ بھی یہی لکھتے ہیں۔

خودداری حضرت عطاء ابن یسار اگرچہ غلام تھے لیکن حضرت میمونہ کی مصیبت مصاحبت اور علم فضل نے ان میں خودداری کا ایسا جوہر پیدا کر دیا تھا کہ ایک مرتبہ کسی عرب نے ان کی صاحبزادی سے نکاح کرنا چاہا تو آپ نے جواب میں کہا "ہم تمہارے نسب میں اور تمہارے مرتبہ و مقام میں کوئی قدرح پیدا نہیں کرتے لیکن شادی بیاہ کے معاملات ہم اپنے جیسے لوگوں میں ہی کرتے ہیں اور تم بھی شادی اپنے قبیلہ میں ہی کرتے ہو"۔

وفات واقفی کی روایت تو یہ ہے کہ عطاء بن یسار کی وفات ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ ۳۹ھ میں اسکندریہ میں وفات پائی۔ علامہ نووی اس

روایت کو واضح اور علامہ ابن سعد اس کو اثنی عشری زیادہ قابل قبول فرماتے ہیں۔

ابوبکر بن عیاش

نام و نسب | ان کے نام میں متعدد اقوال ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ شعبہ نام تھا، ابوبکر کنیت۔ واصل
الاحدب الاسدی کے غلام تھے۔ کوفہ وطن تھا، شامہ میں پیدا ہوئے۔

علم و فضل | مشہور امام قرأت حضرت عاصم سے تین مرتبہ قرآن مجید پڑھا تھا۔ علم حدیث
میں ان کے مشہور اساتذہ یہ ہیں۔

ابو اسحاق السبعی۔ عبد الملک بن عمیر، صالح مولیٰ عمرو بن حریث، اسماعیل اسدی
تلامذہ | ان کے علم و ثقاہت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام احمد بن حنبل، ابو داؤد
الطہالسی، ابو کریب، ابن مبارک، اور ابن نمیر، ایسے ائمہ حدیث نے ان سے روایت
کی ہے۔ ابن مبارک کہتے تھے ”میں نے کسی شخص کو حدیث کی طرف سبقت کرنے میں
ابوبکر بن عیاش سے زیادہ تیز نہیں پایا۔“ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے ”ابوبکر بن عیاش صاحب
قرآن و خبر ہیں۔“

حدیث میں ان کا پایہ | امام ابو داؤد انہیں ثقہ کہتے ہیں لیکن امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:-
”ثبٹا غلط۔“ یعقوب بن شبیب کہتے ہیں ”ابوبکر اپنے صلاح کامل کی وجہ سے معروف و مشہور ہیں
وہ صاحب فقہ تھے اور اخبار کا علم بھی رکھتے تھے لیکن ان کی حدیثوں میں اضطراب پایا جاتا ہے“

علامہ ذہبی انتہی شیخ الاسلام کہتے ہیں۔

ذہد و روح اعظم کے ساتھ صاحب زہد و روح بھی تھے۔ یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ ابو بکر بڑے عالم و فاضل تھے، چالیس برس تک انہوں نے اپنا پہلو زمین سے نہیں لگایا۔
مقولہ اُن کے بعض مقولے بڑے دلچسپ اور مفید ہوتے تھے۔ ابو ہشام الرفاعی بیان کرتے ہیں، ایک مرتبہ ابو بکر بن عباس نے فرمایا:-

المخلوق اربعةٌ معذورٌ ومجبورٌ ومجبوبٌ وخلقٌ چار قسم کی ہے۔ معذور، آزمودہ، مجبور و
ومتنبوؤ فالمعذور البهائم و بے بس اور ہلاکت زدہ۔ معذور بہائم ہیں،
المجبور بنو آدم والمجبور الملائكة آزمودہ انسان، مجبور اے بس فرشتے، اور
المتنبور ابلیس۔ ہلاکت زدہ شیاطین ہیں۔

خشیت ربانی کا اُن پر غلبہ رہتا تھا، ایک مرتبہ فرمایا ”دنیا میں آنا تو سہل ہے لیکن
یہاں سے منتقل ہو کر اللہ کی طرف جانا بہت سخت ہے۔“

وفات | جمادی الاولیٰ ۹۳ھ میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت بہن پاس بیٹھی تھیں۔
یہ حالت دیکھ کر رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا ”تم روتی کیوں ہو؟ اس گوشہ کو دیکھو یہاں
میں نے اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا ہے۔“

زید بن اسلم

نام و نسب | ابو اسامہ کنیت، زید نام۔ والد کا نام اسلم تھا، حضرت عمرؓ کے غلام تھے۔

علم و فضل | زید کو اس محترم و مقدس ہستی کی غلامی کا شرف حاصل تھا جس کے فیضانِ صحبت نے بے مقدار ذروں کو چشمکِ زن آفتاب بنا دیا تھا۔ پھر زید تو غلامی کی وجہ سے ہر وقت اُن کی صحبت و معیت سے شاد کام ہوتے تھے، چنانچہ حضرت زیدؓ علم و عمل کا ایک پیکر لطیف بن گئے اور وہ مدینہ کے علماء و اعلام و صلحا و کرام میں شمار ہونے لگے۔ حافظِ مہربانی انہیں "الامام المدد فی الفقیۃ" لکھتے ہیں۔ علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں "و مناقبہ کثیرۃ" تفسیر اُن کو حضرت ابن عمرؓ کے فیضانِ صحبت کے باعث تفسیر میں خاص درک تھا یعقوب بن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ "زید تفسیر قرآن کے عالم تھے" عبید اللہ بن عمرؓ کا ان کی نسبت ایک قول ہے کہ زید قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے بکثرت کرتے تھے "اس سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ اس قول کے مطابق زید تفسیر القرآن بالرائے کی وعید کے ماتحت داخل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ اسی مقولہ میں یہ بھی فرماتے ہیں "لا اعلیٰ بہ باساً" اور ممکن ہے کہ حضرت زیدؓ نے بعض آیات کی تفسیر ایسی روایات کی روشنی میں کی ہو جس سے حضرت عبید اللہ بن عمرؓ بے خبر ہوئے اور اس بنا پر انہوں نے زید کی تفسیر کو تفسیر بالرائے کہہ دیا ہو۔

حدیث [تفسیر کی طرح حدیث میں بھی اُن کو یکساں کمال حاصل تھا۔ صحابہ میں اُنہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ، اُم المومنین عائشہ صدیقہ، جابر، ربیعہ بن عبد اللہ سلمہ بن اکوع اور انس بن مالک سے روایت کی ہے۔ تابعین میں اُن کو متعدد اکابر سے سماع کا شرف حاصل تھا۔

درس حدیث | خاص مسجد نبوی میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیتے تھے جس میں مدینہ طیبہ کے اکابر علماء و فقہاء شریک ہوتے تھے۔ ابو حازم کا بیان ہے کہ حضرت زید کی مجلس میں چالیس بڑے بڑے فقہاء شرکت کرتے تھے جن کی باہمی الفت و موانست کی ایک ادنی دلیل یہ تھی کہ ایک کا مال دوسرے کی خدمت و اعانت کے لیے ہمہ وقت موجود رہتا تھا اور اُن میں سے دو شخص کبھی آپس میں بے فائدہ لڑتے جھگڑتے اور نزاع و پیکار کرتے نہیں دیکھ گئے۔

حضرت زید کے حلقہ درس میں امام زین العابدین علی بن الحسینؑ بھی شریک ہوتے تھے۔ ایک دن نافع بن جبر بن مطعم نے اُن سے کہا کہ آپ اپنے خاندانی حلقہ کو چھوڑ کر عمر بن الخطاب کے غلام کے حلقہ میں شریک ہوتے ہیں؟ فرمایا ”انسان اُسی شخص کے پاس بیٹھتا ہے جس کی محبت اُس کے دین کے لیے نافع ہوتی ہے۔“

تلاذہ | جن لوگوں نے اُن کے دامن علم سے خوشہ چینی کی اُن کی فہرست بہت طویل ہے، چند اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت زید کے تین صاحبزادے، اُسامہ، عبداللہ اور عبدالرحمن

مالک، ابن عجلان، ابن جریج، سلیمان بن بلال، حفص بن میسرہ، داؤد بن القیس الفراء، یوب السخثانی، جریر بن حازم، عبید اللہ بن عمر، ابن اسحاق، محمد بن جعفر بن ابی کثیر، معمر، ہشام بن سعد، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری رحمہم اللہ اجمعین۔

جلالت شان [زید اگرچہ غلام تھے، لیکن اُن کا علمی دبدبہ کسی سلطان سے کم نہ تھا۔ وہ جب چاہتے خود حدیث بیان کرنے لگتے تھے، خاموش ہو جاتے تو اُنھ کو اُس تشریف یجاتے کسی شخص کو اُن سے سوال کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ ابن عجلان کا بیان ہے۔ مجھ پر کبھی کسی شخص کی ہیبت نے اتنا اثر نہیں کیا جتنا زید بن اسلم کی ہیبت نے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ زید نہایت نازک مزاج واقع ہوئے تھے۔ بے ڈھنگے سوالات سے اُن کو طعنا بڑی ناگواری ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ابن عجلان نے اُن سے کوئی بات پوچھی تو اُنہوں نے فرمایا ”جاؤ پہلے یہ سیکھو کہ سوالات کس طرح کیے جاتے ہیں، پھر میرے پاس آؤ“ ایک دفعہ حضرت زید نے کوئی حدیث بیان کی، اس پر ایک شخص بولا ”آپ نے یہ کس سے سنی ہے؟“ فرمایا ”اے بھتیجے! ہم بے وقوفوں کی صحبت میں نہیں بیٹھتے تھے۔“

ہردلعززی [اُن کا یہ رعب داب اُن کی علمی جلالت و عظمت کی وجہ سے تھا۔ ورنہ ویسے وہ بہت ہردلعزیز اور محبوب کل تھے۔ اُن کے صاحبزادے عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میرے پدر بزرگوار کے چند ہم نشین تھے، اُن میں سے کسی کے پاس میرے والد مجھ کو کبھی کسی کام سے بھیجتے تھے تو وہ فرط شفقت سے میرے سر کو چھوتے اور اُسے بوسہ دیتے اور کہتے کہ بخدا

تمہارے والد مجھ کو میرے بال بچوں اور گھر والوں سے زیادہ عزیز و محبوب ہیں، اگر خدا مجھ کو اُن میں اور زید بن اسلم میں اختیار دے تو میں یہ پسند کروں گا کہ میرے سب اہل و عیال مرا جائیں اور میرے لیے صرف زید زندہ و سلامت رہیں۔ ابو حازم کہتے تھے ”مجھ کو خدا وہ دن نہ دکھائے جبکہ میں زید کے انتقال کی خبر سنوں۔ اب کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہا جو میرے دین اور نفس کے اعتبار سے مجھ کو ان سے زیادہ پسند ہو۔ چنانچہ جب انہیں زید کے انتقال کی خبر پہنچی تو اُن پر ایسی بے ہوشی طاری ہو گئی کہ وہ اُن کے خازے میں بھی شریک نہیں ہو سکے۔“

فقہ | فقہ میں بھی اُن کو بڑی دسترس حاصل تھی۔ حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر، امام نووی سب اُن کو فقیہ امام مانتے ہیں۔

زندہ و اتقا | اعلیٰ کمالات کے ساتھ اُن کی کلاہ افتخار میں اخلاقی و عملی کمالات کا طرہ امتیاز بھی لگا ہوا تھا، حافظ ذہبی فرماتے ہیں ”دکان من العلماء الابراء ابن عیینہ کا بیان ہے ”کان زید بن اسلم رجلاً صالحاً“ امام نووی بھی انہیں ”صالح تابعی“ لکھتے ہیں۔ حدیث میں نیک لوگوں کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ انہیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے حضرت زید اس کے صحیح مصداق تھے۔ ابو حازم کہا کرتے تھے ”اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں زید کو دیکھتا ہوں تو اُن کے دیدار سے ہی تیری عبادت کی قوت مجھ میں پیدا ہو جاتی ہے، پھر اُن کی ملاقات اور اُن سے بات چیت کا تو کیا کچھ اثر نہ ہو گا۔“

وفات ۳۶۱ھ میں وفات پائی۔

یزید بن ابی حلیب

نام و نسب | یزید نام، ابوہریرہ کنیت، والد کی کنیت ابی حلیب اور نام سوید تھا۔ قریش کی ایک شلوخ بنی عامر بن لوی کے غلام تھے۔

پیدائش | حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، مصر میں نشوونما پائی۔ اسی وجہ سے اُن کو مصری کہتے ہیں۔

فضل و کمال | فضل و کمال کے لحاظ سے ائمہ تابعین میں ان کا شمار تیسرے چنانچہ حافظ ذہبی انہیں "الامام الکبیر" اور ابن عساکر نے "شیخ مصر" لکھتے ہیں۔ مصر میں انہی کی ذات سے علم کا چرچا ہوا۔ ابن یونس کا بیان ہے کہ یزید سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مصر میں علم ظاہر کیا اور حلال و حرام کے مسائل کو بھیلایا۔ اس سے قبل لوگ صرف ترغیبات اور فتن کا ذکر کرتے تھے۔

حدیث | حضرت یزید مصر کے ممتاز امام حدیث تھے۔ حافظ ذہبی انہیں "حافظ الحدیث" اور علامہ ابن سعد ثقہ کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ ابن جہان انہیں ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ شیوخ انہوں نے حدیث میں کثیر التعداد ائمہ حدیث سے استفادہ کیا تھا جن میں سے چند

۱۔ تکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۵ ۲۔ ایضاً ص ۱۲۲ ۳۔ ایضاً ص ۱۲۱ و ۱۲۲ ۴۔ ایضاً ص ۱۲۲۔

۵۔ ابن سعد ج ۱ ق ۲ ص ۲۰۲ ۶۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۱۹۔

نام یہ ہیں :- عبد اللہ بن حارث، ابو الطفیل، اسلم بن یزید، ابی عمران، ابراہیم بن عبد اللہ بن جہین،
عطاب بن ابی ربلح، عواک بن مالک۔ اور امام زہری۔

تلاذہ ان سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا، ان میں چند یہ ہیں۔ سلیمان
القیسی، محمد بن اسحاق۔ زید بن ابی انیسہ، عمرو بن الحارث، عبد الحمید بن جعفر، ابن اسبعہ، اولیث
بن سعد۔

فقہ حدیث کے ساتھ انہیں فقہ میں بھی بڑا کمال حاصل تھا۔ حافظ ذہبی انہیں "المصری
الغنیہ" لکھتے ہیں۔ مصر کے لیے حضرت عمر بن عبد العزیز نے جو تین مفتی مقرر کیے تھے حضرت یزید
بن ابی حنیبلہ بھی ان سے ایک تھے۔

جلالتِ شانِ یہ علمی کمالات کا وقار بہت ملحوظ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ریان بن عبد العزیز
نے پیغام بھیجا کہ مجھ کو آپ سے چند مسائل دریافت کرنے ہیں۔ ازراہ کرم کسی وقت تکلیف گوارا
کر کے تشریف لائیے۔ آپ نے جواباً کلام بھیجا "تم خود میرے پاس آؤ، کیونکہ تمہارا میرے پاس آنا
تمہارے لیے زینت اور میرا تمہارے پاس جانا تمہارے لیے عیب ہے۔"

صاف گوئی! امرا سے اس درجہ استغناء کے باعث انہیں بڑے سے بڑے جابر و ظالم حاکم
کے سامنے کلمہ حق کے اظہار میں ذرا تامل نہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ جبکہ آپ بیمار تھے مصر کا امیر
حوشبہ بن سہیل آپ کی عیادت کے لیے آیا اور پوچھنے لگا "اے ابو رباح! جس کپڑے پر مجھ کا خون
لگ چلا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے ساتھ نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے اپنا

چہو پھیر لیا اور جواب میں کچھ نہیں فرمایا۔ پھر جب حوثرہ چلنے لگا اور حضرت یزید نے اُسے دیکھا تو فرمایا "تم روزانہ خلقِ خدا کا خون بہاتے ہو لیکن مجھ سے مسئلہ مجھروں کے خون کا دریافت کرتے ہو؟"

علم عقل | ان کی یہ صاف گوئی کسی تند مزاجی پر مبنی نہیں تھی، ویسے وہ بہت بردبار اور خلق و منسا رہتے۔ ابن یونس کا بیان ہے۔ وکان حلیماً باخلاقاً۔ حضرت یزید خود فرماتے ہیں "اگر میرا کوئی بھائی مجھ پر غضبناک ہوتا ہے تو میں اُس کو دوبارہ غضبناک ہونے کا موقع نہیں دیتا۔ بلکہ اُس کے غصہ کا اصل سبب دریافت کرتا ہوں اور پھر جوابات اُس کو بُری لگتی ہے اُسے چھوڑ دیتا ہوں۔"

علماء کا اعتراف | ان کمالات کی وجہ سے علماء و معاصرین اُن کا بڑا احترام کرتے تھے۔ لیث بن سعد انہیں "سیدنا و عالمنا" کہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ لیث بن سعد انہیں اور عبید اللہ بن جعفر کو اپنے ملک کے دو جوہر بتاتے تھے۔ ابن وہب کہتے ہیں "اگر ان دونوں کو ایک ترازو میں رکھ دیا جائے تو دونوں برابر ہونگے۔ کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہوگی۔" جمع خلق | پہلک میں اُن کو عام ہر دلعزیزی اور عزت ماحصل مٹھی کسی خلیفہ کے ہاتھ پر جب تک یزید بن ابی حبیب اور عبید اللہ بن جعفر بیعت نہیں کر لیتے تھے کوئی اور شخص اقدام کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ اس عام شہرت و ہر دلعزیزی کے باعث ان کے پاس مسائل دریافت کرنے والوں کا تافانہ بندھا رہتا تھا۔ آخر کار آپ نے تنگ آکر خانہ نشینی اختیار کر لی۔

لے تذکرۃ المحافل ج ۱ ص ۱۲۲ لے ایضاً لے تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۱۹ لے ایضاً لے تذکرۃ المحافل ج ۱ ص ۱۳۲

علیہ انگ آئیں کی طرح سیاہ تھا۔

وفات ۱۲۸ھ میں وفات پائی یہ

ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان

نام و نسب عبداللہ نام والد کا نام ذکوان تھا۔ کنیت ابو عبدالرحمن تھی لیکن وہ ابوالزناد کے

لقب سے اتنے مشہور ہوئے کہ لوگ ابو عبدالرحمن بھول گئے۔ مدینہ کے رہنے والے تھے عقبہ بن ربیعہ کی بیٹی رملہ کے غلام تھے اس لیے قرشی کہلاتے تھے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ یہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے خاندان کے غلام تھے۔

ولادت ان کی ٹھیک تاریخ ولادت معلوم نہیں لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال ۱۳۸ھ میں ہوا اور اُس وقت اُن کی عمر ۶۶ برس کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۴ھ میں پیدا ہوئے ہونگے۔ تابعین کرام کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

علم و فضل ابوالزناد نے انس بن مالک، ابوامانہ، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوسلمہ بن

عبدالرحمن، شبی، علی بن کمین اور سعید بن المسیب اور عبداللہ بن جعفر سے سماع کیا تھا۔ ان بزرگوں کے فیض صحبت اور ان کے اپنے طبعی رجحان و استعداد نے انہیں علم و فضل کے آسمان کا کوکب تاجاں بنا دیا۔ امام نووی لکھتے ہیں ”اور لوگوں نے متفقہ طور پر ابوالزناد کی کثرتِ علم، قوتِ حفظ، فضل، تنوع و تفنن فی العلوم، اور ان کی ثقاہت و توثیق اور ان کے

لے تذکرۃ اصحاب، ص ۱۱۱ ۱۱۲ و تذکرۃ اصحاب، ص ۱۱۳ ۱۱۴ ۱۱۵ ۱۱۶ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹ ۱۲۰ ۱۲۱ ۱۲۲ ۱۲۳ ۱۲۴ ۱۲۵ ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹

قابلِ محبت ہونے پر اتفاق کیا ہے اور سب نے مل کر ان کی بڑی ثنا کی ہے۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں "ابو الزناد حدیث میں امیر المؤمنین ہیں" امام بخاری فرماتے ہیں "بہترین سندیں دو ہیں ایک 'عالمک عن نافع عن ابن عمر' اور دوسری 'ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ' علی بن المدینی کہتے ہیں "کبار تابعین کے بعد ابن شہاب، یحییٰ بن سعید، ابو الزناد اور کبیر بن عبد اللہ بن اسحاق سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا۔

تلاذہ | ان کا دامنِ فیض بھی بڑا وسیع تھا جن حضرات نے ان سے استفادہ کیا بڑے پایہ کے علما و شمار کیے جاتے تھے، مثلاً ابن ابی ملیکہ، ہشام بن عروہ، ابو اسحاق الشیبانی۔ اور عبد اللہ

بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم وغیرہم

فقا | حدیث کی طرح ان کو فقہ میں بھی کمال حاصل تھا یہاں تک کہ مدینہ کے اکابر فقہاء میں شمار ہوتا تھا۔ حافظ ذہبی انہیں "فقیہ المدینہ" لکھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ انہیں ربیعہ سے بڑا فقیہ بتاتے ہیں۔

جامعیت | ایک حدیث وفقہ ہی کیا، انہیں تقریباً تمام علوم متداولہ میں یکساں مہارت حاصل تھی۔ مصعب الزبیری کہتے ہیں "ابو الزناد اہل مدینہ کے فقیہ تھے اور کتابت و حساب کے بھی ماہر تھے۔ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں مدینہ کے دفاتر سرکاری کی جانچ پڑتال انہی کے سپرد تھی۔

لے تہذیب الاسامی ج ۲ ص ۲۳۳ ۲۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۷

۲۴ شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۸۲ ۱۸۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۷۔

عبد رب بن سعید کا بیان ہے ایک مرتبہ میں نے ابو الزناد کو دیکھا کہ مسجد نبوی علیہ السلام میں داخل ہوئے تو اُس وقت اُن کے ساتھ جیسا بادشاہوں کے جلو میں ہوتا ہے، یمن سوطیہ، کاجم غفر تھا۔ اس مجمع میں کچھ لوگ غرض، کچھ ریاضی اور حساب، چند ایک شعر و شاعری، کچھ حدیث اور بعض کسی اور مسئلہ کی نسبت سوال کر رہے تھے۔ اور وہ سب کو جواب دیتے جاتے تھے۔

علامہ ابن سعد فرماتے ہیں "کان ابو الزناد ثقةً کثیر الحدیث فصیحاً بصیراً بالعربیۃ عالمًا عاقلًا" ابن حبان کے نزدیک وہ ثقہ ہیں، فقیہ اور صاحب کتاب ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں "اُن کی تمام حدیثیں درست اور صحیح ہیں" امام نسائی، عیسیٰ بن ساری اور ابو جعفر الطبری سب نے ان کو ثقہ مانا ہے۔

ولایت حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو اپنے عہد میں عراق کے خراج کا منصرم بھی بنایا تھا۔ ان کے ساتھ عبد الحمید بن عبدالرحمن کام کرتے تھے۔ وفات ۱۳۱ھ یا ۱۳۲ھ میں جبکہ ایک مرتبہ غسل کر رہے تھے، ان کا اچانک انتقال ہو گیا۔

رعیۃ الرائی

نام و نسب | رعیۃ نام، ابو عثمان کنیت، رائی لقب، باپ کا نام فروخ اور ابو عبدالرحمن کنیت

لہ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۰۴ تہذیب اص ۲۰۵ تہذبات الذہب ج ۱ ص ۱۸۲۔

آل منکر کے غلام تھے۔

پیدائش اعلیٰ ان کی پیدائش اور تعلیم کا عجیب واقعہ ہے، حضرت ربیعہ کے والد ابو عبد الرحمن فروخ کو بنو امیہ کے عہد میں خراسان کی ایک مہم پر جانا پڑا، اُس وقت ربیعہ شکمِ مادر میں تھے۔ فروخ نے چلتے وقت اپنی بیوی کے پاس تیس ہزار دینار گھر کے اخراجات کے لیے چھوڑ دیے تھے۔ خراسان پہنچ کر کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ فروخ پوری تائیں برس تک وطن (مدینہ) واپس نہ آ سکے۔ ربیعہ کی والدہ نہایت روشن خیال اور عقلمند تھیں۔ ربیعہ سن شعور کو پہنچے تو انہوں نے اُن کے لیے تعلیم کا اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کیا۔ اور اس سلسلہ میں جتنا روپیہ اُن کے پاس مختاسب خرچ کر ڈالا۔ تائیں برس کے بعد جب فروخ مدینہ واپس آئے تو اس شان سے کہ گھوڑے پر سوار تھے، اور ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ مکان پر پہنچ کر نیزے کی نوک سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دستک سن کر ربیعہ دروازہ پر آئے۔ اس وقت باپ بیٹے آنے سے ملتے تھے، لیکن ایک دوسرے سے بالکل نا آشنا تھا۔ ربیعہ نے فروخ کو اجنبی سمجھ کر کہا: ”اے دشمن خدا! تو میرے مکان پر حملہ کرتا ہے؟“ فروخ بولے ”نہیں! بلکہ اے دشمن خدا، تو میرے حرم میں گھسا ہوا ہے۔ اسی میں بات بڑھ گئی، اور نوبت بائجا رسید کہ دونوں ایک دوسرے سے دست گریاں ہو گئے۔ اس شور و غل اور ہنگامہ کی آواز سے اُس پاس کے لوگ جمع ہو گئے۔ شدہ شدہ خبر امام مالک بن انس کو بھی پہنچ گئی۔ ربیعہ اس وقت گو عمر کے لحاظ سے نوجوان تھے لیکن علمِ فضل میں اُن کا چرچا دور دور تک پھیل گیا تھا، اور امام مالک ایسے ائمہ حدیث اُن کے درس میں شریک

ہوتے تھے۔ امام مالک اور ان کے ساتھ بعض دوسرے مشائخ وقت اس لیے یہاں آئے تھے کہ اپنے اُستاد حضرت ربیعہ کی امداد کریں۔ امام مالک جس وقت یہاں پہنچے تو ربیعہ اُس وقت فروغ سے کہہ رہے تھے ”خدا کی قسم! میں تم کو بادشاہ کے پاس یحجاء بنیز نہیں مانو بھگا“ اس پر فروغ کہتے تھے ”اور میں تم کو کس طرح بادشاہ کے سامنے پیش کرنے سے باز رہ سکتا ہوں۔ جبکہ تم یہاں میری بیوی کے پاس ہو۔“ لوگ درمیاں میں بیچ بچاؤ کر رہے تھے لیکن شور و شغب برابر بڑھتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے امام عالی مقام حضرت مالک بن انس کو آتے ہوئے دیکھا تو سب چُپ ہو گئے۔ امام نے آتے ہی فروغ کو مخاطب ہو کر فرمایا ”بڑے میاں! آپ کسی دوسرے گھر میں قیام کر لیجیے۔“ فروغ بولے ”یہ تو میرا ہی گھر ہے، میرا نام فروغ ہے اور میں بنو فلاں کا غلام ہوں“ حضرت ربیعہ کی ماں نے اندر سے جو یہ سنا تو باہر نکل آئیں اور انہوں نے کہا ”ہاں یہ فروغ میرے شوہر ہیں اور یہ ربیعہ میرے لڑکے ہیں۔“ فروغ جب خراسان کی مہم پر جا رہے تھے، ربیعہ میرے شکم میں تھے۔ اس حقیقت کے کھل جانے پر باپ بیٹے دونوں نے معافہ کیا اور خوب مل کر روئے اب فروغ گھر میں داخل ہوئے اور بیوی سے ربیعہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا ”یہ میرا بیٹا ہے؟“ بولیں ”ہاں“ تھوڑی دیر کے بعد فروغ نے بیوی سے اُس روپیہ کے متعلق دریافت کیا جو وہ خراسان جاتے ہوئے ان کو دے گئے تھے، اور کہا کہ لو میرے ساتھ یہ چار ہزار دینار اور ہیں۔ یہاں یہ سب روپیہ حضرت ربیعہ کی تعلیم پر خرچ ہو چکا تھا۔ بیوی بولیں ”میں نے وہ مال دفن کر دیا ہے۔ چند روز کے بعد نکال دوں گی، ابھی ایسی جلدی کیا ہے“ معمول کے مطابق

حضرت ربیعہ وقت پر مسجد میں تشریف لے گئے اور درس دینا شروع کر دیا جس میں اہم مالک حسن بن زید، ابن ابی علی، اور دوسرے اعیانِ مدینہ شریک تھے۔ والدہ ربیعہ نے درس کا وقت پہچان کر فروخ سے کہا کہ جاؤ نماز مسجد نبوی میں پڑھنا، اب فروخ یہاں آئے، نماز پڑھی، پھر انہوں نے دیکھا کہ درس حدیث کا ایک زبردست حلقہ قائم ہے۔ ان کو بسنے کا شوق ہوا، حلقہ کے قریب چلے آئے۔ لوگوں نے ان کو دیکھ کر راستہ دینا شروع کر دیا۔ حضرت ربیعہ نے درس میں خلل پڑنے کے خیال سے سر جھکایا، اور ایسے ہو گئے کہ گویا انہوں نے دیکھا ہی نہیں۔ فروخ اس حالت میں انہیں شناخت نہ کر سکے۔ لوگوں سے پوچھا ”یہ کون ہیں؟“ جواب ملا ”ربیعہ بن ابی عبد الرحمن“ ابو عبد الرحمن فروخ فرط مسرت سے بیتاب ہو گئے اور کہنے لگے ”اللہ نے میرے بیٹے کا مرتبہ بلند کیا ہے“ گھر واپس آئے تو بیوی سے بولے ”میں نے آج تمہارے بیٹے کو ایسی شان میں دیکھا ہے کہ کسی صاحبِ علم و فقہ کو نہیں دیکھا“ اب حضرت ربیعہ کی والدہ نے کہا ”آپ کو کیا چیز زیادہ پسند ہے، وہ تیس ہزار دینار یا یہ جاہ و منزلت علمی؟“ فروخ بولے ”انہیں خدا کی قسم یہ وجاہت زیادہ محبوب ہے۔“ کہنے لگیں ”میں نے وہ سب روپیہ اسی پر صرف کر دیا ہے“ فروخ نے کہا ”تم نے وہ روپیہ صحیح مصروف میں خرچ کیا ہے۔“

علم و فضل | حضرت ربیعہ کی عاقلہ و فرزانہ والدہ ماجدہ نے جس خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ بیٹے کی تعلیم پر روپیہ خرچ کیا تھا، اس کا صلہ ان کو یہ ملا کہ ان کا فرزندِ ارجمند ایک غلام زادہ

ہونے کے باوجود علم و فضل کے آسمان پر مہر جہا نواب بن کر چمکا اور دنیا کو اپنی فیض بارش عاویں سے فائدہ پہنچایا۔ حضرت ربیعہ کی جلالت شان علم تمام علماء و محدثین میں مسلم ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں ”تمام علماء و محدثین اُن کی توثیق، جلالت، اور علم و فہم میں اُن کی بلندی مرتبہ پر متفق ہیں۔ ابن الماجشون کہتے ہیں ”میں نے ربیعہ سے بڑھ کر کوئی حافظ سنت نہیں دیکھا۔“ سوار بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ میں نے ربیعہ الرائی سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔ اس پر کسی نے اُن سے پوچھا ”حسن اور ابن سیرین بھی نہیں؟“ بولے ”ہاں حسن اور ابن سیرین بھی نہیں۔“ حافظ ذہبی تحریر فرماتے ہیں ”وکان اما ما حافظاً فیتھا مجتہداً بصیراً بالروائی۔“

حدیث | حضرت ربیعہ نے متعدد صحابہ کرام اور کئی ایک تابعین عظام سے فیض صحبت اٹھایا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ حدیث کے ممتاز حفاظ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ خطیب بغدادی اور حافظ ذہبی اُن کو ”حافظ للحدیث“ لکھتے ہیں۔ انہوں نے جن ائمہ حدیث کو روایت کی ہے اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں حضرت انس، سائب بن یزید، محمد بن یحییٰ بن السیب، قاسم بن محمد، ابن ابی لیلیٰ، اعرج، کحول، حنظلہ بن قیس الزرقی وغیرہم۔

حضرت ربیعہ کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ قیاس اور رائے سے زیادہ کام لیتے ہیں اسی بنا پر اُن کو رائی کہا جاتا تھا۔ لیکن وہ حافظ سنت تھے اور اُن کی جو رائے ہوتی تھی

سنت کی روشنی میں ہوتی تھی، چنانچہ عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے ایک مرتبہ اہل عراق کو خط لکھ کر کہا کہ اے عراق والو تم ربیعہ کو راعی کہتے ہو، حالانکہ میں نے اُن سے بڑا کوئی حافظ سنت نہیں دیکھا۔ حافظ ابن حجر اُن کو ثقۃ کثیر الحدیث بتاتے ہیں۔

فقہ حضرت ربیعہ کی کلاہ افتخار کا طرہ امتیاز ہے، اور اُن کی شہرت اسی میں زیادہ ہے وہ اس میں امامت و اجتہاد کا مرتبہ رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی انہیں امام فقیہ و مجتہد لکھتے ہیں خطیب بغدادی بھی انہیں حافظ للفقہ و الحدیث کا خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ امام مالک جو خود بہت بڑے فقیہ اور امام تھے، حضرت ربیعہ کی وفات ہوئی تو انہوں نے فرمایا "ذہبت حللۃ الفقہ فقہ کا مزہ ہی جا تا رہا۔" امام ابو حنیفہ بھی حضرت ربیعہ کے تلمیذ تھے۔ ابن زید کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو حضرت ربیعہ کی خدمت میں دیکھا ہے، ان کی بڑی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ربیعہ جو کچھ فرمائیں اُسے کما حقہ سمجھ لیں۔

ذہانت و فطانت اُن کے فقہی کمال کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ فطرۃ نہایت ذہین و فطین واقع ہوئے تھے یحییٰ بن سعید کہتے ہیں "میں نے ربیعہ سے زیادہ کوئی صاحب فطانت و ذہانت نہیں دیکھا۔" ایک دوسری روایت میں اُن کے الفاظ ہیں ما رأیت احداً اسدَّ عقلاً من ربیعۃ بن ابی عبد الرحمنؓ۔

فتویٰ اس فقہی کمال کی وجہ سے اُن کو مدینہ طیبہ میں افتاء کا شرف حاصل تھا۔ حافظ ابن حجر

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۸ ۲۔ خطیب بغدادی ج ۸ ص ۳۲۰ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۵۹

۴۔ خطیب بغدادی ج ۸ ص ۳۲۲ ۵۔ ایضاً ص ۳۲۳ ۶۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۵۸۔

لکھتے ہیں ”دکان صاحب الفتویٰ بالمدینۃ“

احتیاطاً لیکن فتویٰ دینے میں وہ بڑے محتاط تھے۔ جب تک کسی چیز سے متعلق اُن کو ذاتی طور پر تسلی و تشفی نہیں ہوتی تھی وہ اس پر کوئی حکم نہیں لگاتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کے مرض الموت میں عبدالعزیز بن ابی سلمہ نے اُن سے کہا ”ہم کو آپ اب تک تعلیم دیتے رہے ہیں لیکن ہمارے پاس بعض اوقات لوگ ایسی چیزوں کی نسبت سوال کرتے ہیں جن کے بارہ میں ہم نے آپ سے کچھ نہیں سنا، تو کیا ایسے مواقع پر آپ ہم کو اجازت دیتے ہیں کہ اپنی رائے سے کوئی فتویٰ دے دیں، کیونکہ ہماری رائے اُن کی رائے سے بہر حال بہتر ہوگی۔“ حضرت ربیعہ یثربی نے جواب دے کر فرمایا ”عبدالعزیز تم پر افسوس ہے، تم جاہل ہو کر مرنا یہ زیادہ بہتر ہے نسبت اس کے کہ تم کسی چیز کے متعلق بغیر علم کے کوئی حکم بیان کرو۔ پھر نہیں نہیں، تین مرتبہ فرمایا۔ یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں۔ حضرت ربیعہ بڑے بڑے مشکل مسائل کو حل کرتے تھے اور اہل مدینہ کے رئیس الفتویٰ تھے اہل عراق نے ان پر قیاس آرائی اور رائے زنی کی جو اہمیت لگائی تھی حضرت ربیعہ اُس سے بہت ناراض تھے۔ چنانچہ جب وہ عراق جانے لگے تو انہوں نے امام مالک سے فرمایا ”اگر تم یہ سنو کہ میں نے اہل عراق کے سامنے کوئی حدیث بیان کی ہے۔ یا کسی مسئلہ میں اُن کو فتویٰ دیا ہے تو تم مجھ کو ناقابل اعتبار چیز سمجھنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ عراق میں پہنچ کر بالکل خانہ نشین رہے۔ وہاں نہ کسی سے کوئی حدیث بیان کی اور نہ کسی مسئلہ

میں کوئی فتویٰ دیا۔

قضاہ | کمال فقہ کے باعث ابوعباس السفلح نے حضرت ربیعہ کو عہدہ قضا پیش کرنا چاہا تھا اور اس مقصد کے لیے کسی بہانہ سے اُس نے اُن کو انبارِ مبلو بھی لیا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سفاح کی اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ حضرت ربیعہ طبیعت کے نہایت خوددار اور آزادی پسند تھے اور وہ سفاح سے کشیدہ خاطر بھی رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ سفاح نے ان کی خدمت میں ایک تحفہ بھیجا تو انہوں نے اُس کو رد کر دیا۔ اس کے بعد اُس نے پچاس ہزار درہم بھیجے تاکہ حضرت ربیعہ اُن سے اپنی خدمت کے لیے کوئی نوادہ خرید سکیں۔ آپ نے یہ رقم بھی قبول نہیں کی۔ اس کے علاوہ آپ کے عہدہ قضا قبول نہ کرنے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ اس عہدہ کو ایک دنیا دارانہ مشغلہ تصور کرتے تھے چنانچہ ایک دن یحییٰ بن سعید سے انہوں نے باتوں باتوں میں قضا کی نسبت ارشاد فرمایا کہ یہ بہت بڑا لینے چیل ہے میں بہتر ہے جو تم دنیوی مال و متاع سے حاصل کرنی چاہتے ہو۔

درس جیسا کہ شروع میں گزر چکا ہے، حضرت ربیعہ مسجد نبوی میں حدیث کا اور فقہ کے مسائل کا درس دیتے تھے۔ جس میں بڑے بڑے اعیانِ علماء شرکت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اُن کے حلقہ میں چالیس بیٹے کے علماء شامل تھے جن کے سروں پر عمامہ بندھے ہوئے تھے۔ اُن کی تقریر عقل و حکمت کے مضامین سے پُر ہوتی تھی۔ ابنِ زید کا کابیان ہے کہ حضرت ربیعہ ایک زمانہ تک خانہ نشین رہے جس میں اُن کا مشغلہ عجز

شب در روز نماز پڑھنے کے اور کچھ نہیں تھا۔ پھر انہوں نے لوگوں میں نشست و برخاست شروع کر دی۔ اور وہ جب کبھی بولتے تھے عقل و حکمت کی باتیں کرتے تھے۔

تلاذہ اُن کے فیضانِ درس نے ایک کثیر جماعت کو علم و عمل کا پیکر بنا دیا۔ جن میں امام مالک بن انس یحییٰ بن سعید الانصاری، اور سلیمان التیمی، شعبہ، سفیان بن عیینہ، سفیان الثوری، حماد بن سلمہ، لیث بن سعد اور ابو زمرہ بھی شامل ہیں۔ یحییٰ بن سعید عمر میں حضرت ربیعہ سے بڑے تھے۔ لیکن بقول مستنبی۔

و شیخ فی الشباب ولیس شیخاً یسقی کل من بطن المشیباً

حضرت ربیعہ پھر بھتیجی کے شیخ تھے۔ اور وہ اگرچہ خود بھی اس پایہ کے عالم اور بزرگ تھے کہ حضرت ربیعہ کی غیر موجودگی میں بہترین حدیثیں لوگوں کو سناتے اور اُن کا درس دیتے تھے۔ لیکن شیخ کی عظمت و جلالتِ شان کا یہ عالم تھا کہ اثناءِ درس میں آجاتے تو یحییٰ رُک جاتے تھے۔

یحییٰ بن سعید تو پھر بھی تلمیذ تھے۔ حضرت ربیعہ کی امامت و وسعتِ نظر کا اعتراف خود اُن کے اساتذہ کو بھی تھا۔ چنانچہ قاسم بن محمد جو ان کے شیخ ہیں، ان کے پاس اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں فتویٰ لینے آتا اور انہیں اس کا جواب قرآن مجید یا سنت نبوی میں معلوم ہوتا تھا تو وہ اُسے فتویٰ دے دیتے تھے۔ ورنہ فرماتے کہ تم ربیعہ یا سالم کے پاس جاؤ۔

سیرتِ علی کمالات کے ساتھ وہ اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔

لے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۸، تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۸، تاریخ خلیفہ بغدادی ج ۸ ص ۴۳۲، لے ایضاً

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ وہ سلاطین و امراء کے عطیات قبول نہیں کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی خرچ کرنے میں بڑے فیاض تھے۔ اپنے ضرورت مند احباب، احباب کی اولاد اور شاگردوں کی ضرورتوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ابن وہب کا بیان ہے کہ ربیعہ بڑے سخی تھے۔ انہوں نے اپنے بھائیوں پر چالیس ہزار دینار خرچ کیے۔ ابن زید کہتے ہیں "میں نے مدینہ میں ربیعہ سے بڑا کوئی سخی نہیں دیکھا۔ ان کا مال جو کچھ ان کے پاس تھا، ان کے دوستوں، دوستوں کے بچوں یا سائلیں کے لئے وقف رہتا تھا۔ وہ جس طرح اپنا مال دوستوں کے لئے وقف رکھتے تھے اُنہی طرح ضرورت کے وقت ان کو دوستوں سے روپیہ طلب کرنے میں بھی تکلف نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اُن کے متعلقین نے کہا "آپ نے اپنا سب مال تو خرچ کر دیا۔ اب دوستوں سے طلب کرتے پھرتے ہیں آپ کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس کو آپ کی شان میں بڑے لگتا ہے" آپ نے فرمایا "میرا دوسرا دوستوں کا معاملہ ایک ہو میں نہیں سمجھتا کہ اُن میں سے کوئی مجھ کو میری علمی جاہت کی وجہ سے دیتا ہے۔"

قوت گویائی حضرت ربیعہ کلام بہت کرتے تھے۔ اُن کا مقولہ تھا کہ خاموش آدمی جوابیدہ اور گونگے کے درمیان ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک مرتبہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن حضرت ربیعہ اپنی مجلس میں تقریر کر رہے تھے کہ اتفاق سے ادھر ایک اعرابی آ نکلا، اور وہاں کھڑا ہو کر دیر تک آپ کی تقریر خاموشی کے ساتھ سنتا رہا، حضرت ربیعہ نے خیال کیا کہ اعرابی اُن کی طلاق لسانی اور فصاحت بیانی سے متاثر ہو گیا ہے، آپ نے اُس سے دریافت کیا

لے تذکرۃ المحفاظ ج ۱ ص ۱۴۹ لے تاریخ خطیب بغدادی ج ۸ ص ۴۲۴ لے تاریخ خطیب بغدادی ج ۸ ص ۴۲۲

لے شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۹۳۔

نے اعرابی! تم لوگوں کے نزدیک بلاغت کی کیا تعریف ہے؟“ اعرابی بولا ”مختصر لفظوں کے ساتھ معنی صحیح صحیح ادا کرنا“ پھر پوچھا ”اور مجھ عن الکلام کیلئے؟“ اُس نے جواب دیا ”جس میں تم مبتلا ہو“ حضرت ربیعہ کو یہ سن کر بڑی زحمت ہوئی۔

وفات حضرت ربیعہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ کوئی ۳۱۸ء بتاتا ہے۔ اور کوئی ۳۱۹ء لیکن مورخ الذکر روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں ”وقول من قال سنة ست وثلاثين ومائة“ صحیح ”علامہ ابن خلکان بھی اسی کو صحیح اور مؤرخین کا متفق علیہ بتاتے ہیں، اور دلیل یہ ہے کہ جیسا کہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے حضرت ربیعہ ہاشمیہ میں دفن کیے گئے تھے جس کو انبار میں سب سے پہلو خلیفہ عباسی سفاح نے آباد کیا تھا۔ اور سفاح بروز جمعہ ۱۳ ربیع الاول ۳۱۸ء تحت نشین ہوا ہے۔ اس بنا پر اگر ربیعہ کی وفات ۳۱۸ء میں تسلیم کی جائے تو پھر ہاشمیہ میں اُن کا دفن ہونا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔

محمد بن عجلان

نام نسب محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت، مدینہ کے رہنے والے۔ اور فاطمہ بنت الولید بن عقبہ بن ربیعہ کے غلام تھے، انہوں نے کم سنی میں بعض صحابہ کو دیکھا تھا۔ اس لیے اُن کا شمار صحابہ تابعین میں ہوا ان کے والد کا نام عجلان تھا جن کی نسبت خود محمد بن عجلان کا ایک عجیب بیان یہ ہے کہ وہ شکیم مادر میں تین سال رہے تھے۔

علم فضل | علم فضل اور زہد و اتقا کے لحاظ سے تابعین میں اُن کو مرتبہ بلند حاصل تھا۔ حافظ ذہبی انہیں الامام القدوة اور پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں ”وہ مفتی، فقیہ، عالم، عامل ربانی، بلند مرتبہ بزرگ تھے۔“

امام نووی لکھتے ہیں ”ابن عجلان امام، فقیہ اور عابد تھے“ ابن عماد کھنبلی کہتے ہیں ”وہ عابد، پابند شریعت اور صداقت شعار تھے“ ابن عجلان سرِ پاک پر علم و فضل تھے۔ عبد اللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ کوئی شخص ابن عجلان سے بڑھ کر علماء سے مشابہ نہیں تھا۔ میں اُن کو تمام اربابِ علم میں یا قوت سے تشبیہ دیتا تھا۔“

حدیث | حدیث میں اُن کو مرتبہ کمال حاصل تھا۔ حافظ ابن حجر و اقدی کا نقل نقل کر کے فرماتے ہیں ”ابن عجلان ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابو زرعہ، ابو حاتم، امام نسائی، عیسیٰ بن معین، اور ابن حبان سب اُن کو ثقہ تسلیم کرتے ہیں۔ ابن عیینہ سے کسی نے اُن کی نسبت دریت کیا تو کہا مکان ثقہ عالم تھے۔“

انہوں نے صحابہ کرام میں انس بن مالک اور ابو الطفیل سے اور تابعین میں اپنے والد واجد، عکرمہ، نافع، سعید المقبری، اور رجا بن حیوۃ، اعرج، اور ابو الزناد، زید بن اسلم وغیرہ سے ساری حدیث کیا تھا۔

درس | خاص مسجد نبوی میں درس دیتے تھے جس میں کثرت سے لوگ شریک ہوتے تھے۔

۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

حافظ ذہبی کا بیان ہے لِحَقِّقْ کَبِیْرَةً فِیْ مَسْجِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

ان کے خوشہ چینیوں میں اُمت کے ائمہ کبار شامل تھے۔ مثلاً عبید اللہ بن عمر، منصور

بن المعتمر، مالک بن انس، لیث بن سعد، ثوری، ابن عیینہ، حیوۃ بن شریح، شعبہ، قطان،

عبید اللہ بن ادریس، اور ولید بن مسلم۔

فقہ میں بھی اُن کو امامت کا مرتبہ حاصل تھا۔ ابن سعد، حافظ ذہبی اور امام نووی اُن کو

فقہیہ لکھتے ہیں۔ فتویٰ بھی دیتے تھے وکان یفتی۔

عبادت اور زہد | ان علمی کمالات کے ساتھ زہد و ورع بھی اُن کی تباہ کمال کا کلمہ زہریں تھا۔ حافظ

ابن حجر فرماتے ہیں ”وکان احدا العلماء العالمین“ حافظ ذہبی انہیں عامل ربانی لکھتے ہیں۔

ابن سعد انہیں ”عابدًا ناسکًا“ کہتے ہیں۔

جلالتِ شان | علمی و علمی کمالات کے باعث لوگ اُن کو مدینہ منورہ کا حسن بصری سمجھتے تھے۔ ایک

دفعہ کسی بات پر ناراض ہو کر گور مدینہ جعفر بن سلیمان نے اُن کو کوڑوں کی سزا دینے کا ارادہ کیا

تو لوگوں نے اُس سے کہا ”خدا تمہاری اصلاح کرے۔ اگر حسن بصری ایسا کرتے تو کیا تم اُن کو

بھی کوڑے لگواتے؟ اُس نے کہا ”نہیں“ لوگوں نے کہا ”تو پس ابن عجلان بھی مدینہ کے حسن

ہیں“ یہ سن کر جعفر اپنے ارادہ سے باز آگیا اور انہیں معاف کر دیا۔

وفات | بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اسکندریہ پہنچ کر کسی عورت سے بکھل کر کیا

تھا۔ لیکن وہاں موافقت نہ ہو سکی، آپ پھر مدینہ واپس آ گئے جہاں ۳۸ سنہ میں وفات پائی رحمہ

محمد بن اسحاق

نام و نسب | محمد نام ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام اسحاق تھا ان کے دادا یسار عین التمر کا امیر بن جنگ میں سے تھے۔ اسی بنا پر ابن اسحاق بھی قیس بن مخزوم بن مطلب کے غلام لکھے جاتے ہیں۔ علم و فضل | علم و فضل کے لحاظ سے ان کا شمار ممتاز تابعین میں ہے، علی الخصوص فن مغازی اور سیرت میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ ابن العمامہ کہتے ہیں ”وہ علم کے سمندر تھے۔ نہایت ذکی، قوی الحافظ، علم کے پرشوق طالب، عالم اخبار (روایات) ماہر انساب، اور علامہ روزگار۔“

حدیث | حدیث میں ان کو بڑا کمال حاصل تھا۔ شعبہ ان کو ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ اور ”امیر المحدثین“ کہتے ہیں۔ یزید بن ہارون کہتے تھے ”اگر میرے بس میں ہوتا تو میں محمد بن اسحاق کو محدثین کا امیر بنا دیتا۔“ علی بن المدینی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا دار و مدار چلنا شروع پر رہ گیا ہے۔ آپ نے ان سب کے نام لیے۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ ان چھ شخصوں کا علم بارہ علماء کی طرف منتقل ہو گیا۔ انہی میں سے ایک محمد بن اسحاق ہیں۔ ابو معاویہ کہتے ہیں کہ ابن اسحاق ان لوگوں میں سے تھے جو سب سے زیادہ قوی الحافظ ہیں۔ ”ابراہیم الحارثی کسی نے پوچھا ”محمد بن اسحاق کے بارہ میں کسی نے کلام کیا ہے؟“ بولے ”ان کی نسبت

لے تذکرۃ الصحاح ج ۱ ص ۱۰۷ شذرات الذهب ج ۱ ص ۲۳۰ لے تذکرۃ الصحاح ج ۱ ص ۶۶۳۔

لے تاریخ خلیفہ بغدادی ج ۱ ص ۲۱۹

سفیان بن عیینہ تو یہ کہتے تھے کہ جب تک یہ لڑکا محمد بن اسحاق زندہ رہیگا مدینہ میں علم باقی رہیگا علی بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے خود حضرت سفیان کی زبانی سنا ہے، فرماتے تھے ”میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو محمد بن اسحاق کو متہم کرتا ہو۔“ شعبہ ایک دوسرے مقولہ میں فرماتے ہیں ”اگر حدیث میں کسی کو سردار بنایا جائے تو محمد بن اسحاق اس کے مستحق ہیں۔“ امام زہری کا اعتماد امام زہری اُن کے اُستاد تھے۔ لیکن وہ خود محمد بن اسحاق کی وسعت علم کی قدر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام زہری کسی سفر میں جانے لگے۔ طلباء حدیث نے اُن کی دُور تک مشایعت کی تو آپ نے فرمایا ”تم میرے ساتھ کیوں جا رہے ہو میں نے تم میں ایک غلام اتول (محمد بن اسحاق) کو اپنا قائم مقام بنا کر چھوڑ دیا ہے۔“ ساجی کا بیان ہے کہ امام زہری کے اس ارشاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے طلباء کو امام زہری کی کسی روایت میں کوئی شک ہوتا تھا تو وہ محمد بن اسحاق سے ہی اُن کے حافظہ پر اعتماد کی وجہ سے رفع شک کرتے تھے۔ سفیان بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام زہری کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں محمد بن اسحاق آگئے۔ امام زہری نے اُن سے فرمایا ”دیر کہاں کر دی؟“ محمد بن اسحاق بولے ”کیا آپ کے ہاں دربان کے ہوتے ہوئے کوئی آسانی سے ابھی سکتا ہے؟“ امام زہری نے یہ سنکر فوراً دربان کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ محمد بن اسحاق جس وقت بھی آئیں اُن کو اندر آنے سے نہ روکا جائے۔ امام زہری کو محمد بن اسحاق پر جو اعتماد تھا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ فرماتے تھے ”جب تک محمد بن اسحاق مدینہ کے لوگوں میں رہینگے مدینہ میں علم بہت

وافر رہیگا۔

شیوخ انہوں نے حدیث میں قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، ابان بن عثمان، محمد بن علی بن الحسین، امام زہری، نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، ابن الملکندر، مکحول، ابراہیم بن عقبہ، حمید الطویل، سالم ابو النصر، ابوالزناد، عطار بن ابی رباح، عکرمہ، یزید بن ابی حبیب، یزید بن رومان وغیرہم رحمہم اللہ سے سماعت کی تھی۔ حضرت انس بن مالک اور سعید بن المسیب کو چین میں دیکھا تھا لیکن سماعت نہیں کر سکے۔ امام زہری سے خصوصیت تھی جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔

تلاذہ جن لوگوں نے ان سے استفادہ کیا اور ان کی حدیثیں قبول کیں ان میں چند اکابر علم و دین کے اسماء گرامی یہ ہیں حضرت سفیان، شعبہ ابن عیینہ، حماد بن یزید، حماد بن سلمہ، ابن المبارک، ابراہیم بن سعد۔

علم سیر و مخازی ان کا خاص فن سیر و مخازی تھا جس میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں ”وہ علم کے ظرف تھے، مخازی اور سیر کے علم میں بڑے ماہر و جبر، تھے پھر ان کے متعلق چند اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ”جس چیز پر عمل مقرر ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ ابن اسحاق مخازی اور ایام نبویہ کے بیان میں مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ بعض اوقات ایسی نوالی باتیں بھی بیان کر جاتے ہیں جن میں وہ منفرد ہوتے ہیں۔ امام زہری سے کسی نے پوچھا ”آپ محمد ابن اسحاق کی مخازی کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں؟“ بولے ”وہ توان روایات

کے سب سے بڑے عالم ہیں؟ امام شافعی فرماتے تھے ”جو شخص مغازی میں مہارت پیدا کرنی چاہتا ہے اُس کو بجز اس کے چارہ نہیں کہ محمد بن اسحاق پر اعتماد کرے۔“

اُن کی روایات مغازی نے اس قدر شہرت پائی تھی کہ بادشاہوں کی محفلوں تک میں انہی کا ذکر ہوتا تھا۔ چنانچہ ابن عدی کا بیان ہے کہ اگر محمد بن اسحاق کے لیے کوئی اُردو فضل نہ ہوتا اور صرف یہی ایک بات ہوتی کہ انہوں نے بادشاہوں کو بے معنی کتابوں کے مطالعہ سے منحرف کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مغازی اور آپ کی بعثت اور ابتداء آفرینش کے ذکر و اذکار کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ تو یہ بھی ایسی فضیلت ہے جس کی جانب انہوں نے نسبت کی ہے۔ اس میں شک نہیں اس کے بعد بھی اُن کے طرز پر بعض لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں لیکن وہ اُن کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔ اُن کی حدیثیں بہت مشہور ہوئیں۔ مگر میں نے اُن میں کوئی ایسی حدیث نہیں پائی جس کی وجہ سے اُن پر نصف کا قطعی حکم لگا دیا جائے، ہاں وہ بسا اوقات خطا بھی کر جاتے ہیں، یا کہیں کہیں انہیں کسی چیز میں شک ہو جاتا ہے لیکن اس طرح کی خطائیں تو دوسرے بھی کرتے ہیں اس سے اُن کی شان میں کوئی خاص نقص لازم نہیں آتا۔

جامعیت | وہ صرف علم حدیث و مغازی کے ہی بلند مرتب عالم نہیں تھے بلکہ ہر قسم کے علم و فن سے چمپی رکھتے اور اُس میں گفتگو کرتے تھے۔ عبد اللہ بن قائد بیان کرتے ہیں کہ ہم ابن اسحاق کے پاس بیٹھے تھے وہ جب کسی فن میں کلام شروع کرتے تو اسی مجلس میں ختم کر کے اٹھتے تھے۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں ”وہ سیر ومغازی کے عالم تاریخ عالم سے باخبر، آغاز آفرینش کی تاریخ سے واقف۔ اور انبیاء کرام کے قصوں سے آگاہ تھے۔ اور اُن سے ائمہ علماء نے روایت کی ہے۔“

ثقاہت | وسعتِ علم اور ثقاہت خصوصاً نقاد حدیث کی نگاہ میں دو مختلف چیزیں ہیں جہاں تک وسعتِ علم کا تعلق ہے، قریب قریب اس پر سب کا اتفاق ہے کہ محمد بن اسحاق علم کے ناپید الکا رہنمدر تھے۔ اور خصوصاً اُن کو سیر ومغازی کے علم میں امامت کا مرتبہ حاصل تھا۔ قدس کی کثرت روایات کا یہ عالم تھا کہ ابراہیم بن سعد کے پاس جو صرف احکام سے متعلق ابن اسحاق کی روایت کی ہوئی حدیثیں موجود تھیں اُن کی تعداد سترہ ہزار تھی۔ لیکن چند وجوہ سے اُن کی ثقاہت میں بڑا اختلاف ہے، ایک طرف سفیان بن عیینہ کا بیان یہ ہے کہ میں کچھ اور پرتشر سال تک محمد بن اسحاق کا ہم نشین رہا، اس مدت میں اہل مدینہ میں میں کوئی ایسا شخص نہیں پایا جو اُن کو مستم کرتا ہو، یا اُن کی شان میں کوئی ایسی ویسی بات کہتا ہو جو محض الغلابی نے بھیجی بن عیین سے اُن کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ”کان ثقۃ وکان حسن الحدیث“ اسی طرح اور بھی بعض بڑے بڑے ائمہ حدیث کے اقوال ہیں جن سے اُن کی ثقاہت کا ثبوت ملتا ہے لیکن ان کے برعکس دوسری جانب امام مالک اور مہشام بن عروہ نے ان پر سخت جرح کی ہے۔ اور اُن کو بالکل ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔

لہ تاریخ بغدادی ج ۱ ص ۲۱۵ لہ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۱

لہ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۱ لہ ایضاً ص ۳۹۔

امام مالک اور ہشام بن عروہ اس قدر سخت جرح کی وجہ کیا ہے؟ کیا وہ حقیقتاً ناقابل اعتبار تھے اور
کی شدید جرح کی وجہ یا اس جرح کی وجہ کچھ خارجی اسباب ہیں؟ بعض لوگوں نے کہا ہے

کہ محمد بن اسحاق امام مالک کی روایات پر زیادہ اعتنا نہیں کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ کسی
نے اُن کے سامنے امام ہمام کی چند روایتیں نقل کیں تو محمد بن اسحاق انہیں سن کر مہنس پڑے
اور پھر چپ ہو کر رہ گئے۔ ایک مرتبہ لوگوں سے کہاتم مجھ کو مالک کی حدیثیں سنایا کرو۔ میں اُن
کے مرض کا طبیب ہوں۔ امام مالک نے یہ سنا تو فرمایا ”اچھا! ابن اسحاق یہ کتنا ہے کہ میں مالک
کی حدیثوں کا طبیب (بیطار) ہوں! ہم نے تو اُس کو مدینہ سے جلا وطن کر دیا ہے۔“ اسی طرح
ہشام بن عروہ کی جرح کا سبب بھی بعض لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ محمد بن اسحاق ہشام کی بیوی
فاطمہ بنت المنذر سے احادیث کی روایت کرتے تھے۔ ہشام نے یہ سنا تو سخت برہم ہوئے
اور کہنے لگے ”ابن اسحق بالکل جھوٹ کہتا ہے، میری بیوی کو تو اُس کی نو برس کی عمر سے جب
سے میں نے اُس سے شادی کی ہے آج تک کسی مخلوق نے دیکھا ہی نہیں ہے لیکن ادنیٰ
مائل سے ان دونوں توجیہات کی رکاکت ظاہر ہو جاتی ہے۔ پہلی توجیہ کے غلط ہونے
کی دلیل تو یہ ہے کہ اگر بالفرض محمد بن اسحاق کی نسبت یہ ثابت بھی ہو جائے کہ وہ اپنے
آپ کو امام مالک کی احادیث کا ڈاکٹر کہتے تھے تب بھی امام مالک ایسے بلند مرتبہ اور
مسلم الثبوت امام عالی مقام سے یہ امر بہت مستبعد ہے کہ وہ محض اپنے ذاتی انتقام کی وجہ سے
ایک ثقہ کو کذاب اور دجال کہہ بیٹھیں۔ اب رہی ہشام کی جرح کی وجہ، تو اُس کی لغویت

اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ اُس عہد میں ستورات سے احادیث کے روایت کرنے کا عام دستور تھا۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ جو جلدِ وفات میں تھیں، پر دشمنِ خواتین میں گل سرسب کی حیثیت رکھتی ہیں، خود اُن سے کثرت سے روایتیں مروی ہیں۔ اس بنا پر ہشام کا محض یہ سن کر کہ محمد بن اسحاق اُن کی بیوی سے روایت کرتے ہیں۔ ناراض ہو کر اُن کو کذاب کہنا قطعاً غیر معقول بات ہے۔ پھر اُس پر طرہ یہ ہے کہ ہشام نے ابن اسحاق پر جو اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے میری بیوی کو دیکھا کس طرح؟ اُس کو تو نو برس کی عمر سے اب تک کسی نے دیکھا ہی نہیں۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کسی عورت سے کوئی روایت نقل کرنا اُس کے دیکھنے کو مستلزم نہیں ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ ہشام جیسا شخص اتنی ذرا سی بات کو نہ سمجھ سکے۔ اور وہ محض اپنی بیوی سے روایت کا ذکر سنتے ہی لعن ملعون شروع کر دے، اور تہمت طرازی کرنے لگے۔ اور وہ بھی کسی معمولی آدمی پر نہیں بلکہ محمد بن اسحاق ایسے سن رسیدہ صاحبِ علم و فضل پر۔

ان دلائل کی بنا پر ہمارے نزدیک یہ دونوں توجہیں بالکل غلط ہیں کہ ان سے محمد بن اسحاق کی ثقاہت ہی نہیں بلکہ خود امام مالک اور ہشام بن عروہ کی ثقاہت پر بھی حرف آتا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ خود محمد بن اسحاق میں جلالتِ علم کے باوصف بعض ایسی کوتاہیاں تھیں جن کے باعث امام مالک نے جو علامہ خلیف بغدادی کے قول کے مطابق متعید و تعبدیل میں اتنے سخت تھے کہ اربابِ صلاح و دیانت اور اصحابِ ثقاہت و امانت کی شان میں بھی بعض مرتبہ نکتہ چینی کرنے سے باز نہیں رہتے تھے۔ اُن پر شدید جرح کر دی۔ اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے

کہ بعض لوگوں نے خواہ محمد بن اسحاق کو کیسا ہی قوی الحافظ مانا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود انہیں اپنی قوت حفظ پر پورا اعتماد نہیں تھا۔ چنانچہ اُن کا معمول تھا کہ کسی شخص کے پاس پانچ یا اس سے زیادہ حدیثیں ہوتی تھیں تو وہ اُسے اپنی حدیث سنا کر فرماتے تھے ”تم اس کو میری خاطر اپنے پاس روایت رکھ لو، لیکن میں بھول جاؤں، تو تم مجھ کو یاد دلا سکو گے۔“ اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ وہ مغازی کی روایات قبول کرنے میں نہایت نرم واقع ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے اُن یہودیوں کی روایتوں کو بھی قبول کر لیا جو بعد میں اگرچہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن یہودیت کے زمانہ میں اُنہوں نے غزوہ خیبر وغیرہ کے جو واقعات جس طرح سنے تھے اُسی طرح اُن کو بے تکلف نقل کرتے تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی یہ سہل انگاری صرف مغازی کے معاملہ میں ہی نہیں تھی۔ بلکہ احادیث میں بھی وہ بعض اوقات اسی طرح کا تساہل کر جاتے تھے۔ امام احمد بن حنبل کے سامنے کسی نے اُن کا ذکر کیا تو فرمایا ”محمد بن اسحاق ایک شخص تھے جو احادیث کے بڑے شوقین تھے، انہیں لوگوں کی کتابیں ملتی تھیں تو اپنی کتاب میں درج کر لیتے تھے۔“ امام احمد سے ایک موقع پر کسی شخص نے پوچھا ”اگر ابن اسحاق کسی روایت میں منفرد ہوں تو آپ اسے قبول کر لینگے؟“ فرمایا ”نہیں! خدا کی قسم میں نے اُن کو دیکھا ہے کہ وہ ایک ہی حدیث کو ایک عبت سے نقل کرتے تھے اور پھر اس کے اور اُس کے کلام میں کوئی فصل نہیں کرتے تھے۔“

تیسری وجہ یہ ہے کہ اُن پر قدری ہونے کا شبہ تھا۔ اور بعض لوگوں کے اقوال سے اس شبہ کی تقویت بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ جیم سے کسی شخص نے امام مالک کا قول اُن کی نسبت نقل

کیا تو انہوں نے کہا "یہ حدیث کی نسبت نہیں ہے۔ اور وہ مغازی کے بارہ میں ہے بھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک وہ قدریہ عقائد سے منہم تھے جو وحیم نے تو صرف اتہام کا ہی ذکر کیا ہے۔ ہارون بن معروف صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ وہ قدری تھے مکی بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ محمد بن اسحاق نے صفات باری سے متعلق ایسی احادیث بیان کیں کہ مجھ کو ان سے نفرت ہو گئی اور میں پھر ان کے پاس کبھی نہیں گیا۔ ابن غسان کہتے ہیں "میں ۱۹۳ھ میں مدینہ طیبہ میں تھا، وہاں یزید بن ہارون حدیث کا درس دیتے تھے۔ میں بھی اُس میں شریک ہوتا تھا۔ اور اس حلقہ میں خاص اہل مدینہ کی بھی ایک جماعت ہوتی تھی۔ ایک دن انہوں نے درس دیتے دیتے محمد بن اسحاق کی چند روایتیں بیان کرنی شروع کر دیں۔ اہل مدینہ یہ سُنتے ہی کہنے لگے "بس حضرت! ان کی حدیثیں سہنے دیجیے، انہیں تو ہم خوب پہچانتے ہیں" یزید بن ہارون نے ہر چندان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن یہ ایک نہ مانے اور بالآخر انہیں درس ختم کرنا پڑا، پھر اس کے علاوہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے کبھی کبھی ایسے افعال بھی سرزد ہو جاتے تھے جن کی وجہ سے محدثین اور خصوصاً نقاد حدیث کی نظر میں ان کو پایہ ثقاہت و حجیت حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ مثلاً ابن ابی عدی کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق مرغوں سے کھیلتے تھے بلکہ ظاہر ہے یہ باتیں ثقاہت کے سخت منافی ہیں۔

ان وجہ کی بنا پر تنہا امام مالک اور مہشام بن عروہ ہی نہیں بلکہ اور بھی متعدد دائمہ حدیث نے اُن کو حجت ماننے سے انکار کیا ہے۔ امام ضائی کہتے ہیں ”وہ قوی نہیں ہیں“ دارقطنی کا قول ہے ”اُن سے احتجاج نہیں ہو سکتا“ محمد بن عبد اللہ بن نمیر کہتے ہیں ”محمد بن اسحاق کی مصیبت یہ ہے کہ وہ بعض اوقات جھول لوگوں کی روایت سے باطل حدیثیں نقل کر دیتے ہیں“ ابو عبد اللہ کا بیان ہے ”محمد بن اسحاق بغداد آئے تو وہ ہر کس و ناکس سے روایت کر دیتے تھے، اور ثقہ، غیر ثقہ میں امتیاز نہیں کرتے تھے“۔

میں نے اپنے استاد حضرتنا العلام مولانا سید محمد انور شاہ لکھنویؒ سے صحیح بخاری کے درس میں یہ بھی سنا ہے کہ دراصل اخیر عمر میں تقاضے پیری سے محمد بن اسحاق کا حافظہ بہت کمزور ہو گیا تھا، اور اس پر طرفہ یہ ہوا کہ اُن کا مجموعہ احادیث جس سے وہ روایتیں نقل کرتے تھے کسی حادثہ سے نذر آتش ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ روایتیں پھر بھی بیان کرتے اور اُن میں زیادہ احتیاط نہیں برتتے تھے۔ اس بنا پر صحیح روایتیں غیر صحیح روایتوں سے اس طرح خلط ملط ہو گئیں کہ اُن میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔ واللہ اعلم

اس تقریر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق کی جلالتِ شان اور وسعتِ علم مسلم، لیکن محدثین کے خاص معیار کے مطابق اُن کی منفرد روایتوں کو لائقِ احتجاج قرار نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ حافظ ذہبی کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ فرماتے ہیں ”محمد بن اسحاق علم کے ظرف تھے مغازی اور سیر کا علم بہت وسیع رکھتے تھے لیکن وہ ان چیزوں میں یقینی طور پر حجت نہیں اُن

کی حدیث پایہ صحت سے فروتر ہے۔ اگرچہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے سچے اور پسندیدہ ہیں۔ پھر آگے چل کر فرماتے ہیں ”وہ حلال و حرام میں محبت نہیں۔ مگر ہاں ایسے کچھ زیادہ کمزور بھی نہیں ہیں۔ اُن سے فی الجملہ سنبھال جاسکتی ہے۔“

تصانیف | انہوں نے سیرت اور تاریخ پر کئی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ فرست ابن ندیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی مشہور تصنیف کتاب المغازی کے علاوہ ایک کتاب کتاب الخلفاء اور ایک کتاب السیرۃ و المبتدأ کے نام سے بھی تھی۔

ان کی مشہور کتاب سیرت ابن اسحاق ہے۔ ابن ہشام میں کثرت سے اسی کتاب سے روایتیں اخذ کی گئی ہیں۔ اس کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن اسحاق خلیفہ عباسی ہمدی کے پاس گئے تو اُس وقت اُس کے پاس اُس کا بیٹا موجود تھا۔ ہمدی نے کہا ”اے ابن اسحاق! آپ اسے پہچانتے ہیں؟“ بولے ”کیوں نہیں؟“ ہمدی نے کہا ”تو اچھا! آپ اس لڑکے لیے ایک ایسی کتاب لکھیے جس میں حضرت آدم کی پیدائش سے لے کر اب تک کے تمام حالات و واقعات مذکور ہوں“ آپ نے اس فرمائش کی تعمیل میں یہ کتاب لکھ کر پیش کی تو ہمدی نے کہا ”یہ تو بہت طویل ہو گئی ہے۔ اسے مختصر کر دیجئے“ چنانچہ انہوں نے اس کو

مختصر کر دیا۔ اور جو مفصل کتاب تھی وہ خزائن شاہی میں محفوظ کر دی گئی۔ علامہ بغدادی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ راوی نے یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا ہے لیکن میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ ابن اسحاق بجلے ہمدی کے منصور کے پاس گئے ہو گئے، اور اُس وقت

اس کے پاس ہمدی موجود ہوگا۔ پھر منصور کی فرمائش پر انہوں نے یہ کتاب ہمدی کے لیے لکھی ہوگی۔
 وفات | پہلے وہ مدینہ طیبہ میں رہتے تھے پھر کوفہ، جزیرہ اور رے وغیرہ مختلف مقامات میں پھرتے
 رہے، آخر میں بغداد میں مقیم ہو گئے اور یہیں ۱۵۱ھ یا ۱۵۲ھ میں منات پانی، اور مقبرہ خیزران
 میں دفن ہوئے۔

اتباع تابعین و غیر ہم

عبداللہ بن مبارک

نام و نسب | ابو عبدالرحمن کنیت عبداللہ نام والد کا نام مبارک تھا جو بنو حنظلہ کے ایک شخص کے غلام تھی مبارک اپنے آقا کے نہایت مطیع و فرماں بردار غلام اور پرہیزگار و متقی تھے، یہ باغ میں کام کرتے تھے ایک مرتبہ ان کے آقا نے ان سے ایک ترش انار طلب کیا تو انہوں نے شیریں انار لے کر پیش کر دیا آقا کو بڑا غصہ آیا۔ اور کہا ”تم شیریں اور ترش میں بھی امتیاز نہیں کرتے“ بولے ”ہاں“ اُس نے وجہ پوچھی تو کہا ”آپ نے مجھ کو ترش انار کھانے کی اجازت نہیں دی ہے“ آقا نے اس بات کی تحقیق کی تو ثابت ہوا کہ مبارک نے جو کچھ کہا تھا درست تھا اس شخص کو مبارک کی اس وجہ سے دیا ننداری پر سخت حیرت ہوئی۔ اور اسی دن سے اُس کو ان کے ساتھ... گرویدگی پیدا ہو گئی اس کے ساتھ ایک اور واقعہ یہ پیش آیا کہ مبارک کے آقا نے اپنی لڑکی کی شادی کرنی چاہی تو ان سے دریافت کیا ”مبارک! میں اپنی اس بیٹی کی شادی کس سے کروں؟“ انہوں نے کہا ”عہدِ جاہلیت میں لوگ حسب کی تلاش کرتے تھے۔ یہودیوں کو داماد بنانے کے لیے مالدار کی جستجو ہوتی تھی، اور عیسائی جمال کو اہمیت دیتے تھے لیکن اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک

دیندار ہونا شرط شادی سمجھا جاتا ہے۔ مبارک کے آقا کو ان کا یہ جواب بہت پسند آیا اور اُس نے اپنی بیوی سے جا کر کہا ”میری بیٹی کا شوہر بننے کے لیے مبارک سے زیادہ مناسب کوئی اور شخص نہیں ہے۔ آخر کار میاں بیوی دونوں راضی ہو گئے اور اُس لڑکی کی شادی مبارک سے کر دی گئی۔“

ملاوت حضرت عبداللہ اسی بیوی کے بطن سے مرد میں ۱۱۸ سالہ میں پیدا ہوئے اور اس مرد کی نسبت سے ہی مروزی کہلائے۔

تعلیم و تربیت ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہونے کے باعث حضرت عبداللہ سے آثار کمال ترقی بچپن سے ہی ظاہر ہونے لگے تھے۔ انہیں طلب علم کا اتنا شوق تھا کہ کم عمری میں بھی اس مقصد کے لیے سفر کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے ”ابن مبارک کے زمانہ میں اُن سے زیادہ طلب علم کرنے والا کوئی نہیں تھا۔“ ابو اسامہ شہادت دیتے ہیں ”میں نے دنیا میں عبداللہ بن مبارک سے زیادہ طلب علم کا جذبہ رکھنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔“ انہیں طلب علم کے شوق میں اپنی حیثیت کی بھی پروا نہیں ہوتی تھی ہر چھوٹے اور بڑے سے علم حاصل کرتے تھے۔“

علم و فضل اس شوق و ذوق اور محنت و جستجو کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ہر علم و فن میں کمال حاصل ہو گیا۔ بڑے بڑے ائمہ عصر اُن کی جامعیت علوم و فنون اور مہارت کا اعتراف کرتے تھے جہاں

لے شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۹۶ لے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۳ لے تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۸۳

لے تہذیب الاسرار ج ۱ ص ۲۸۶ -

ذہبی فرماتے ہیں "ابن مبارک امام حافظ، علامہ شیخ الاسلام، فخر المجاہدین قدوة الزاہدین تھے، عملی انہیں
تاج العلم کہلاتے ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں

كان في خصال له يجمع في أحداً ابن مبارک میں اہل علم کے اتنے خصال جمع ہو گئے
من اهل العلم في زمانه في الاوص تھے کہ ان کے نانہ میں تمام روئے زمین پر کسی
کلمہ تھا۔ میں جمع نہیں ہوئے تھے۔

امام نووی فرماتے ہیں "عبد اللہ بن مبارک کی امامت و جلالت پر سب کا اتفاق ہے وہ علم
چیزوں میں امام تھے ان کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی تھی اور ان کی محبت کی وجہ سے بخشش کی
توقع کی جاتی تھی علامہ ابن سعد لکھتے ہیں "ابن مبارک نے علم طلب کیا، روایات کثیرہ بیان کیں،
علم کے مختلف ابواب و اقوال پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ زندہ ہیں اور ترغیب جہاد میں اشعار
کے علم کثیر کی سماعت کی۔ وہ مقبر تھے، مقتدا، محبت اور کثیر احادیث تھے،

حدیث | حدیث ان کا خاص فن تھا اس کے لیے انہوں نے شام، مصر، یمن، حجاز اور عراق کے
طویل و دشوار سفر کیے، اور اس زمانہ کے جلیل القدر ائمہ حدیث سے استفادہ کیا۔ چنانچہ ان کے شیوخ
کی فہرست بہت طویل ہے جس میں سے چند نام یہ ہیں۔

شیوخ | سلیمان التیمی، سلیمان الاعمش، حمید الطویل، عبد اللہ بن عون، یحییٰ بن سعید الانصاری، عیسیٰ
بن عقبہ، ابن جریج، مالک بن انس، سفیان الثوری، شعبہ، اوزاعی، ابو حوانہ، زہیر بن معاویہ۔

۱۔ تذکرۃ المخلفات ج ۱ ص ۲۵۳ ۲۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۸۶ ۳۔ تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۲۸۵
۴۔ ایضاً ص ۲۸۶ ۵۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۱ ص ۱۵۲۔

ہمارے بنی ان اکابر امت کے فیض النغات اور خود اپنے ذاتی ذوق و شوق کے باعث عبداللہ بن مبارک حدیث کے دریائے پیکراں بن گئے۔ اُن کی ہمارت و امامت کی شہرت دور دور پہنچ گئی تھی اور بعض وہ امام جن سے سماع حدیث کا اشتیاق ابن مبارک رکھتے تھے خود وہ انکی حدیث سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ احمد بن حنبل کا بیان ہے ”عبداللہ بن مبارک پہلی مرتبہ حماد بن زید کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا ”آپ کہاں سے آرہے ہیں؟“ بولے ”خراسان سے“ پوچھا ”خراسان کے کس شہر سے؟“ جواب دیا ”مرو سے“ پھر دریافت کیا ”وہاں ایک شخص ہیں جن کا نام عبداللہ بن مبارک ہے۔ آپ انہیں بھی جانتے ہیں؟“ کہا ”ہاں جانتا ہوں“ پوچھا ”وہ کس طرح ہیں؟“ بولے ”ابن مبارک ہی تو اس وقت آپ سے خطاب کر رہا ہے“ حماد بن زید یہ سن کر بے تاب ہو گئے۔ ان کو سلام کیا اور مرجع کیا۔

ابن ہمدی کہتے تھے ”ائمہ چارہی ہیں امام مالک، ثوری، حماد بن زید اور ابن مبارک“ شعیب بن حرب کا بیان ہے ”ابن مبارک جیسا کوئی شخص نہیں تھا“ شعیب کا بیان ہے ”ہمارے پاس ابن مبارک ایسا بزرگ کوئی نہیں آیا۔“ ابو اسامہ انہیں ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ بتاتے ہیں شعیب بن حرب نے ایک مرتبہ کہا ”میں نے ہر چند یہ چارہ سال میں تین دن کے لیے ابن مبارک جیسا بنجاؤں لیکن نہ بن سکا“

ایک مرتبہ یحییٰ بن عیین کے سامنے کسی نے ابن مبارک کا ذکر کیا تو فرمایا ”سید من سادات المسلمین“ فضیل کہتے ہیں ”رب کعبہ کی قسم میری آنکھوں نے ابن مبارک جیسا کوئی

شخص نہیں دیکھا:

اصحابِ حدیث میں اگر کبھی اختلاف ہوتا تو ابنِ مبارک کی طرف رجوع کرتے تھے فضالہ التوسی کہتے ہیں ”میں کوفہ کے علماء حدیث کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا۔ ان حضرات میں اگر کسی حدیث سے متعلق نزاع ہوتا تھا تو یہ کہتے تھے ”چلو حدیث کے اُس طبیب کے پاس چلیں اور اس حدیث کے بارہ میں پوچھیں۔ یہ طبیب عبداللہ بن مبارک تھے۔“

وقتِ حافظہ | حدیث کے لیے قوتِ حافظہ شرطِ اولیٰ ہے۔ عبداللہ بن مبارک کو قدرتِ اس نعمت سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ صحیح حضرت عبداللہ بن مبارک کے ایک دوست تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں ایک مرتبہ میں اور ابنِ مبارک دونوں ایک مقام سے گذر رہے تھے۔ وہاں دیکھا کہ ایک شخص خطبہ دے رہا ہے خطبہ طویل تھا، ہم دونوں سُننے رہے۔ خطبہ کے ختم پر ابنِ مبارک بولے ”مجھ کو یہ تمام خطبہ یاد ہو گیا۔ جماعت میں سے کسی شخص نے یہ فقروں سے کیا۔ بولا ”اچھا سناؤ“ ابنِ مبارک نے فوراً وہ خطبہ از اول تا آخر سنا دیا۔“

اعتباط | اس علم و فضل اور قوتِ حافظہ کے باوجود وہ محتاط اس قدر تھے کہ محض حافظہ سے روایت نہیں کرتے تھے بلکہ کتاب دیکھ کر روایت کرتے تھے کسی نے اُن سے پوچھا ”ابو عبد الرحمن! آپ احادیث یاد کرتے ہیں؟“ یہ سُننے ہی رنگ بدل گیا۔ اور فرمایا ”میں نے کبھی کوئی حدیث یاد نہیں کی ہے۔ میں کتاب اٹھاتا ہوں اور اُس میں غور و خوض کرتا ہوں، پھر جو روایت مجھ کو پسند ہوتی ہے وہ خود بخود دل میں بیٹھ جاتی ہے۔“ امام احمد بن حنبل فرماتے

لے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۵ لے تاریخ خلیف بغدادی ج ۱ ص ۱۵۶ لے ایضاً ص ۱۶۵ لے ایضاً ص ۱۶۵

ہیں "ابن مبارک صاحب حدیث اور حافظ حدیث تھے اور کتاب سے حدیث بیان کرتے تھے" ابن معین کا بیان ہے کہ "وہ ثقہ اور ثبت فی الحدیث تھے ان کی کتاب میں جو احادیث درج تھیں ان کی تعداد میں ہزار کے قریب تھی

ابن مبارک نے اپنی کتاب میں منتخب احادیث کا ایسا وسیع ذخیرہ جمع کیا تھا کہ جو حدیث اس میں نہیں ملتی تھی لوگ اس سے مایوس ہو جاتے تھے۔

حدیث شنف | حدیث سے شنف کا یہ عالم تھا کہ علی بن الحسن بن یقین کا بیان ہے "ایک مرتبہ سردی کی رات میں ابن مبارک (غالباً عشا کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہے تھے کہ دروازہ پر مجھ سے ملاقات ہوئی اور ایک حدیث پر گفتگو ہونے لگی، اس گفتگو کو اتنی طوالت ہوئی کہ فجر کی نماز کا وقت آگیا اور مؤذن نے اذان دینی شروع کر دی تھی۔

اسی شنف باحدیث کی وجہ سے وہ باہر کم نکلتے تھے۔ زیادہ تر گھر میں ہی بیٹھے ہوئے احادیث و آثار کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے پوچھا "آپ کو مکان میں تنہا بیٹھے رہنے سے وحشت نہیں ہوتی؟" فرمایا "بھلا وحشت مجھ کو کس طرح ہو سکتی ہے جبکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہوتا ہوں۔

۱۱۰ | اہل لوگوں کے سامنے حدیث روایت نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ناشی شخص حضرت ابن مبارک کے پاس آیا اور روایت حدیث کی درخواست کی آپ نے انکار کر دیا

لے تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۸۵ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۴ ۳۷ ایضاً ج ۱ ص ۲۵۵

۳۷ تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۱۵۴۔

ہاشمی نے اپنے لازم سے کہا "چلو" اور سواری پر بیٹھ کر جانے لگا۔ ابن مبارک نے فوراً اٹھ کر کا تجھام لی۔ ہاشمی بولا "ابن مبارک! آپ حدیث تو سناتے نہیں اور یوں میری رکاب ختم ہو رہی ہے" فرمایا "میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تمہارے لیے اپنے بدن کو ذلیل کر دوں لیکن حدیث تمہاری غلطی ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔"

اسناد کا اہتمام | روایت کے معاملہ میں اسناد کا بڑا اہتمام کرتے تھے سیب بن واضح کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے ابن مبارک سے دریافت کیا کہ ہم کس سے علم حاصل کریں؟ فرمایا "ان لوگوں سے جنہوں نے علم محض اللہ کے لیے طلب کیا ہو اور اسناد کے معاملہ میں سخت ہوں۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کی ملاقات کسی ثقہ شخص سے ہوتی ہے لیکن اُس کی ملاقات غیر ثقہ سے ہوتی ہے اور وہ اُس سے روایت کر بیٹھتا ہے اور کبھی اُس کے برعکس ہوتا ہے۔ روایت کو چاہیے کہ ثقہ عن ثقہ مروی ہو۔"

فتہ | فقہ میں بھی بڑا کمال رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجر، علامہ ذہبی، امام نووی، ابن عساکر، ابن سب | اُن کو فقہ کہتے ہیں۔ امام مالک فرماتے تھے "یہ ابن مبارک خراسان کے فقیہ ہیں۔ ابن شماس کہتے تھے "میں نے سب سے بڑے فقیہ کو دیکھا ہے اور سب سے بڑے متقی کو بھی، اور سب سے زیادہ قوی حافظ رکھنے والے کو بھی۔ سب سے بڑے فقیہ ابن مبارک ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کی موجودگی میں بڑے بڑے محدث علماء و فقہاء مسئلہ بتانے سے احتراز کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت سفیان ثوری سے کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے دریافت کیا "ہم کہاں سے آئے ہو؟"

بولے "میں اہل مشرق میں سے ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس مشرق کا سب سے بڑا عالم نہیں ہے؟" اُس شخص نے کہا "وہ کون ہیں؟" بولے "عبداللہ بن مبارک" یسٹن کرسائل نے تعجب سے کہا "تو کیا ابن مبارک مشرق کے سب سے بڑے عالم ہیں؟" حضرت ثودی نے جواب دیا "ایک مشرق ہی کیا وہ تو مغرب کے بھی سب سے بڑے عالم ہیں۔"

جامیت | ابن مبارک علمی و عملی کمالات کے ایک ایسے گلہ سڑہ سدا بہار تھے کہ ان کی جس کسی خصلت کو دیکھا جاتا تھا وہ سب محو حیرت ہو کر رہ جاتی تھی اور بے ساختہ زبان سے شیعر نکل جاتا تھا۔

زفر ق تابعتم دم ہر کہا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایست

عموماً دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ ارباب درس و تدریس اور اصحاب علم و فضل ہوتے ہیں، ادا و مرد افکن جنگ کے حریف بننے کی تاب ان میں کم ہوتی ہے۔ اور جو لوگ کتاب بینی میں زیادہ وقت گزارتے ہیں ان کے گھوڑے میدان غزائیں سرپٹ نہیں دوڑتے لیکن ابن مبارک کی ذات بیک وقت تمام علمی و عملی کمالات کی جامع تھی۔ عباس بن مصعب کہتے ہیں "ابن مبارک حدیث، فقہ، حدیث، ایام رجال، بہادری، سخاوت، تجارت، ہر لغزنی، ان ظلم کے جامع تھے۔" یوحنا بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن مبارک کے اصحاب جمع ہوئے اور انہوں نے کہا کہ آؤ ابن مبارک کے خصائل و شمائل کو شمار کریں، چنانچہ انہوں نے بالاتفاق کہا "ابن مبارک کی ذات ستودہ صفات میں علم، فقہ، ادب، سخاوت، شہر و فصاحت

زہد، تقویٰ، نحوشی، قیام لیل، عبادت، حج، غزوہ، شہسواری، شجاعت، تندرستی و توفیق، فضول اور نعماتوں سے اجتناب، اپنے ساتھیوں سے اختلاف کم کرنا، یہ تمام صفات جمع تھیں، حافظ ذہبی بڑے پُر اشتیاق انداز میں لکھتے ہیں ”خدا کی قسم! میں عبداللہ بن مبارک سے محبت فی اللہ کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ اُن کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھ کو بھلائی عطا فرمایگا کیونکہ اللہ نے ان کو ہر ہیزگاری، عبادت، اخلاص، جہاد، وسعت علم، پختہ بینی، ہمدردی، عسکری، مروت اور دوسری صفات حمیدہ سے متصف کیا ہے۔“

اُن کی اس شانِ جامعیت کے باعث ابو اسحاق الفزاری انہیں امام المسلمین کہتے تھے۔ مرحومہ خلافت حضرت عبداللہ بن مبارک کے فضل و کمال کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی، لوگ اُن کی زیارت و ملاقات کے لیے بے چینی کے ساتھ کسی مناسب موقع کے منتظر رہتے تھے۔ عبدالرحمن بن زید کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام اوزاعی نے اُن سے پوچھا ”تم نے کبھی عبداللہ بن مبارک کو بھی دیکھا ہے؟“ اُنہوں نے کہا ”نہیں“ فرمایا:

لورائت لقرت عینکؐ اگر تم انہیں دیکھ لیتے تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں

وہ جہر جلتے تھے ارادتمندوں اور عقیدت گساروں کا جھگٹا لگ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید رقبہ میں فروکش تھا کہ اسی اثنا میں حضرت عبداللہ بن مبارک کے یہاں تشریف لانے کی خبر پہنچی۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی لوگ بے تحاشہ دوڑ پڑے اور اس قدر

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۸۵ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۳

۳۔ خطیب بغدادی ج ۱۰ ص ۱۶۲ ۴۔ ایضاً ص ۱۵۷

کشمکش ہوئی کہ جو تیاں ٹوٹ گئیں ہزاروں آدمی استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل پڑے تھے،
 نصار پر غبار چھا گیا تھا۔ ہارون الرشید کی ایک حرم (ام ولد) نے محل کے برج پر سے جو یہ تماشا دیکھا
 تو پوچھا ”یہ کیا معاملہ ہے؟“ حاضرین نے کہا ”خراسان کے ایک عالم حن کا نام عبداللہ بن مبارک
 ہے۔ رقمہ آرہے ہیں۔ بولی ”بخدا! بادشاہ تو یہیں، بھلا ہارون کیا بادشاہ ہے جو پولیس اور سپاہیوں
 کے بغیر لوگوں کو جمع کر ہی نہیں سکتا“

جب حضرت عبداللہ بن مبارک مرو سے روانہ ہوئے تو اہل مرو کو آپ کی جدائی کی
 سخت رنج و قلق ہوا۔ ایک شاعر نے ان لوگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا۔

اذا سار عبدُ اللہ من مریلہ ففقد سارمہا نورہا وجما لہا
 اذا ذکر الاحبار فی کتب بلدہ فھما نجمہ فیہا وانت ہلا لہما

ترجمہ:- عبداللہ رات کے وقت مرو سے روانہ ہوئے تو گویا مرو کا تمام نور اور جمال وہاں سے
 چلا گیا۔ ہر شہر کے بڑے بڑے علماء کا اگر ذکر کیا جائے تو وہ سب تلکے ہو گئے اعلیٰ ابن
 مبارک آپ ان میں ہلال کی طرح چمکتے ہوئے تھے۔

علماء میں وقت | عامۃ الناس کا کیا ذکر؟ بڑے بڑے ائمہ اور ائمہ حدیث و فقہ ان کا غایت درجہ
 احترام کرتے تھے اور ان کے استقبال و مشایعت کو اپنا فرض و عہد و عہد مند ہی سمجھتے تھے۔ عبداللہ
 بن سنان کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک مکہ سے روانہ ہوئے تو سفیان بن عیینہ اور
 اوفیٰ بن عیاض ان کی مشایعت کے لیے دور تک ساتھ گئے۔ ان میں سے ایک نے ابن مبارک

کی طرف اشارہ کر کے کہا "یقیناً اہل مشرق ہیں" دوسرے نے کہا اور فقیہ اہل مغرب بھی
 یحییٰ بن یحییٰ لاندی کہتے ہیں "ایک مرتبہ ہم امام مالک کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ
 ابن مبارک آگئے۔ انہوں نے شرکتِ مجلس کی اجازت چاہی، امام مالک نے اجازت دے
 دی۔ وہ تشریف لائے تو امام مالک نے اپنی نشست کو بدل دیا اور حضرت ابن مبارک کو اپنے
 پاس بٹھایا یحییٰ کا بیان ہے کہ امام مالک کسی شخص کے لیے بھی اپنی مجلس میں تبدیلی یہ انہیں
 کرتے تھے پتہ

حسن اب | ابن مبارک حسن اب کے جوہر سے بھی حصہ وافر رکھتے تھے۔ اُن کے سامنے اگر کوئی
 قرأتِ حدیث کرتا تھا تو وہ اُس سے کسی عبارت کو دوبارہ نہیں پڑھواتے تھے بلکہ خاموشی کے
 ساتھ سنتے رہتے تھے۔ ابن ہمدی کا بیان ہے۔ ابن مبارک ادب عندنا من الشوریٰ
 ایک دفعہ امام مالک حدیث کا درس دے رہے تھے جس میں ابن مبارک بھی اتفاقاً شریک
 ہو گئے تھے۔ ایک تلمیذ قرأت کر رہا تھا اس درس میں متعدد مواقع پر امام مالک نے حضرت ابن
 مبارک سے بعض حدیثوں اور مسائل کی نسبت دریافت کیا کہ ان کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ وہ از
 راجح ادب چپکے چپکے جوابات دیتے رہے۔ امام مالک کو حضرت ابن مبارک کے اس ادب پر
 بڑا تعجب ہوا اور جب وہ چلے گئے تو فرمایا "یہ ابن مبارک فقیہ خراسان تھے پتہ"

عبادت | ان علمی و اخلاقی کمالات کے ساتھ عبادت گزار بھی بہت تھے نسیم بن حماد کہتے ہیں میں
 نے ابن مبارک سے زیادہ نہ تو کوئی عقلمند دیکھا ہے۔ اور نہ اُن سے زیادہ کوئی عبادت گزار دیکھا

خوب خدا اُن پر خوفِ خدا کا غلبہ اس درجہ تھا کہ زہد سے متعلق احادیث یا آیات پڑھتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ فزع کیے ہوئے پیل میں گھٹی بندھ جاتی تھی اور وہ بولنے پر بالکل قادر نہیں ہوتے تھے۔
 فصاحت | فصاحت کا کمال بھی اُن میں اس قدر تھا کہ تمام علما و عصر اس کا اعتراف کرتے تھے۔
 ابن جریج تو یہاں تک کہتے ہیں کہ میں نے ابن مبارک سے بڑا کوئی عرواتی فصیح نہیں دیکھا۔
 شاعری | اپنے علمی و مذہبی مشاغل کے ساتھ کبھی کبھی شریعت بھی کہہ لیا کرتے تھے لیکن اُن میں عام شاعری سے الگ حکمت و نصیحت کی باتیں بیان کرتے تھے اُن کا نمونہ کلام یہ ہے۔

قد یفهم المرء حبانو ثا لمت جبرہ وقد فحمت لك الحانوت بالدين
 بدن الاساطين حانوت بلا غلغلي تتباع بالدين اموال المساكين
 صيرت دينك شاهيناً تصيد وليس يفلح اصحاب الشواہين
 ترجمہ :- (۱) لوگ تجارت کے لیے دکانیں کھولتے ہیں لیکن تو نے دین کی دکان کھول رکھی ہے۔
 (۲) بڑے بڑے ستونوں کے درمیان تیری دکان پر جو بندی نہیں ہوتی اور جس کے مذہب دین کے بدلہ میں مسکینوں کے اموال خریدے جاتے ہیں۔
 (۳) تو نے دے دین فروش اپنے دین کو شاہیں بنا رکھا ہے جس سے تو شکار کرتا پھرتا ہے۔
 اور اہل شاہیں باز لوگوں کو فلاح نہیں ہوتی۔

تجارت | غایت خود داری کی وجہ سے وہ ظلم و زہد کو اپنا ذریعہ معاش بنانا نہایت مبہوب خیال کرتے تھے۔ اس بنا پر اُن کا ذریعہ معاش تجارت تھا اور اُس میں ان کو جو نفع ہوتا تھا اُس کا اندازہ اس

سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فضیل بن عیاض کی روایت کے مطابق وہ ایک لاکھ دہم سالانہ نقرہ پر تقسیم کرتے تھے۔

تجارت کا مقصد | لیکن اُن کی تجارت کا مقصد سرمایہ دار بن کر اپنے لیے بیش از بیش سامان آسائش فراہم کرنا نہیں تھا بلکہ وہ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ علم کی حقیقی وقعت اُس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ صاحب علم کو اپنی کسی معاشی ضرورت میں اہلئے روزگار میں سے کسی کی طرف احتیاج نہ ہو جیسا کہ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے۔

مرا تجربہ معلوم گشت آخر حال کہ قدر مر و علم ست و قدر علم بہال
اور ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

ويزدی بعقل المرء قلۃ مآلہ وان کان اسرى من رجال الحو

چنانچہ ایک دفعہ فضیل نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ ہم کو تو زہد اور قوتِ لایموت پر قانع رہنے کا حکم کرتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ خود خراسان سے قیمتی قیمتی سامان تجارت لاتے ہیں اور اسے بلکہ حرام میں فروخت کرتے ہیں۔ آخر یہ کیوں ہے؟ فرمایا اے ابوعلی یہ میں اس لیے کرتا ہوں کہ مال کے ذریعہ اپنی آبرو محفوظ رکھوں اور اُس کی مدد سے خدا کی اطاعت زیادہ کر زیادہ کروں اور تاکہ میں خدا کا جو حق اپنے ذمہ واجب دیکھوں اُس کی طرف سبقت کر کے اُسے ادا کر سکوں۔ فضیل نے کہا ”ابن مبارک! سبحان اللہ! اس مقصد نیک کا کیا کہنا۔ اگر یہ پورا

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۸۶ طے ترجمہ: کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا سردار اور عمیر کرنے والا ہو لیکن

اگر عقل کمال ہے تو لوگ بات بات پر اُس کی عقل کو بٹہ لگاتے ہیں۔

ہو سکے۔ غالباً اسی عام مسلمانوں کی خیر خواہی و خیر اندیشی کی وجہ سے ابن ہمدی کہا کرتے تھے میں نے اس اُمت کا خیر خواہ ابن مبارک سے زیادہ کوئی شخص نہیں دیکھا۔

علماء و طلباء کی خدمت حضرت ابن مبارک یوں تو اپنا تمام مال کا دہائے خیر میں صرف کرتے تھے

لیکن علماء و طلباء و دین کی مالی خدمت کا خصوصیت سے بڑا اہتمام کرتے تھے چنانچہ علی بن

الحسن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک نے فضیل بن عیاض سے جو ان کے تلمیذ تھے

فرمایا ”اگر تم اور تمہارے ساتھی نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔ بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے

تھے کہ ابن مبارک خاص اپنے اہل وطن پر اتنا مال تقسیم نہیں کرتے جتنا کہ وہ دوسرے شہروں

میں تقسیم کرتے ہیں۔ ابن مبارک کو اس اعتراض کی خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا ”میں جن علماء

اور طلباء پر اپنا مال خرچ کرتا ہوں میں جانتا ہوں کہ وہ کیسے ارباب فضل و صدق ہیں۔ ان

لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا، اور اس میں پوری محنت و سعی سے کام لیا لیکن ان کی

ضرورتیں بھی وہی ہیں جو عام لوگوں کی ہوتی ہیں اس لیے اگر ہم ان کو چھوڑ دیں تو یہ اپنی ضرورتوں

کو پورا کرنے میں لگ جائیں گے اور علم منائع ہو جائیگا۔ اس کے برخلاف اگر ہم نے ان کو غنی کر دیا تو

یہ محمد علی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں علم کی اشاعت کرینگے اور نبوت کے بعد میرے نزدیک اشاعت

علم سے افضل کوئی چیز نہیں ہے۔“

اربابِ حوجہ علماء و طلباء کے علاوہ عام حاجت مند لوگوں کی امداد بھی بڑی فراخ چلگی سے کرتے تھے سید

کی امداد میں سلیمان کا بیان ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن مبارک کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں

مقروض ہوں۔ آپ میری طرف سے قرض ادا کر دیجیے۔ آپ نے فوراً اپنے وکیل کو لکھ دیا کہ اس شخص کا قرض ادا کر دیا جائے۔ شیخ خطے کے وکیل کے پاس آیا تو اُس نے پوچھا ”تم نے عبداللہ بن مبارک سے کتنی رقم طلب کی تھی؟“ بولا ”سات سو درہم“ اب اس وکیل نے حضرت ابن مبارک کو لکھا کہ ”شیخ تو سات سو درہم کا مقروض ہے اور اسی کا آپ سے اُس نے مطالبہ کیا تھا لیکن آپ لکھتے ہیں کہ اس کو سات ہزار درہم دے دیے جائیں، اور اب تو غلات بھی ختم ہو گئے ہیں“ ابن مبارک نے جواب میں لکھا ”اگر غلات ختم ہو گئے ہیں تو کیا مضائقہ ہے، عمر بھی ایک دن یونہی ختم ہو جائیگی، اب تو جو کچھ میرے قلم سے نکل گیا ہے تم اُس پر عمل کرو“

ایک اور واقعہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ محمد بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک طرطوس بہت آتے جاتے تھے۔ راستہ میں رقبہ پڑتا تھا وہاں ایک سرے میں قیام کرتے تھے۔ یہاں ایک نوجوان تھا جو سرے میں قیام کی مدت میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی خدمت کرتا، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتا، اور ان سے حدیث کا سماع کرتا تھا۔ ایک دفعہ اتفاق ایسا ہوا کہ ابن مبارک رقبہ کی سرے میں حسب معمول قیام پذیر ہوئے تو آپ کو وہ نوجوان نہیں ملا۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ قرض کی وجہ سے گرفتار کر کے جیل خانہ بھیج دیا گیا ہے۔ آپ نے پوچھا ”وہ کتنی رقم کا مقروض ہے؟“ لوگوں نے بتایا دس ہزار درہم کا۔ آپ نے تلاش کے بعد صاحب قرض کو رات کے وقت بلایا اور کہا کہ تم اپنے دس ہزار درہم مجھ سے لے لو اور اُس نوجوان کو رہا کر دو۔ خطیر رقم ادا کرنے کے بعد حضرت ابن مبارک شب میں ہی یہاں سے

روانہ ہو گئے۔ وہ نوجوان رہا ہوا تو لوگوں نے اُسے بتایا کہ حضرت ابن مبارک اس سرے میں
 ٹھہرے ہوئے تھے، اور اب تک وہ غالباً دو تین منزل پہنچے ہونگے۔ یہ سن کر نوجوان بھاگا اور
 آخر کار دو تین منزل کی مسافت پر نہیں پایا۔ حضرت ابن مبارک نے اُس نوجوان سے اُس
 کا حال دریافت کیا تو اُس نے کہا۔ میں قید میں تھا کہ ایک شخص سرے میں مقیم ہوا اُس نے
 میری طرف سے قرض ادا کر دیا اور میں رہا ہو گیا، اور لطف یہ ہے کہ میں اُس شخص کو جانتا بھی
 نہیں ہوں کہ کون ہے، اور کہاں سے آیا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک
 کی وفات تک کسی پر اس راز کا انشاء نہیں ہوا۔

توضیحات | ارباب حونج کے ماسواہ اپنے ہمانوں، دوستوں اور رشتہ داروں کی خاطر مارتا
 پر بھی بہت کافی خرچ کرتے تھے۔ اسماعیل بن عیاش اپنے بعض دوستوں سے نقل کرتے ہیں
 کہ ایک مرتبہ وہ مصر سے مکہ تک حضرت عبداللہ بن مبارک کے رفیق سفر ہو گئے تو کل مدت سفر
 میں حضرت ابن مبارک کا معمول یہ تھا کہ خود روزہ رکھتے تھے لیکن اپنے تمام ساتھیوں کو حلوہ
 بنانا کرکھاتے تھے۔

ایک دفعہ غالباً کسی غزوہ کے لیے حضرت ابن مبارک بغداد سے مصیصہ کے لیے روانہ ہوئے
 صوفیہ کی ایک جماعت بھی رفیق سفر تھی۔ آپ نے اپنے ملازم کو بلا کر حکم دیا کہ ایک طشت لاؤ
 آگیا تو آپ نے اُس کو ایک رومال سے دھو کر دیا، اور اُس کے بدلے اپنے ساتھیوں سے خطاب کر
 فرمایا۔ تم میں سے ہر شخص اپنا ہاتھ دال کے پیچھے لجاوے اور اُسے جو ملے لے لے "ایسا کرنے سے کسی

کو دس درہم ملے، کسی کو بیس، اور کسی کو اس سے کم یا زیادہ۔ مصیصہ پہنچ کر آپ نے فرمایا: ”یہ پرہیز ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب جو کچھ باقی رہ گیا ہے اُسے تقسیم کر دیا جائے۔“ اس وقت آپ کی بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ بعض لوگ جنہیں میں بیس دینا ملے تھے، ازراہ مذاق کہتے تھے ”ابو عبد الرحمن!“ یہ تو میں درہم میں“ آپ جواب میں فرماتے ”پروا نہ کرو، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ غازی کے فقیر میں برکت عطا فرمادے۔“

حسن بن شغین اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مبارک مرو سے حج کے لیے روانہ ہونے لگتے تھے تو ان کے پاس مروی احباب و اصحاب جمع ہو کر ان کے ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کرتے، آپ ان سے فرماتے ”تم لوگ اپنے اپنے نفقات میرے پاس جمع کر دو۔ چنانچہ آپ ان سے روپیہ پیسے لے کر اس کو ایک صندوق میں بند کر دیتے اور اس کو مقفل کر کے رکھ دیتے، اس کے بعد آپ ان اصحاب کو لے کر مرو سے بغداد آتے، اور راستہ میں ان پر خوب خرچ کرتے، بہترین کھانے کھلاتے اور راحت و آسائش کا عدم سے عمدہ سامان فراہم کرتے۔ بغداد سے مدینہ طیبہ کے لیے روانہ ہوتے تو ان لوگوں کے واسطے اچھے اچھے کپڑے بھی سلواتے۔ غرض یہ ہے کہ مرو کی واپسی تک حضرت عبداللہ بن مبارک ان لوگوں پر بڑی فراخ حوصلگی کے ساتھ اپنا روپیہ خرچ کرتے، یہاں آکر اپنے تمام حاجی دوستوں کے مکانات پر اس زمانہ کے حجاج کے قاعدہ کے مطابق سفیدی اور دوسرے آرائش و زیبائش کے لوازم کراتے۔ تین دن کے بعد ان سب کی طرف سے ان کے احباب و اعزاء کی نہایت مکلف دعوت کرتے۔ اور جب ان سب کاموں سے فارغ ہو جاتے تو صندوق کھول کر ہر ایک کی تحبیلی جس پر اس کا نام لکھا ہوتا

تھا اس شخص کے سپرد کر دیتے تھے۔ اس طرح وہ اپنے تمام رفقاء کے جملہ مصارف و معاش کا خود کفیل کرتے تھے یہاں تک کہ دکن کی واپسی کے وقت ان لوگوں کو اپنے بال بچوں اور متعلقین کے لیے کہہ کے جو تحائف خریدنے ہوتے تھے ان کی قیمت بھی خود ہی ادا کرتے تھے۔

ان واقعات سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کس قدر سیرشیم، فیاض با مروت، اور سخی تھے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے کس درجہ جان نثار دوست تھے۔ چنانچہ وہ بے اوقات شہر چڑھتے تھے۔

وَإِذَا مَآجِئْتُ فَاصْهَبْ صَاحِبًا ذَٰلِحِيَاءَ وَعَفَافٍ وَكِرَمٍ

فَإِنِّي لِلشَّيْءِ لَأَن قُلْتُ لَا وَإِذْ قُلْتُ نَعَمْ مَتَىٰ نَعَمْ

ترجمہ :- اگر تم کسی کو دوست بناؤ تو ایسے شخص کو بناؤ جو باجیا ہو اور صاحبِ عفت و کرم بھی ہو۔

اور جس کا حال یہ ہو کہ تم کسی چیز پر نہیں کہہ دو تو وہ بھی نہیں کہہ دے۔ اور اگر تم "ہاں" کر دو تو وہ

بھی "ہاں" کہہ اٹھے۔

سلاطین کے سامنے اٹھانے کے حضرت عبداللہ بن مبارک ان بزرگوں میں سے تھے جن کی نظریں جاہ و جلال خداوندی کے تصور سے ہر وقت روشن رہتی ہیں اور اس بنا پر وہ دنیا کے قاہر و جابر بادشاہوں کی

کی صولت و شوکت سے ذرا محروب نہیں ہوتے۔ ابراہیم بن نوح موصلی کا بیان ہے کہ ہارون رشید عینِ دربر آیا تو اس نے حضرت ابن مبارک سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہا :- "امیر المومنین! ابن مبارک خراسانی شخص میں، مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں وہ آپ سے ایسی باتیں

نہ کریں جو آپ کو ناگوار گذریں اور جن سے متاثر ہو کر آپ انہیں قتل کرادیں۔ اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو میں اپنے آپ کو بھی ہلاک کرونگا، اور عبداللہ بن مبارک اور امیر المومنین کی ہلاکت کا بھی سبب بنوگا۔ ہارون یثرب میں کراؤں گا تو خاموش ہو گیا۔ چند روز کے بعد اُس نے پھر ابن مبارک کو یاد کیا تو میں نے عرض کیا: ”امیر المومنین! ابن مبارک سخت مزاج اور بے پروا آدمی ہیں“ ہارون پھر خاموش ہو گیا۔ لیکن اتفاقاً اس واقعہ کے تین دن بعد حضرت ابن مبارک خود ہی تشریف لے آئے ان سے کسی نے پوچھا ”آپ پہلے تو ہارون کی ملاقات سے اجتناب کرتے تھے، اب آپ کیسے چلے آئے؟“ فرمایا ”میں اپنے دل کو موت پر راضی کرنا چاہتا تھا، مگر وہ نہیں ہوتا تھا، اب جبکہ وہ مرنے پر رضا مند ہو گیا تو میں ہارون کے پاس چلا آیا۔“

طب | حضرت عبداللہ بن مبارک کے کمالات کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ اُس سے طب کا فن تک خارج نہ تھا، وہ اس میں بھی ارباب فن کا سا کمال رکھتے تھے، ایک مرتبہ وہ حضرت سفیان ثوری کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ شدتِ کرب سے کراہ رہے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے انہوں نے اپنا مرض بیان کیا۔ حضرت ابن مبارک نے لوگوں سے اُسی وقت پیاز کی ایک گنٹھی منگوائی۔ وہ آگئی تو آپ نے اُس کو تراش کر حضرت ثوری سے کہا کہ اس کو سونگیے۔ انہوں نے تھوڑی دیر اس کو سونگھا تھا کہ ایک چھینک آئی اور اُس سے تمام کرب و اضطراب ختم ہو گیا حضرت ثوری بولے ”سبحان اللہ! آپ فقیہ بھی ہیں اور طبیب بھی۔“

تواضع اور انکسار | ان خیموں کے باوصف تواضع اور فروتنی اس قدر تھی کہ کبھی اپنی تعریف سنا گوارا

نہیں کرتے تھے۔ ابو الوہب المروزی کہتے ہیں ”میں نے عبداللہ بن مبارک سے پوچھا کہ کثیر کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا ”وہ یہ ہے کہ تم لوگوں کو حقیر سمجھو اور ان سے اس کی توقع کرو کہ وہ تمہیں پسند کریں“ اس کے بعد فرمایا ”تکبر میں یہ بھی داخل ہے کہ تم اپنی کسی چیز کی نسبت یہ خیال کرو کہ یہ کسی اور کے پاس نہیں ہے۔“

فجاعت اور ہارت جنگ | ایسا کہ پہلے لکھا ہے حضرت عبداللہ بن مبارک صرف صاحب علم و فضل ہی نہیں تھے بلکہ انہیں فن سپہ گری میں بھی کمال حاصل تھا۔ عبداللہ بن سلیمان المروزی کا بیان ہے ”ہم ایک مرتبہ روم کی ایک مہم پر حضرت عبداللہ بن مبارک کے ساتھ گئے وہاں دیکھا کہ فریقین کی صف آرائی کے بعد دشمن کی صف سے ایک بہادر نکلا اور اس نے للکار کر دعوت جنگ دی۔ اس کے جواب میں ہماری طرف سے بھی ایک بہادر بڑھا جس نے اپنے حریف کو قتل کر دیا، اس کے بعد دشمن کی صف سے ایک اور جنگجو سپاہی نکلا اور ہماری فوج کے بہادر نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اب ہمارے بہادر نے گرج کر کہا کیا کوئی اوسے جو مقابلہ کے لیے آئے، کچھ تامل کے بعد دشمن کی صف سے تیسرا جنگ آڑا بڑھا۔ تھوڑی دیر تک دونوں میں جنگ ہوتی رہی۔ آخر کار ہماری فوج کے اس بہادر نے اس کے بھی اس زور سے نیزہ مارا کہ اس کا لاشہ زمین پر خاک و خون میں تڑپ رہا تھا۔ رادی کہتا ہے اب ہم سب دوڑ پڑے اور اس شخص کا احاطہ کر لیا۔ اس نے آستین سے اپنا منہ چھپا رکھا تھا۔ میں نے زور سے جھٹکا دیا کہ آستین منہ پر سے ہٹائی تو دیکھا کہ ہمارا یہ بہادر عبداللہ بن مبارک تھا۔ مجھ کو دیکھ کر فرمانے لگے۔

”کیوں ابو عمرو! تم بھی اُن لوگوں میں سے ہو جو مجھ پر لعن و تشنیع کرتے ہیں۔“

غایتِ کمال و بزرگی | تمام علمی و علمی کمالات کی جامعیت نے حضرت عبداللہ بن مبارک کی شخصیت کو اس قدر محبوب و ہر دلعزیز بنا دیا تھا کہ لوگ اُن سے بے ساختہ محبت کرتے تھے۔ اور اُن کی شان میں کوئی کلمہ استخفاف سُن نہیں سکتے تھے۔ اسود بن سالم کہتے ہیں ”ابن مبارک امامِ مقتدیٰ تھے۔ اور سنت میں سب سے زیادہ تثبُت رکھتے تھے۔ میں اگر کسی شخص کو اُن پر نکتہ چینی کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو مجھے اُس کے اسلام میں شک ہونے لگتا ہے۔“

ابن عیینہ فرماتے ہیں ”میں نے صحابہ کرام کے حالات میں غور کیا ہے اور ادھر عبداللہ بن مبارک کے حالات بھی دیکھے ہیں دونوں کے مقابلہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ صحابہ کو حضرت ابن مبارک پر محض اس وجہ سے فضیلت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف پایا ہے اور آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے رہے ہیں۔“

امام نسائی کا بیان ہے کہ ”میں ابن مبارک کے عہد میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو مرتبہ کے اعتبار سے اُن سے زیادہ بڑا اور بلند ہو۔ اور جس میں تمام خصائلِ محمودہ اس جامعیت کے ساتھ پائی جاتی ہوں، حلیلی کہتے ہیں ”ابن مبارک متفق علیہ امام ہیں، ان کی کراماتِ قابلِ شہادیں، کہا جاتا ہے کہ وہ ابدال میں سے ہیں۔“

تلافی | حضرت عبداللہ بن مبارک ایسی جامع شخصیت سے کون کسبِ فیض کرنا نہیں چاہتا چنانچہ

آپ سے استفادہ کی غرض سے مختلف ولایتوں کے بے شمار لوگ دور دراز سے آتے اور اپنی تشنگی علم مجاہدات سے لے کر ان میں سے بعض بڑے بڑے ائمہ علم و مہدی بھی تھے۔ مثلاً عبدالرحمن بن حمادی یحییٰ بن معین، ابوبکر بن شیبہ، احمد بن حنبل المروزی، حبان بن موسیٰؒ۔

وفات وفات بھی اس قدر اچھی ہوئی کہ خدا ہر مسلمان کو نصیب کرے کسی غزوہ میں گئے تھے کہ وہاں سے واپسی پر راستہ میں ہی بیمار ہو گئے، عمر وہی پائی جو سید ولد آدم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، یعنی ۶۳ برس کی۔ آخر کار اسی مرض میں ۱۳ رمضان ۱۸۱ھ کو علی الصبح بیت میں انتقال فرمایا۔ مشہور عباسی خلیفہ ہارون کو اطلاع ہوئی تو اُس نے کہا ”افسوس! علماء کے سردار کا انتقال ہو گیا“ حضرت سفیان بن عیینہ بولے ”وہ بڑے فقیہ، عالم، عابد، زاہد، شیخ، بہادر، اور شاعر تھے“ فضیل بن عیاض نے کہا ”ابن مبارک چل بے لیکن انہوں نے اپنا مثل کوئی نہیں چھوڑا“ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

یحییٰ بن معین

نام و نسب ابو زکریا کنیت، یحییٰ نام، والد کا نام معین تھا۔ قبیلۃ مرہ عطفان کے غلام تھے۔ ابن ابی غنیمہ کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ سے تسلسلے وہ کہہ رہے تھے کہ میں جنید بن عبدالرحمن مری کا

لے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۳ لے ایضاً لے یہ شہر دریائے فرات کے ساحل پر واقع ہے۔

لے خطیب بغدادی ج ۱ ص ۱۶۸ لے ایضاً ص ۱۶۳ لے تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۸۵۔

آزاد کردہ غلام ہوں۔

ملاوت و حکومت | بغداد سے ۳۶ میل کی مسافت پر ایک گاؤں ہے جس کا نام قیقا ہے یحییٰ بن معین یہاں کے رہنے والے تھے۔ ابو جعفر کے عہد حکومت میں ۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم | حضرت یحییٰ کے والد معین سے کاخراج وصول کرنے پر مامور تھے۔ اس میں انہوں نے بہت دولت کمائی تھی جب انتقال ہونے لگا تو ان کے پاس دس لاکھ پچاس ہزار درہم نقد جمع تھے۔ ان کی وفات پر حضرت یحییٰ نے اس تمام سرمایہ کو علم حدیث کی تعلیم پر صرف کر دیا یہاں تک کہ خلیفہ بغدادی لکھتے ہیں لہم یق لہ فضل یلبسہ (ترجمہ: ان کے پاس پہننے کے لیے ایک جوڑہ بھی نہیں بچا)

علم فضل | علم کے لیے ان کے اس ایثار و فداکاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ وقت کے سب سے بڑے محدث و علامہ بن گئے خلیفہ بغدادی لکھتے ہیں ”وہ بڑے ربانی امام عالم، حافظ، ثبت فی الحدیث اور پختہ علم والے تھے۔ عظیم حافظ ذہبی انہیں ”الفرد سید الحفاظ“ لکھتے ہیں۔ امام نسائی کہا کرتے تھے ”ابو زکریا معتمد ہیں، مامون ہیں اور ائمہ حدیث میں سے ہیں، ابن مدینی کا بیان ہے کہ حضرت آدم کے زمانہ سے اب تک مجھ کو کوئی شخص ایسا نہیں ملا جس نے یحییٰ بن معین کی برابر حدیثیں لکھی ہوں۔ ابن مدینی کہتے ہیں ”لوگوں کا علم یحییٰ بن معین پر ختم ہو گیا“ یحییٰ القطان کہتے ہیں ”ہمارے پاس ان دو شخصوں جیسا کوئی نہیں آیا۔ ایک احمد بن حنبل، اور دوسرے یحییٰ بن معین۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے ”یحییٰ بن معین ہم سب سے زیادہ عالم ہیں۔ امام نووی

لے تاریخ خلیفہ بغدادی ج ۱ ص ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷،

فرماتے ہیں ”سب لوگوں کا اُن کی امامت، توثیق، حفظ جلالیت شان، اور علم میں تقدم و انہماک پر اتفاق ہے“

علم حدیث | یوں تو انہوں نے اُس زمانہ کے مروجہ اسلامی علوم سب کچھ ہی پڑھے ہونگے لیکن اُن کو حدیث سے اتنا شغف تھا اور خاص اس علم میں انہوں نے وہ کمال پیدا کیا کہ اُن کی شخصیت خود فن کے لیے سرمایہٴ ناز و افتخار بن گئی اور دوسرے فنون کا علم اُن کے علم حدیث کے بالمقابل بے آب و تاب ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب سیران کی امامت فی الحدیث کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتے ہیں لیکن ان کی تفسیر دانی یا ثقہ کا کہیں ذکر تک نہیں کرتے۔

شیوخ | حضرت یحییٰ بن معین کو حدیث کا فطری ذوق تھا۔ انہوں نے بیشمار شیوخ سے احادیث کا سماع کیا جن میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:-

عبد اللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ، کعبہ - ابن ابی عددی، القطان، ابن ہمدی
عبد الصمد بن عبد الوارث وغیرہم۔

حدیث کی کتابت | یحییٰ بن معین نے صرف سماع پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جو کچھ سنتے تھے اُسے لکھ بھی لیتے تھے۔ چنانچہ علی بن المدینی کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معین نے حدیث کی عینی کتابت کی ہر مجھ کو نہیں معلوم کہ کسی اور نے بھی اتنی کتابت کی ہو۔ احمد بن عقبہ کہتے ہیں ”ایک مرتبہ میں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا ”آپ نے کتنی احادیث قلمبند کی ہیں“ فرمایا ”میں نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں“ اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد احمد بن عقبہ کہتے ہیں ”میرا گمان ہر

کہ محدثین کرام نے ان چھ لاکھ احادیث کے علاوہ جن کو یحییٰ نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا، چھ لاکھ احادیث خود اپنے قلم سے لکھ لکھ کر حضرت یحییٰ کو دی ہیں۔ محمد بن نصر طبری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت یحییٰ بن معین کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہاں دفاتروں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، حضرت یحییٰ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے۔ ”جو حدیث ان دفاتر میں نہ ملے وہ کاذب ہے۔“ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے ان کی کتابوں کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ تیس الماریاں (قطر) اور بیس صندوق کتابوں سے پُر ہیں، پھر لکھتے وقت احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک روایت کو پچاس پچاس مرتبہ لکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کسی حدیث کو اتنی مرتبہ نہ لکھیں تو ہم اُسے پہچان ہی نہیں سکے۔

تتبع احادیث | علم حدیث میں حضرت یحییٰ بن معین کو سب سے زیادہ کمال، تنقید و روایات میں غما اس میں ان کو ایسا ملکہ تھا کہ روایات کے انبار میں جو روایت نادرست ہوتی تھی اُسے فوراً پہچان جاتے اور اُس کی غلطی پر تنبیہ کر دیتے تھے۔ ابو سعید احمد کا بیان ہے کہ ہم کسی محدث کے پاس جا کر اُس کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تو معلوم یہ ہوتا کہ ہر لکھی ہوئی حدیث درست اور صحیح ہے۔ اتنے میں ابو زکریا یحییٰ بن معین تشریف لے آتے تو سب سے پہلی چیز جو ان کے ہاتھ لگتی وہ خطا ہوتی تھی اور وہ خطا اس قدر باریک ہوتی تھی کہ حضرت یحییٰ بن معین کے بتائے بغیر ہم میں سے کوئی اُس کا پتہ لگا نہیں سکتا تھا۔ ایک مجلس میں علی ابن مدینی اور امام احمد تشریف فرما تھے، امام یحییٰ بن معین بھی تشریف رکھتے تھے۔ حدیث پر مذاکرہ ہو رہا تھا، کسی شخص نے کہا ”ایہ یحییٰ بن معین! آج ہم آپ کو

بہترین احادیث سناتے ہیں" بولے "اے سناؤ! ان کی یہ خواہش دیکھ کر لوگوں نے حدیثیں سنانی شروع کیں۔ ان حدیثوں میں جہاں جہاں غلطی تھی یحییٰ بن معین اُس پر تنبہ کرتے رہے۔ پھر ہم نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت ابن معین کی تنقید بالکل درست تھی!"

تنقید حدیث کے فن میں حضرت ابن معین کی مہارت اُس زمانہ کے بڑے بڑوں مثلاً فن کے نزدیک مسلم تھی۔ ابن الرومی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں امام احمد بن حنبل کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا "اے ابو عبد اللہ! ذرا ان احادیث کو دیکھے، ان میں کچھ خطا معلوم ہوتی ہے۔" آپ نے فرمایا "تم ابو زکریا یحییٰ بن معین کے پاس جاؤ وہ خطا کو پہچانتے ہیں" امام احمد بن حنبل اور ایک محدث عبد الخالق دونوں مغازی کی احادیث سننے کے

لیے یعقوب بن ابراہیم کے پاس جاتے تھے اس زمانہ میں حضرت یحییٰ بن معین بصرہ میں قیام پذیر تھے۔ ایک دن امام احمد نے فرمایا "اے کاش! ابو زکریا یہاں ہوتے" عبد الخالق نے کہا "اگر وہ یہاں ہوتے بھی تو آپ کیا کرتے؟" بولے "وہ خطا کو پہچانتے ہیں" امام احمد بن حنبل حضرت یحییٰ بن معین سے سماع حدیث کے اس درجہ مشتاق تھے کہ آپ فرماتے تھے۔

السماع من یحییٰ بن معین شفاءٌ للعندہ (ترجمہ: یحییٰ بن معین سے احادیث کا سننا سینوں کے لیے پیغام شفا ہے) ایک دفعہ امام احمد بن حنبل نے خواہش ظاہر کی کہ یحییٰ بن معین یہاں آجائیں۔ ایک شخص نے کہا "اگر وہ یہاں آج بھی جائینگے تو کیا کریں گے؟ وہی سنی سنائی احادیث پھر سنائی گے" امام احمد نے فرمایا "چپ رہو! وہ حدیث میں جہاں کہیں خطا ہوتی ہے اُسے فوراً پہچان جاتی ہیں"۔

علی بن المدینی کا بیان ہے کہ چالیس سال تک میرا یہ معمول رہا کہ میں جب کبھی بغداد آتا تھا تو امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیث پر ذکر کرتا تھا، اس ذکر میں اگر کسی چیز میں میرا اور امام احمد بن حنبل کا اختلاف ہو جاتا تو ہم حضرت یحییٰ بن معین کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے رجوع کرتے تھے، وہ فوراً حدیث اُس کے اصل مخرج سے نکال دیتے تھے، اس میں ان کو بڑا کمال حاصل تھا۔ عمرو الناقد کہتے ہیں ”ہمارے اصحاب میں یحییٰ بن معین سے زیادہ کوئی علم اسناد کا ماہر نہیں تھا۔“ صالح بن محمد کہتے ہیں ”جن لوگوں کو میں نے پایا ہے ان میں معل حدیث کے سب سے بڑے عالم، ابن مدینی، اور فقہ حدیث میں سب سے زیادہ کمال رکھنے والے امام احمد بن حنبل اور مذاکرہ کے وقت سب سے بڑے حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ تھے، لیکن احادیث میں مشائخ نے جو تصحیفات کی ہیں ان کے سب سے بڑے عالم یحییٰ بن معین تھے۔“ ایک دوسری روایت میں علی بن المدینی کے الفاظ یہ ہیں ”یحییٰ اعلم بالرجال والکنی“ ابو داؤد سے کسی نے دریافت کیا ”اسماء الرجال کا بڑا عالم کون ہے علی بن المدینی یا یحییٰ؟“ بولے ”یحییٰ عالم بالرجال ہیں، اور علی کو اہل شام کی کوئی خبر نہیں ہے۔“

اعتباط وروع | تنقید رواۃ اور ان کی جرح و تعدیل کا کام جس قدر مشکل ہے اُس سے زیادہ بہت بڑی اخلاقی جرات کا طلب گار ہے۔ بسا اوقات جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد بعض ایسے ایسے مشائخ علم و طریقت کو ساقط کر دینا پڑتا ہے جو عوام کی نظروں میں نہایت وقیع و محترم ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ کسی راوی پر تنقید کرتے وقت ذاتی خصوصیت و محنت

کو مطلقاً اثر انداز نہ ہونے دینا چاہیے۔ حضرت یحییٰ بن معین اس باب میں بڑے محتاط واقع ہوئے تھے چنانچہ ہارون بن بشر الرازی کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین کو دیکھا قبلہ رو بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ دعا مانگ رہے تھے "لے خدا اگر میں نے کسی ایسے شخص میں کلام کیا ہو جو درحقیقت میرے نزدیک کاذب نہ ہو تو تو میری مغفرت نہ فرما" اسی احتیاط کی وجہ سے وہ ایک ایک حدیث کو تیس تیس مرتبہ لکھتے تھے۔

حضرت یحییٰ بن معین کا علم روایات اس درجہ پختہ اور یقینی تھا کہ ان کے سامنے جو روایات آتی تھی۔ اس پر فوراً حکم لگا دیتے تھے وہ کسی حدیث کے متعلق نہ تو استفہام کرتے تھے اور نہ اُس میں انہیں کوئی تردد پیش آتا تھا۔

جلالتِ علم | حضرت یحییٰ بن معین کی جلالتِ علم کے سامنے بڑے بڑے ائمہ فن کو پسینہ آجاتا تھا۔ ہارون بن معروف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شام کے ایک شیخ ہمارے یہاں آئے ہوئے تھے میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث کی املا کی درخواست کی۔ انہوں نے اُس کو منظور فرمایا اور اپنی کتاب اٹھا کر اُس کی املا کرنے لگے۔ اتنے میں دروازہ پر کنڈی کھٹکٹا جانے کی آواز آئی معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل تشریف لائے ہیں شیخ نے امام کو آنے کی اجازت دیدی۔ چنانچہ آپ اندر تشریف لے آئے لیکن میں نے دیکھا کہ امام احمد بن حنبل کے آجانے سے شیخ کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا، وہ اُسی طرح کتاب ہاتھ میں لیے املا لکھاتے رہے۔ امام احمد کے بعد احمد الدوقی، عبد اللہ بن الرومی، ابو یوسف زہیر بن حرب اسی طرح علی الترتیب آکر اجازت

حاصل کر کے شریک درس ہوتے رہے لیکن شیخ کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا وہ بدستور کتاب ہاتھ میں لیے امداد لکھاتے رہے۔ جب یہ سب حضرات اچکے تو پھر کڑی کھٹکھٹائی لگی۔ اس مرتبہ معلوم ہوا کہ یحییٰ بن معین تشریف لائے ہیں، شیخ نے حضرت ابن معین کو دیکھا ہی تھا کہ اُن کے ہاتھ کا پنے لگے اور کتاب پیچھے گر پڑی۔

اُن کی علمی وجاہت و جلالت کا یہ عالم تھا کہ وہ جس کسی محدث کے پاس سماع حدیث کے لیے چلے جاتے یا اُس کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آتے تو وہ اس پر بیحد متحرک ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبدالوہاب بن عطاء بغداد آئے ہوئے تھے کہ حضرت یحییٰ بن معین ان کے پاس تشریف لائے، حضرت ابن معین کے آنے سے ابن عطاء کو جو فخر آمیز مسرت ہوئی اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے متعلقین کے نام بصرہ خط لکھا تو اُس میں یہ بھی تحریر کیا ”میں بغداد آیا، یہاں یحییٰ بن معین میرے پاس آئے اور اُنہوں نے مجھ کو بوسہ دیا۔ والحمد للہ رب العالمین“

حضرت یحییٰ کے عہد کے بڑے بڑے علما کسی مسئلہ میں کوئی قطعی فیصلہ اُس وقت تک نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ اُنہیں اُس مسئلہ کے متعلق حضرت ابن معین کی رائے معلوم نہیں ہو جاتی تھی ابوسعید احمد اذکتے تھے۔

الناس کلہم عیال علی یحییٰ بن معین تام لوک یحییٰ بن معین کی طرف محتاج ہیں۔

پھر کہا کہ دنیا میں اُن کی برابر کوئی سچا آدمی نہیں ہے وہ اس باب میں سب سے سبقت لے گئے ہیں

ہے وہ لوگ جو ان کے بد آئینے اُن کی نسبت کچھ کہا نہیں جاسکتا ہے

تمام معاصرین اُن کے انما و حق اور جرات بیان کے معترف تھے اور اسی بنا پر اُن کی جرح و تعدیل کو بڑی وقت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ابن الرومی کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین کے علاوہ کوئی شخص نہیں دیکھا جو مشائخ کی شان میں امر حق کا اظہار کرتا ہو دوسرے لوگ تو محض لگی لپٹی باتیں کرتے ہیں

امام احمد بن حنبل صیحا امام وقت محدث حضرت یحییٰ سے بے تکلف استفادہ کرتا تھا۔ اور اُن کی ایک ایک بات کو اپنے لیے حرز جان بنا کر رکھتا تھا۔ عباس الدوري کہتے ہیں "میں نے روح بن عبادۃ کی مجلس میں امام احمد بن حنبل کو دیکھا کہ یحییٰ بن معین سے سوالات کرتے جاتے تھے کہ اے ابو زکریا! یہ حدیث کیسی ہے اور یہ کیسی ہے؟" یہ واضح رہنا چاہیے کہ امام احمد کا یہ سؤل ان احادیث کی نسبت تھا جو عام طور سے لوگ سُنتے رہتے ہیں، ان سوالات کے جواب میں حضرت یحییٰ جو کچھ فرماتے امام احمد اُسے قلب بند کرتے جاتے تھے۔ امام احمد بآ اوقات حضرت یحییٰ بن معین کی نسبت فرماتے تھے۔

رَجُلٌ خَلَقَهُ اللهُ لِهَذَا الشَّانِ ۝ ایک ایسے شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا

یظہر کذب الکاذبینؑ ۝ کیا ہے کہ وہ جھوٹوں کا جھوٹ ظاہر کریں۔

محمد بن رافع کہتے ہیں "ایک مرتبہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا فرما رہے تھے "جو حدیث یحییٰ بن معین کے نزدیک معروف نہ ہو، سمجھ لو کہ وہ حدیث ثابت نہیں ہے۔" ابو حاتم کہتے تھے

”تم اگر یحییٰ بن معین کو دیکھو کہ امام احمد سے محبت کرتے ہیں تو جان لو کہ امام صاحبِ سنت ہیں لیکن اگر تم امام احمد کو دیکھو کہ وہ یحییٰ بن معین سے بغض رکھتے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ کذاب ہیں۔“

قبولِ روایت میں احتیاط | اس ذوقِ تنقید کے کمال کی وجہ سے وہ کسی روایت کو اُس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ انہیں اُس کی نسبت پوری تسلی اور تشفی نہیں ہو جاتی تھی جس حدیث میں انہیں کہیں ذرا سا شک ہوتا اُسے ترک کر دیتے تھے۔ ان کا مقولہ تھا کہ جو شخص سح فی الحدیث نہیں کرتا وہ کاذب ہے۔ لوگوں نے پوچھا ”سح فی الحدیث کس طرح ہوتا ہے؟“ فرمایا ”اس طرح کہ جب اُس حدیث میں کوئی شک ہو تو ترک کر دے۔“

حدیث کی محنت معلوم | حضرت یحییٰ بن معین تنقیدِ روایات میں کس درجہ دیدہ ریزی اور محنت و مشقت سے کام لیتے تھے، اُس کا اندازہ خود اُن کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ میں بعض اوقات حدیث بیان کر دیتا ہوں لیکن پھر اس خوف سے جاگتا رہتا ہوں کہ کہیں میں نے اُس میں غلطی نہ کر دی ہو۔ اُن کی اس جدوجہد، کمال اور ذوق کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض دروغ بیان راویوں کے اختلاط کے باعث جو غلط روایتیں مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں اُن کی قلعی کھل گئی اور صحیح و غلط روایات میں خطِ امتیاز کھینچ گیا۔ چنانچہ یحییٰ بن معین خود فرماتے ہیں ”ہم کاذبوں کی روایتیں برابر لکھتے رہے لیکن اب ہم نے اُن سے تنور بھر دی ہے اور اُس سے پکی پکائی روٹیاں نکالی ہیں۔“ حضرت یحییٰ بن معین کے پیکرِ صدق و صفا ہونے کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ اُن سے بغض رکھنا جھٹا ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ محمد بن ارون نے کہا کہ اگر تم کسی شخص کو دیکھو

کہ نیک ہی بن عیین کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے تو سمجھ لو وہ جھوٹا ہے اور احادیث وضع کرتا ہے اور حضرت ابن عیین سے اس لیے بعض رکھتا ہے کہ وہ جھوٹوں اور افترا پردازوں کی حقیقت کھول کھول کر بیان کرتے ہیں“

ادب [لیکن اسرار الرجال کے اتنے بڑے عالم اور نقاد ہونے کے باوجود حضرت نجی جس کسی راوی میں کوئی عیب پاتے تھے رسوائی کے خیال سے لوگوں میں اُس کی تشہیر نہیں کرتے تھے بلکہ چپکے سے اُسی کو اُس کے عیب پر متنبہ کر دیتے تھے۔ تاکہ وہ اصلاح کر لے خود اُن کا بیان ہے کہ عفان نے تقریباً بیس حدیثوں میں غلطی کی تھی لیکن میں نے اُن پر کسی شخص کو مطلع نہیں کیا بلکہ صرف عفان کو اُن پر تنبیہ کر دی۔ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا ”میں نے کسی شخص میں جب کوئی غلطی پائی تو میں نے اُس کا اخفا کیا اور یہ کوشش کی کہ کسی طرح اُس کا معاملہ درست ہو جائے۔ اگر وہ میری بات مان لیتا ہے تو خیر! ورنہ پھر میں اُسے چھوڑ دیتا ہوں۔“

فقہ [حدیث کی طرح انہیں فقہ میں بھی کمال حاصل تھا بعض مسائل ایسے ہیں جن میں وہ متفرد و متحرر حافظ ابن حجر نے اُن کو بیان کیا ہے۔

ذرع و تقویٰ [ان علمی کمالات کے ساتھ وہ علمی کمالات کے بھی گل سرسبد تھے۔ نہایت انفاذ اور پاکیزگی و طہارت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بسا اوقات یہ اشعار اُن کے ورد زبان ہوتے تھے۔

المال یذهب جلدًا و حرَامُهُ طوعًا و بقیٰ فی عینِ اثمٍ
لیس المتقی بمُتَّقٍ لَّا لَهُمْ حَتّٰی یطیب شرابہ و طعمہ

یہ سب معلومات تاریخ خلیف بغدادی ج ۱۴ ص ۱۸۴ کو اخذ ہیں۔ لے دیکھو تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۸۴۔

و یطیب ما تحوی و تکسب کفۃً و یکون فی حسن الحدیث کلاماً

نطق النبی لنا به عن ربہ فعلى النبی صلاتہ و سلامہ

ترجمہ :- مالِ حلال و حرام سب کچھ برفا و رغبت ختم ہو جاتا ہے اور کل کے لیے اُس کے گناہ باقی رہ جاتے ہیں۔

پر ہرگز صرف وہ ہی شخص نہیں ہوتا جو خدا سے ڈرے اور نوا لا ہو، بلکہ پرہیزگاری کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا کھانا پینا بھی طیب اور پاکیزہ ہو۔

اور جو چیز کہ اُس کا اتمہ جمع کر باہری اور کمار ہا ہے وہ طیب ہو۔ اور اُس کا کلام اچھی باتوں پر مشتمل ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اپنے رب کی طرف سے اس کے متعلق ہدایات دے دی ہیں۔ پس اُن پر اللہ کا صلوة و سلام ہو۔

تتقیہ حدیث کا اُن میں ایسا صحیح ذوق پیدا ہو گیا تھا کہ بعض اوقات لوگ استخائمان کے سامنے مختلط احادیث کا ایک مجموعہ پیش کرتے تو وہ فوراً بتا دیتے کہ یہ حدیث اس طرح ہے اور یہ اس طرح۔ پھر دیکھا جاتا تو واقعی وہ احادیث اسی طرح ہوتی تھیں۔

بعض لوگ اُن کی تقید سے ناراض ہوتے تھے۔ چنانچہ ابراہیم بن ہانی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو داؤد نے حضرت یحییٰ بن معین کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے تو ابراہیم بولے ”تم یحییٰ بن معین کی شان میں ایسے الفاظ بولتے ہو؟“ لیکن اس طرح کی باتیں کرنے والے وہی لوگ تھے جن کو حضرت ابن معین کے ساتھ رشک و حسد کی وجہ سے کوئی ذاتی عناد تھا۔ ورنہ بڑے بڑے ائمہ عصر اُن کی جلالتِ علم و عمل، ان کی بے نفسی اور خلوص و ولایت کے مدح خواں تھے۔ عملی کہتے

ہیں اللہ نے کوئی ایسا شخص پیدا نہیں کیا جو ابن معین سے زیادہ حدیث کو جاننے والا ہو چچی بن معین، امام احمد بن حنبل، ابن مہزیبی اور دوسرے علماءِ اہلِ اسلام عصر کے ساتھ مجالست کرتے تھے لیکن ان بزرگوں کو ابن معین ہی احادیثِ انتخاب کر کے دیتے تھے کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ وہ ان پر سبقت کرتا۔ ابنِ حبان نے اور وضاحت سے بتا لیا ہے ”ابن معین ثقات میں سے تھے۔ دین اور فضل کے مالک تھے۔ انہوں نے سنن کو جمع کرنے میں دنیا ترک کر دی تھی۔ انہی پر متوجہ ہوتی تھے۔ اور ان حدیثوں کا یاد کرنا ہی اُن کا سب سے محبوب مشغلہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ دینِ ہدایت کے لیے علم ہو گئے کہ اخبار و روایات کی نسبت اُن کی افتدائی جاتی ہے۔ اور آثار میں اُن کو ہی امام تسلیم کیا جاتا ہے۔“

وفات | ششتر برس کی عمر ہونے میں ابھی دس دن کی کسر باقی تھی کہ پیکِ اجل آپہنچا۔ ان کی وفات کے سلسلہ میں بعض ایسے واقعات پیش آئے جو بہت کم پیش آتے ہیں اس لیے ہم ذرا کسی قدر تفصیل سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ عام طور پر مصنفینِ سیر کی رائے یہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ میں مکہ معظمہ کو حج کر کے واپس ہوتے ہوئے مدینہ آئے اور یہاں دو تین دن قیام کر کے روانہ ہو رہے تھے کہ رات کو خواب میں ایک ہاتھ کو دیکھا جو کہ رہا تھا ”اے ابو زکریا! کیا تم میرے پڑوس سے اعراض کرتے ہو؟ صبح ہوئی تو ساتھیوں سے فرمایا ”تم سب جاؤ میں تو مدینہ ہی پلٹ لوٹ رہا ہوں، چنانچہ یہ سب رفقاء چلے گئے اور حضرت ابن معین تنہا مدینہ آ گئے۔ یہاں دوبارہ آئے ہوئے ان کو تین دن ہی ہوئے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ علامہ بغدادی اس تمام واقعہ سے

تفق ہیں لیکن اس میں صرف اتنی ترسیم کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ کا حج کے وقت وفات پانچ مہینے بلکہ زیادہ درست یہ ہے کہ وہ حج کے ارادہ سے روانہ ہونے کے لیے مدینہ منورہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ وفات ہو گئی۔

والی مدینہ کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ہوئی تو اُس نے حکم دیا کہ جس چارپائی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئے تھے حضرت یحییٰ کا جنازہ بھی اُسی پر لایا جائے پھر جنازہ اٹھا تو اس شان سے کہ جنازہ کے آگے آگے ایک شخص نذر کرتا جاتا تھا ”یہ اُس شخص کا جنازہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ منسوب ہونے والی باتوں کو دور کرتا تھا۔“ ابراہیم بن المنذر الحزامی نے اعلان کیا ”جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو مومن عن الکذب کو دینے والے کے جنازہ میں شریک ہو اُس کو یحییٰ بن معین کے جنازہ میں آنا چاہیے“ کون سنگدل ہو گا جو ان اعلانات کو سننے کے بعد بھی اس ”عاشق“ کے دھوم مچا دے جنازہ میں شرکت نہ چاہتا ہو گا چنانچہ جنازہ کے ساتھ بہت بڑا مجمع ہو گیا۔ لوگ آپس میں کہتے جاتے تھے ”ہذا الذائب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکذب“ یہ وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ کو دور کیا ہے۔ والی مدینہ نے نماز پڑھائی جنت البقیع میں دفن ہوئے جس کی خاک کو بڑے بڑے جلیل المرتبہ صحابہ و صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجسام کا امانت دار ہونے کا شرف حاصل ہے۔

وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرنے کے لیے بلند مرتبہ محدثین نے اُن کے مرثیے

لکھے جن میں سے ایک مرثیہ کے بعض اشعار یہ ہیں۔

ذهب العلیم بعیب کل محدث وکل مختلف من الاسناد
وکل وهو فی الحدیث و مشکل یعنی بہ علماء کل بلاد
ترجمہ ۱۔ اس محدث کا انتقال ہو گیا جو ہر محدث کے عیب سے اور اسانید کے اختلاف کو
پوری طرح باخبر تھا۔ اور وہ ان تمام مشکلات و ادوام حدیث سے واقف تھا جن سے تمام
محققوں کے علم و عاجز آ گئے تھے۔

یحییٰ بن سعید القطان

نام و نسب | یحییٰ نام، ابو سعید کنیت، ان کے دادا فروخ بن نمیم کے غلام تھے۔

پیدائش | سن ۱۸۶ھ میں پیدا ہوئے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔

علم و فضل | علم و فضل کے لحاظ سے ان کو تبع تابعین کی جماعت کا کُل سرسبز کہا جائے تو بالکل بجا

ہے۔ حافظ ذہبی انہیں ”الامام العلم“ اور ”سید الحفاظ“ لکھتے ہیں یحییٰ بن سعید ایسے بکا نہ روزگار

محدث کہتے ہیں کہ ”مجھ سے ابن ہدی لے فرمایا“ تم اپنی آنکھوں سے یحییٰ القطان جیسا کوئی شخص

نہیں دیکھو گے، علامہ نووی فرماتے ہیں ”علماء نے ان کی امامت، جلالت، اور ان کے

حفظ اور علم و صلاح کی بہتات پر اتفاق کیا ہے۔“ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ”یحییٰ القطان اپنی

ایک ایک اور کے اعتبار سے بے مثل و بے نظیر تھے۔

حدیث ابنِ حدیث میں حضرت یحییٰ بن سعید کا مرتبہ نہایت بلند ہے۔ اہل عراق میں انہی کے دم سے فنِ حدیث کا چرچا ہوا۔ انہوں نے روایت کی تنقید اور اُن کی جرح و تعدیل کا خاص اہتمام کیا۔ اور پھر جو راوی ثقہ معلوم ہوئے صرف انہیں کی روایتوں کو رائج کیا، اور جو لوگ ضعیف ثابت ہوئے اُن کو ترک کر دیا۔ امام احمد فرماتے ہیں ”میں نے یحییٰ بن سعید سے کم خطا کر نیوالا کوئی نہیں دیکھا“ عجمی کا بیان ہے کہ یحییٰ کی حدیثیں بڑی صاف ستھری ہوتی تھیں اور وہ بجز ثقات کے کسی اور سے روایت نہیں کرتے تھے۔

انہوں نے جن اکابر اُمت سے استفادہ کیا تھا اُن میں سے بعض نام یہ ہیں یحییٰ بن سعید الانصاری، حنظلہ بن ابی سفیان، ابنِ عجلان، ابنِ جریج، سعید بن ابی عروہ، ثوری، ابنِ عیینہ، امام مالک، مسعر بن کدام، شعبہ، سلیمان التیمی، ہشام بن عروہ۔

حضرت شعبہ کے ساتھ اُن کو بڑی خصوصیت تھی۔ اپنے بیان کے مطابق کاہل بیت برس تک وہ ان کی خدمت میں رہے تھے۔ اور ہر روز زیادہ سے زیادہ اُن سے تیرہ حدیثوں کی سماعت کرتے تھے۔ اس طویل ملازمت شیخ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اتنے بڑے محدث ہو گئے کہ کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو خود حضرت شعبہ اُن کو حکم بناتے اور اُن کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ابنِ ہمدی کہتے ہیں ”ایک مرتبہ حضرت شعبہ کے سامنے کسی بات پر اختلاف ہو گیا۔ اس پر لوگوں نے کہا ”آپ ہمارے اور اپنے درمیان کسی کو حکم مقرر کر دیجیے

حضرت شعبہ نے یحییٰ بن سعید القطان کا انتخاب کیا، چنانچہ حضرت یحییٰ تشریف لائے تو ان کے سامنے اصل معاملہ پیش کیا گیا۔ انہوں نے اتفاق کی بات، فیصلہ خود حضرت شعبہ کے خلاف کیا لیکن حق پرستی و انصاف پسندی کی شان دیکھو، شعبہ شیخ و استاد ہونے کے باوجود اس پر فداکارانہ نہیں ہوئے، بلکہ فرمایا تو یہ کہ اے اہل دیکھی کی ایک آنکھ میں بھینکا پن تھا، تمہاری گمشدگی کو کون برداشت کر سکتا ہے؟

اُن کو حدیث سے انتہادرجہ ضعف تھا، لیکن اُس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ذوقِ تنقید اتنا صحیح دیا تھا کہ صحیح و سقیم حدیثوں میں فوراً امتیاز کر لیتے تھے۔ ابن ہمدی کا بیان ہے کہ میں نے حدیث کی طلب اور اُس کے قبول کرنے میں یحییٰ بن سعید القطان اور سفیان بن حبیب سے زیادہ اچھا کوئی شخص نہیں دیکھا، ابن المدینی کہتے ہیں ”صرف تین شخص ایسے ہیں جنہوں نے حدیث طلب کی، اس کے ساتھ اعتنا کیا، اُس پر جمے رہے، اور ساری عمر اسی مقدس کام میں صرف کر دی۔ ایک یحییٰ بن سعید القطان، دوسرے سفیان بن حبیب تیسرے یزید بن زریع“۔

فن حدیث میں سب سے مشکل اور اہم مرحلہ علم اسما الرجال کا ہے، اور ایک بڑی حد تک حدیث کی صحت و سقم کا دار و مدار اسی پر ہے۔ حضرت یحییٰ بن سعید کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ انہیں اس فن میں سب سے زیادہ کمال حاصل تھا۔ علی بن المدینی فرماتے ہیں میں

لے تاریخ خطیب بغدادی ج ۱۲ ص ۱۳۶۔ اصل عبارت یہ ہے: ”من یستطیع فقد لہ“ لیکن بعض کتابوں میں بہت فقہ کے نکتہ کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہو گئے کہ تمہاری تنقید کو کون سہا کر سکتا ہے۔

لے تاریخ خطیب بغدادی ج ۱۲ ص ۱۳۸۔

نے یحییٰ القطان سے بڑا کوئی عالم علم رجال نہیں دیکھا، اسی طرح ابن ہمدی سے زیادہ حدیث کے خطا و صواب کو جاننے والا کوئی نہیں ملا، پس یہ دونوں جس راوی کو ضعیف قرار دیتے ہیں میں اُس کو ترک کر دیتا ہوں اور جس راوی سے یہ دونوں روایت قبول کرتے ہیں میں بھی قبول کر لیتا ہوں۔

حضرت یحییٰ بن سعید کے تثبت فی الحدیث پر سب کا اتفاق ہے۔ اثرم کا بیان ہے کہ میں نے مختلف مواقع پر امام احمد بن حنبل کو یہ کتے سناہے گئے یحییٰ بن سعید القطان کس درجہ قوی حافظہ اور کتنے بڑے ثقہ تھے، وہ محدث تھے۔ اور یہ فرما کر دیر تک اُن کی ثنا کرتے رہے۔ فضل بن زیاد کی روایت امام احمد سے متعلق یہ ہے کہ میں نے خود انہیں فرماتے سنا ہے ”اللہ کی قسم! ہم نے یحییٰ بن سعید القطان جیسا کوئی شخص نہیں پایا۔ ایک اور مقولہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ”بصرہ میں حضرت یحییٰ بن سعید پر تثبت کی انتہا ہے۔“

توتہ مانظہ | علم الرجال میں کمال پیدا کرنے کے لیے قوتِ حافظہ کی سخت ضرورت ہے۔ قدرت کو جس سے جو کام لینا منظور ہوتا ہے، اُس کی نظر میں اُسی کے مطابق قوی اور ضعیفینِ روایت رکھ دی جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت قطان کا حافظہ بھی غیر معمولی طور پر قوی تھا۔ سیلم بن الاشعث نے ایک دفعہ امام احمد سے پوچھا ”کیا یحییٰ آپ کو اپنے حافظہ سے روایات سناتے تھے؟“ فرمایا ”ہم نے اُن کے پاس کتاب نہیں دیکھی۔ اور وہ ہماری کتاب کی طویل طویل حدیثیں پڑھ دیا کرتے تھے۔“

بعض محدثین امتحاناً ان کے سامنے تدلیس کر کے روایت کرتے تھے، لیکن وہ فوراً روایت کا تم معلوم کر لیتے اور اُس پر متنبہ کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ امام ثوری نے ایک روایت کی سند طرح نقل کی "حدثنا ابو سہل عن الشعبي، حضرت یحییٰ نے فوراً کہا یہ ابو سہل تو محمد بن سالم ہیں، ثوری یہ سن کر حیران رہ گئے اور فرمایا "میں نے آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا، آپ سے تو کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔"

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ محمد بن سالم جس کی کنیت ابو سہل تھی ایک ضعیف راوی تھا۔ اس کا نام محمد بن سالم مشہور و معروف تھا، مگر کنیت ابو سہل کوئی نہیں جانتا تھا حضرت ثوری نے اسناد بیان کی تو اس میں راوی کا نام لینے کے بجائے اُس کی کنیت ذکر کر دی اور خیال یہ کیا کہ حضرت یحییٰ بن سعید القطان کو راوی کی کنیت معلوم ہوگی نہیں اس لیے وہ اس اسناد پر کچھ نہ کہیں گے اور شاید قبول کر لیں گے۔ لیکن اُن کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی۔ حضرت یحییٰ جو علم الرجال کے امام تھے، نام کی طرح اس راوی کی کنیت سے بھی باخبر تھے۔ چنانچہ انہوں نے سنتے ہی فرما دیا کہ یہ ابو سہل تو محمد بن سالم ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک اور عجیب واقعہ قابل ذکر ہے۔ ابن ہمدی کہتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے حضرت سفیان نے فرمایا "تم کوئی ایسا آدمی لاؤ جس سے میں حدیث میں مذکورہ کروں" یہ حضرت یحییٰ القطان کو لے کر پہنچ گئے، دونوں میں مذکورہ دیر تک ہوتا رہا جب حضرت یحییٰ یہاں سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے گئے تو سفیان نے مجھ سے کہا کہ "ابن ہمدی! میں نے تم کو کوئی انسان لانے کے لیے کہا تھا، لیکن تم بجائے انسان کے ایک جن لے آئے۔" حافظ زہبی

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان نے حضرت یحییٰ کے غیر معمولی
توت حافطہ سے مرعوب ہو کر یہ فرمایا تھا:

بلالت علم ان کے علمی تجرا و کمال بفضل کی وجہ سے زعماء و اہمیت ان کا حد درجہ احترام کرتے
تھے۔ بندہ کہتے ہیں ”وہو امام اہل زمانہ“ امام نسائی فرماتے ہیں۔ ”رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی حدیث کے اشد کی طرف سے امانت دار تین بزرگ ہیں۔ امام مالک، شعبہ اور
یحییٰ القطان رحمہم۔ ابن سعد فرماتے ہیں ”کان ثقةً حجةً رفيعةً ما مونا“ حلیلی کا بیان ہے کہ وہ
بل کسی اختلاف کے سلم امام تھے، اور بصرہ میں امام مالک کے اصحاب میں سب سے زیادہ
جلیل القدر تھے۔ حافط ابن حجر فرماتے ہیں ”ان سے تمام ائمہ نے احتجاج کیا ہے، اور انہوں
نے کہا ہے کہ جو یحییٰ کو ترک کر لیا ہم اُسے ترک کر دیں گے۔“

اگرچہ یہ ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے وہ کچھ زیادہ وجہ نہیں تھے اور دیکھنے
میں ایک معمولی آدمی معلوم ہوتے تھے، لیکن ان کی علمی تکنت و وقار کا یہ عالم تھا کہ وہ خود
عصر کی نمائندہ فارغ ہو کر مسجد ہی میں ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے اور بڑے بڑے اساطین
علم حدیث جن میں علی بن المدینی، امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے اکابر شامل ہوتے
تھے۔ کھڑے کھڑے ان سے حدیث کے متعلق استفسارات کرتے بہتے تھے۔ ابن عمار کا
بیان ہے کہ میں حضرت یحییٰ القطان کی طرف دیکھتا تھا تو وہ بظاہر ایک برہمن معلوم ہوتے

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۷ ۲۔ ایضاً ص ۲۷۵ و ۲۷۶ ۳۔ بحوالہ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۱۹

۴۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۲۰ ۵۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۱۹۔

تھے۔ اور میں خیال کرتا تھا کہ کیسی مسئلہ کی نسبت کیا کوئی تسلی بخش جواب دے سکیں گے، لیکن جب وہ تقریر شروع کرتے تھے تو اعظم فقہاء خاموش ہو کر اُسے سنتے تھے پلو

تلاذہ | اُن کی شہرت سن کر دور دور سے طلبائے علم حدیث اُن سے استفادہ کے لیے آتے تھے جن میں بعض بڑے بڑے نامور محدثین ہوئے۔ اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

ابن ہمدی، امام احمد بن حنبل، مسدد، ثوری، ابن عیینہ، یحییٰ بن معین، اسحاق بن راہویہ، ابو عبیدہ القاسم بن سلام، ابو یوسف، ابو بکر بن ابی شیبہ، عمرو بن علی، ابن شیبہ، ابن بشار۔

نخبتِ ربانی | خوفِ خدا علماء کا خاص شمار ہے، حضرت یحییٰ القطان علمِ فضل کے لحاظ سے جتنے بلند پایہ امام تھے، اُسی قدر خوفِ خدا بھی اُن میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، کوئی آیت جس

میں قیامت کے دن کا ذکر، یا عذابِ الہی کا بیان ہوتا، سنتے تھے تو اُن پر لرزہ طاری ہو جاتا اور بعض اوقات فرطِ تاثیر سے غشی بھی طاری ہو جاتی تھی۔ ابنِ مدینی کا بیان ہے کہ ہم یحییٰ کے پاس

بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے سورہ دُخان کی تلاوت شروع کر دی، اُس کا سننا تھا کہ حضرت یحییٰ پر بیوشی طاری ہو گئی پلو بندارکتے ہیں میں بیس سال تک برابر حضرت یحییٰ ابن

معین کی خدمت میں آتا جاتا رہا، میں مکان نہیں کرتا کہ انہوں نے کبھی کوئی گناہ کیا ہو، نہ زہیر بن حرب کہتے ہیں، ہم ایک دفعہ حضرت یحییٰ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں محمد بن سعید الترمذی

آگئے۔ حضرت یحییٰ نے اُن سے کچھ پڑھنے کی فرمائش کی، انہوں نے تلاوت جو شروع کی تو یحییٰ

پیشی چھاگئی یہاں تک کہ اسی حالت میں اُن کو گھر پہنچایا گیا۔ محمد بن یحییٰ بن یحییٰ کا بیان ہے کہ حضرت یحییٰ القطان قرآن مجید کے سننے کی تاب ہی نہیں لاسکتے تھے۔ جب اُن کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت ہوتی تھی وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کا منہ زمین سے لگ جاتا تھا۔

عبادت | اس خشیت ربانی کی وجہ سے وہ عبادت بھی زیادہ کرتے تھے، قرآن مجید کی تلاوت سو بڑا شغف تھا۔ بیس سال تک اُن کا یہ معمول رہا کہ پوری شب میں ایک قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ نماز باجماعت کے اتنے پابند تھے کہ چالیس سال کی مدت میں کبھی ایک مرتبہ بھی اُن کو جماعت فوت نہیں ہوئی۔ پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ نمازِ چاشت کے بھی اتنے پابند تھے کہ چالیس سال تک کبھی ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے نماز چاشت مسجد میں ادا نہ کی ہو۔ اُن کے ہاتھ میں ایک تسبیح رہتی تھی جس سے وہ برابر ذکر اللہ کرتے رہتے تھے۔

تسلیم و رضا | کمالِ عبدیت یہ ہے کہ انسان خوشی اور غم، صحت اور مرض، دونوں حالتوں میں خداوند تعالیٰ کی رضا مندی اور اُس کی مشیت پر صابر و شاکر رہے اور کسی حالت میں بھی اپنے لبوں کو حربِ شکایت سے آفتاب نہ ہونے دے۔ اس لحاظ سے بھی حضرت محمدیؐ کی تسلیم و رضا اور محمدیہ صبر و وفا تھے۔ بیماری میں اگر برسیل عیادت اُن سے کہتا "عافاك الله" خدا آپ کو شفا عطا فرمائے۔ تو وہ اُس کے جواب میں کہتے "جو بیماری خدا کی مرضی سے آئی ہے۔ میں بھی اُس پر خوش اور رضا مند ہوں۔"

ہوں۔

متانت و سنجیدگی | خدا کی جلالت و عظمت کا تصور ہر وقت اُن پر طاری رہتا تھا، اس لیے وہ ہمیشہ بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ رہتے تھے۔ اُن کے پوتے احمد بن محمد کا بیان ہے کہ میرے دادا کبھی نہ مذاق کرتے تھے، نہ ہنستے تھے۔ انہوں نے کبھی تعقیقہ نہیں لگایا، ایسی ہی کوئی بات ہوئی تو زیادہ سے زیادہ مشتم ہو جاتے تھے، وہ کبھی حمام میں داخل نہیں ہوئے، کبھی سرمہ نہیں لگایا، اور نہ کبھی بالوں کو کسی تیل سے ہلکایا۔ البتہ اُس خضاب عمدہ قسم کا استعمال کرتے تھے۔

فناخت | ان تمام اوصافِ حسنہ کا لازمی نتیجہ فناخت ہے۔ چنانچہ اُن میں یہ وصف بھی بدرجہ اتم موجود تھا، محمد بن ابی صفوان کا بیان ہے کہ حضرت یحییٰ کے گھر میں جو غلہ آ جاتا تھا وہ اُس پر ہی عفت کرتے اور اُسی سے گھر کا خرچ چلاتے تھے۔ گیہوں آگے تو وہی کھا لیے، جو مہیا ہو گئے تو انہی پر اکتفا کر لیا، اور کبھی فقط کھجوریں آگئیں تو انہی پر پس کرتے تھے۔

رقب قلب | اُن کا قلب نہایت رقیق اور کمزور تھا، ابن عیین فرماتے ہیں ”یحییٰ القطان ضعیف القلب تھے۔ ایک دفعہ اُن کے پڑوسی میں اور خود اُن میں کسی بات پر نزاع ہو گیا، پڑوسی نہایت دریدہ دہن اور گستاخ زبان تھا، غصہ میں حضرت قطان کو بوجھلا کہہ بیٹھا۔ حضرت یحییٰ رونے لگے اور اس حالت میں بار بار فرماتے تھے ”ہاں یہ سچ تو کہتا ہے، میں بھلا ہوں کون؟ اور کیا ہوں؟“

حضرت یحییٰ کے ساتھ عام طور پر لوگوں کو جو عقیدت و ارادت تھی اُس کا اندازہ اس

ہو سکتا ہے کہ اُن کی زندگی میں ہی۔ اور اُن کی وفات کے بعد بھی متعدد لوگوں نے ایسے خواب دیکھے جن سے حضرت یحییٰ کی بندی مرتبت، آخرت میں اُن کا علوی مقام، خدا کی بے پایاں مغفرت و بخشش، اور آخرت کی پکڑ سے اُن کی نہایت عزت و وقوت کے ساتھ خلاصی و رستگاری متبادر ہوتی ہے۔

وفات | ماہِ صفر ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

سفیان بن عیینہ

نام و نسب | سفیان نام ابو محمد کنیت والد کا نام عیینہ تھا، اصل وطن کوہ تھا، پھر مکہ میں ہنر لگے تھے۔ اچھے دادا ابو یمن عمارۃ ضحاک کے بھائی محمد بن مزہم کو غلام تھے۔ سفیان کا خاندان ہمدانی تھا، یہ سب نو بھائی تھے جن میں سے حضرت سفیان سمیت پانچ محدث ہوئے۔ سفیان عیینہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت | اپنی تعلیم کے بارے میں حضرت سفیان خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے چار برس کی عمر میں قرآن مجید ختم کر لیا تھا، ساٹھ برس حدیث لکھنی شروع کر دی تھیں۔ پھر جب میں پندرہ سال کا ہوا تو میرے والد نے مجھ سے کہا بیٹے! اب تم سے بچوں کے احکام منقطع ہو گئے ہیں تمہیں علم حدیث کی تکمیل کے لیے علماء حدیث کی خدمت میں رہنا چاہیے اور اسے خوب یاد رکھو کہ علماء سے وہی شخص استفادہ کر سکتا ہے جو اُن کی اطاعت کرے پس تم اُن کی اطاعت کرو تو

لے اس طرح کے کئی خواب تاریخ خطیب بغدادی ج ۱ ص ۱۳۳، ۱۳۴ پر مذکور ہیں۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۱ ص ۱۴۰

سعادت اندوز ہو گئے اور اُن کی خدمت کرو گئے تو اُن کے علم سے استفادہ کر سکو گئے۔ سفیان کاتر
ہیں میں اپنے والد کی نصیحت پر ہمیشہ کاربند رہا اور کبھی اُس سے عدول نہیں کیا؟

علم فضل | حضرت سفیان کے ذوق و شوق اور سعادت مندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علم تفسیر و حدیث کے
بڑے امام ہو گئے یہاں تک کہ بڑے بڑے ائمہ نے اُن کی جلالتِ شان کو تسلیم کیا ہے۔ امام
شافعی فرماتے تھے ”اگر امام مالک اور سفیان نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا۔“ امام نووی لکھتے
ہیں ”اُن کی امامت، جلالتِ شان اور عظمت پر سب کا اتفاق ہے۔“ امام احمد بن حنبل فرماتے
ہیں ”میں نے ابن عیینہ سے بڑا کوئی عالم سُن نہیں دیکھا۔“ ابن عماد کھنبلی انہیں شیخ الحجاز واحد
الاعلام لکھتے ہیں۔ ابن ناصر الدین کہتے ہیں ”سفیان امام عالمی مقام اور حرم محترم کے محدث
تھے۔“

تفسیر | آپ تفسیرِ مترآن میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ عبدالرحمن بن ہمدی سے کسی
نے پوچھا ”سفیان ثوری اور ابن عیینہ میں کیا فرق ہے؟“ بولے ”ان دونوں میں
بھلا کیا موازنہ ہو سکتا ہے، ابن عیینہ کو معرفتِ مترآن، تفسیر، حدیث اور تفرق
حروف کی تحقیق میں وہ مقام حاصل ہے جو ثوری کو میسر نہیں ہے۔“ ابن وہب
کہتے تھے ”میں نے سفیان بن عیینہ سے بڑھ کر کوئی شخص مترآن مجید کا عالم
نہیں دیکھا؟“

لے تہذیب الاسما ج ۱ ص ۲۲۵ لے تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۱۹ لے تہذیب الاسما ج ۱ ص ۲۲۳

لے شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۵۴ لے تاریخ طلیب بغدادی ج ۹ ص ۱۵۲، ۱۵۳۔

حدیث | حدیث اُن کا خاص فن تھا اس کی تحصیل انہوں نے امام ابن شہاب زہری اور عمرو بن دینار سے خاص طور سے کی تھی ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت سفیان نے جن محدثین سے روایت کی ہے اُن میں چند نام یہ ہیں :-

ابو اسحاق السبسی، زیاد بن علاقہ، ابراہیم، موسیٰ، اور محمد بنی عقبہ، اسمعیل بن امیہ، ایوب بن ابی تمیمہ السخستانی، یزید بن ابی بردہ، حمید الطویل، ابو حازم بن دینار، سلیمان التیمی، سلیمان الاحول، صالح بن کیسان، صالح بن صالح بن حمی، صفوان بن سلیم، ان کے علاوہ بیشمار محدثین ہیں جن سے حضرت سفیان نے روایت کی ہے۔

ابن عیینہؒ نے حدیث کی تحصیل اتنی کم عمری میں شروع کر دی تھی کہ امام زہریؒ فرماتے تھے ”میں نے حدیث کا طالب سفیان سے کم عمر نہیں دیکھا“ سو لہٰذا برس کی عمر سے انہوں نے امام زہریؒ کی ملازمت شروع کر دی تھی پھر اپنی محنت، ذاتی مشق اور ذہانت و قوتِ حافظہ کی وجہ سے تلامذہ زہریؒ میں انہوں نے وہ مقام حاصل کیا کہ سب سے نمایاں اور سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ہو گئے۔ ابنِ مدینی کا بیان ہے کہ زہریؒ کے اصحاب میں ابنِ عیینہؒ سے بڑھ کر کوئی اور معتد اور ثقہ نہیں ہے۔

اجلہ علما کا اعتراف | حضرت سفیان کو حدیث میں جو مرتبہ عظیم حاصل ہے بڑے بڑے ائمہؒ فن نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ بشر بن الحنفیہؒ کہتے تھے ”اب زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا ہے جو سفیان بن عیینہؒ کے مثل ہو“ امام شاہیؒ کا ارشاد ہے ”امام الکلبی اور سفیان دونوں حدیث میں

قرین ہیں، یحییٰ بن سعید نے ابن مدینی سے بیان کیا کہ اب ابن عیینہ کے سوا اسائدہ حدیث میں کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ اس پر ابن مدینی نے پوچھا "اے ابوسعید! کیا سفیان حدیث میں امام ہیں؟ فرمایا "وہ تو چالیس برس سے امام ہیں" عملی کا قول ہے "سفیان کو فی ہیں معتمد میں حدیث میں ثبت ہیں، ان کی حدیثیں حسن ہوتی ہیں اور ان کا شمار حکماء اصحاب حدیث میں ہے" عثمان دارمی کہتے ہیں "ایک مرتبہ میں نے ابن عیینہ کو دریافت کیا کہ آپ کو عمرو بن دینار کے شاگردوں میں ابن عیینہ زیادہ پسند ہیں یا ثوری؟ کہا "عمرو بن دینار کی معرفت ابن عیینہ کو ثوری سے زیادہ حاصل ہے" پھر دریافت کیا "حماد بن زید کے متعلق کیا رائے ہے؟" بولے "ابن عیینہ کو ان سے بھی زیادہ علم ہے" اس کے بعد انہوں نے حضرت شعبہ کی نسبت دریافت کیا تو فرمایا "ابن عیینہ ان سے بھی بڑے عالم ہیں" ابن ہمدی کہتے ہیں "ابن عیینہ اہل حجاز کی حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے" ابو حاتم الرازی کا بیان ہے کہ ابن عیینہ ثقہ امام ہیں اور امام زہری کے تلامذہ میں امام مالک اور ابن عیینہ سب سے زیادہ ثقہ اور معتبر ہیں اور

نفتہ حضرت سفیان ثقہ میں بھی مجتہدانہ نظر رکھتے تھے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں

مَا كُنَّا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْفُقَهَاءِ أَحْلَمَ مِنْ لِقَاءِ ابْنِ عَيْنَةَ
بِالْقُرْآنِ وَالسُّنَنِ مِنْهُ

زیادہ قرآن و سنن کا عالم نہیں دیکھا۔

لیکن اس کے باوجود احتیاط کا یہ عالم تھا کہ فتویٰ دینے سے اجتناب کرتے تھے امام شافعی فرماتے ہیں۔

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ فِيهِ جَزَالَةٌ میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس میں علم
العلم ما في ابن عيينه وما رأيت کی بہتات ایسی ہو جیسی ابن عیینہ میں ہوا میں
أَحَدًا أَنْفَ عَنْ الْفَتْيَا مِنْهُ نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو ابن عیینہ سے زیادہ
فتوے سے اجتناب کرنے والا ہو۔

مرجع خلائق | ان کمالاتِ علم و فضل کی وجہ سے حضرت ابن عیینہ عوام خواص کے مرجع ہو گئے تھے
مسرحین کد ام نے ان سے جبکہ یہ ابھی نو عمر ہی تھے درس حدیث کی فرمائش کی انہوں نے
عذر کرتے ہوئے کہا "میں تو ابھی نو عمر ہوں، مسرہوئے" تمہارے پاس امام زہری اور عمرو بن
دینار موجود ہیں، پھر حضرت سفیان نے درس شروع کیا تو لوگوں کی کثیر تعداد اس کی سماعت
کے لیے حاضر ہونے لگی چنانچہ حافظ ابن حجر نے آپ کے تلامذہ کے نام ایک صفحہ میں لکھے ہیں
جن میں بعض بڑے بڑے امام وقت بھی ہیں لیکن آپ کی فروتنی اور انکسافِ نفس کا یہ عالم تھا
کہ اس مجمع کثیر کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتے تھے۔

خَلَّتِ الدَّيَارُ قَسَدًا غَيْرَ مُسْتَوٍ وَ مِنَ الشَّقَاءِ تَفَرَّدِي بِالشُّوَدِ

توجہ:- دیارِ خالی ہو گئے ہیں اس لیے میں بغیر کسی کے سردار نہاں ہوں خود سردار بن گیا
ہوں ادنیٰ میری بنیسی ہے کہ میں سرداری میں تنہا ہوں۔

دور دراز کے لوگوں کو آپ سے ملنے کا اس مقدارِ اشتیاق رہتا تھا کہ آپ کہ
میں اقامت گرین ہو گئے تھے اور ہر سال حج کرتے تھے تو اس موسم میں دور دراز سے اور لوگ

بھی کثرت حج کرنے گئے تھے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

والباعث لہم لقی ابن عیینہ۔ اور ان کے لیے بڑا باعث ابن عیینہ سہ لاقات کا جذبہ
فیزدحمون علیہ فی ایام الحج۔ تھا چنانچہ حج کے زمانہ میں ان کے پاس لوگوں کا بہت

ذہور علی کمالات کے ساتھ زہد و اتقا کے لحاظ سے بھی سب معاصرین میں متانہ تھے ابو یوسف
الفسولی بیان کرتے ہیں ”میں ایک مرتبہ حضرت سفیان کے پاس گیا تو دیکھا کہ ان کے سامنے
جسکی دو ٹکیاں رکھی ہوئی ہیں۔“ مجھ کو دیکھ کر فرمانے لگے ”چالیس سال سے میری غذا ایسی ہے۔“
ابن جان کہتے ہیں ”سفیان معتبر حفاظ حدیث اور ارباب ورع و دین میں سے ہیں“ لا لک
کا بیان ہے ”سفیان اپنے ثبوت اور اتقان کی وجہ سے تزکیہ سے مستغنی ہیں۔“

عبادت عبادت گزار بھی بہت تھے خصوصاً حج کا بہت شوق تھا۔ بچپن میں ان کے والد ایک
مرتبہ اپنے ساتھ کوفہ سے مکہ معظمہ حج کے لیے لائے تھے۔ اس کے بعد توان کا ناتا بندھ گیا یہاں
تک کہ انہوں نے شریعہ کیے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ ہر مرتبہ حج کرنے کے بعد دعا کرتے
تھے کہ ”اے اللہ تو اس حج کو آخری حج نہ بنا“ ان کی یہ دعا قبول ہوتی تھی اور اس کے بعد بھی
انہیں حج کا موقع ملتا تھا۔ آخری مرتبہ حج کرنے کے بعد انہیں پھر یہ دعا ملگتی ہوئے شرمائی
چنانچہ انہیں اس کے بعد حج کا نہیں ملا۔

جلالت شان حضرت سفیان کی اس جلالت شان کی وجہ سے خلیفہ وقت تک ان کا بڑا احترام
کرتا تھا۔ ابوالرجیع کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ہارون الرشید امیر المومنین سے ملا تو اس نے

پہلے ہاشمی علوین کا حال پوچھا پھر کہنے لگا "سید الناس کا کیا حال ہے؟" میں نے کہا "امیر المؤمنین! آپ کے سوا اور کون سید الناس ہے؟ بولا "سفیان بن عیینہ سید الناس ہیں۔" مقولے | حضرت سفیان کم بولتے تھے لیکن جب بولتے تھے تو ان کی باتیں حکمت و ہند کا گنجینہ ہوتی تھیں چنانچہ ان کے بعض مقولے یہ ہیں۔

۱) جس آدمی کی عقل زیادہ ہوتی ہے اُس کا رزق کم ہوتا ہے۔

۲) نہ دراصل صبر ہے اور موت کا انتظار۔ اور علم اگر غم کو نفع نہ پہنچائے تو وہ نقصان پہنچا دیتا ہے۔

وفات | ۳۰۔ جمادی الاخریٰ ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ ابن منذر نے مرثیہ کہا جس میں ایک شعر یہ ہے۔

من کان یسکی رجلاً ھاذا فلیبک للاسلام سفیاناً
توجہ: جو شخص کسی مرنے والے پر روئے نہ چاہیے کہ اسلام کی خاطر سفیان پر ہی
اثک بہائے۔

محمد بن الحسن الشیبانی

نام ذنب احمد نام ابو عبد اللہ کنیت، والد کا نام حسن تھا قبیلہ بنو شیبان کے غلام تھے، اس لیے شیبانی کہلاتے تھے۔ دمشق کے اطراف میں ایک گاؤں ہے جس کا نام خرستان تھا۔ امام محمد کے والد ہیر کے رہنے والے تھے، یہ شامی لشکر میں ملازم تھے۔ اسی سلسلہ میں کچھ مدت تک واسطہ میں قیام کرنا پڑا، یہیں امام محمد ۳۲ سنہ میں پیدا ہوئے

تعلیم و تربیت | کوثر میں تعلیم و تربیت پائی، اس زمانہ میں کوثر نحو و ادب، تفسیر و حدیث اور فقہ کا گہوارہ تھا۔ امام محمد میں شوق و ذوق و تحصیل علوم کی استعداد فطری تھی۔ پھر ان کے والد نے انتقال کے وقت تعمیل ہزار درہم بھڑے تھے۔ امام محمد نے یہ سب روپیہ اپنی تعلیم پر خرچ کر دیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں میں نے پندرہ ہزار درہم نحو اور شعر و ادب کی تعلیم پر خرچ کیو۔ اور پندرہ ہزار درہم حدیث اور فقہ کی تعلیم پر۔

علم و فضل | امام محمد نے باپ کا چھوڑا ہوا تمام اثاثہ اپنی تعلیم پر خرچ کر دیا لیکن اس کے بدلے میں ان کو اقلیم علم و فضل کی وہ کشور کشائی ملی جو دنیا کے کم سواد و متند لوگوں کے حصہ میں آتی ہے ان کی علمی فضیلت کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ امام شافعی فرماتے ہیں میں نے امام محمد سے ایک اونٹ کے بوجھ کی برابر علم حاصل کیا ہے۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو مجھ پر علم کی اتنی راہیں

نہ کھتیں جتنی کہ اب کھلی ہیں۔ تفسیر حدیث، فقہ، ادب، شعر، بلاغت اور نخوان تمام علوم میں اُن کو یکساں کمال حاصل تھا۔ اور اُن پر یہ مصرع پورے طور پر صادق آتا ہے۔

اے توجہ جو خوبی بچہ نامت خو نم

تفسیر القرآن مجید کے حقائق و معانی کے درک و فہم میں اُن کا مرتبہ اتنا بلند تھا کہ امام شافعی فرماتے ہیں ”میں نے امام محمد سے بڑا کوئی شخص کتاب اللہ کا عالم نہیں دیکھا“ اسی طرح کا ایک منقول ابو عبیدہ سے منقول ہے۔

حدیث | حدیث میں انہوں نے حضرت مسعر بن کدام، سفیان ثوری، عمرو بن ذر، مالک بن منقول، امام مالک بن انس، ابو عمرو والاوزاعی، زمر بن صالح، اور کبیر بن عامر، وغیرہم سے استفادہ کیا تھا۔ لیکن امام مالک سے اُن کو بڑی خصوصیت تھی۔ خود اُن کا بیان ہے کہ میں تین سال سے کچھ اوپر تک امام مالک کی صحبت میں رہا ہوں اور میں نے اُن سے سات سو سے زیادہ حدیث سنی ہیں۔ امام مالک کے ساتھ اس خصوصیت کے رکھنے کے باعث امام محمد امام مالک کی روایتوں کے بہترین حافظ اور امانت دار سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ وہ جب کبھی اپنی مجلس میں امام مالک کی روایتیں بیان کرنے کا اہتمام کرتے تھے لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ جگہ ناکافی ثابت ہوتی تھی۔ امام محمد طبعاً اس چیز کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ان لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا ”تم لوگ اپنے اصحاب کے حق میں کتنے بُرے ہو میں جب امام مالک کی روایتیں بیان کرتا ہوں تو تمہارا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ جگہ تنگ ہو جاتی ہے لیکن جب میں خود تمہارے اصحاب کی روایات

بیان کرتا ہوں تو تم بادلِ ناخواستہ ہی اُس درس میں شریک ہوتے ہو۔ بغداد کے قیام میں مستقل
درس حدیث دیتے تھے۔

تلاذہ اُن کے تلاذہ کی تعداد بہت وسیع ہے اور اُن میں وقت کے بڑے بڑے امام شامل ہیں
جن میں سے چند کے اسامی گرامی یہ ہیں:-

امام شافعی، ابوسلمان ابو جوز جانی، ہشام بن عبید اللہ الرازی، ابو عبید القاسم بن سلام، اسماعیل
بن قتبہ، علی بن مسلم الطوسی۔ ابو حفص کبیر، محمد بن سماعہ، عیسیٰ بن ابان، محمد بن مقاتل، موسیٰ بن نصیر
فقہ۔ اگرچہ وہ مذہبِ اہل سنت کے تمام علوم میں یکساں کمال رکھتے تھے لیکن ان کی زیادہ تر شہرت
فقہ کی حیثیت سے ہے۔ فقہ میں وہ امام ابو حنیفہ اور قاضی ابویوسف رحمہما اللہ کے شاگرد تھے۔ مہارت
فن اور وسعتِ نظر کی وجہ سے اُن سے خواہ کتنا ہی مشکل کوئی مسئلہ پوچھا جاتا وہ بڑی خندہ پیشانی اور
کسادگیِ قلب کے ساتھ جواب دیتے تھے۔ امام شافعی کا بیان ہے "میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا
جس سے کوئی مشکل مسئلہ پوچھا جائے اور اُس کے تیوروں پر بل نہ پڑے، البتہ ہاں امام محمد اس سے
مستثنیٰ ہیں۔" ایک دوسرے مقولے میں فرماتے ہیں "میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو حلال اور
حرام، اودھل اور ناسخ و منسوخ کے علم میں محمد بن الحسن سے بڑھ کر ہو، اگر لوگ انصاف کی نظر سے
دیکھیں تو اُن کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہوں نے محمد بن الحسن ایسا کوئی نہیں دیکھا۔ میں نے کبھی کوئی
فقہ ایسا نہیں دیکھا جو فقہ میں امام محمد سے زیادہ مہارت و بصیرت رکھتا ہو۔ اور اُس کی زبان فقہ
کے مسائل پر گفتگو کے وقت تیزی سے چلتی ہو۔ امام محمد کو فقہ اور اُس کے اسباب پر عبور حاصل

ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے مشکل مسائل کے حل کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی جن کا بر تک عاجز نہ تھے۔

فقہ کی پرکھ میں امام شافعی سے زیادہ اور کس کا قول درخوش تسلیم و پذیرائی ہو سکتا ہے۔ ایک موقع پر کسی نے اُن سے دریافت کیا ”آپ نے امام مالک کو دیکھا ہے اور اُن سے عیادت بھی کی ہے۔ اور دوسری جانب آپ نے امام محمد بن الحسن کے ساتھ بہت دنوں تک رفاقت کی ہے۔ آپ کے نزدیک ان دونوں میں کون بڑا فقیہ ہے؟“ ارشاد ہوا ”محمد بن الحسن افقہ نفساً منہ“ محمد بن الحسن باعتبار نفس کے اُن سے بڑے فقیہ ہیں۔ ابو سعید کہتے ہیں ”میں ایک دفعہ امام محمد بن الحسن کے پاس آیا تو دیکھا کہ امام شافعی اُن کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور کوئی مسئلہ دریافت کر رہے ہیں۔ امام محمد نے اُس سوال کا جواب دیا تو امام شافعی نے اُس کو بہت پسند کیا اور فوراً لکھ لیا۔“

کنکۃ شناعی [امام محمد اگرچہ فربہ اندام تھے لیکن نہایت ذکی تھی۔ امام شافعی فرماتے ہیں ”میں نے امام محمد کے علاوہ کوئی فربہ اندام شخص اس غضب کا ذکی نہیں دیکھا۔ ان کے کمالِ فقہ میں اس دکاوت کا بڑا دخل تھا جس کی وجہ سے وہ مشکل سے مشکل مسئلہ میں عجیب و غریب نکالت پیدا کر دیتے تھے۔ مجاشع بن یوسف کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مدینہ میں امام مالک کے پاس بیٹھا ہوا تھا، وہ اُس زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ اتنے میں امام محمد بن الحسن جو اُس وقت نوجوان تھے، آئے اور پوچھنے لگے کہ آپ اُس ناپاک (رضی) آدمی کی نسبت کیا فرماتے ہیں جس کو

پانی سوائے مسجد کے اور کہیں نہ لے، اور پھر پانی بھی مسجد کے اندر ہی جتنے میں ہو۔ امام مالک بولے۔
 ”جبھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، امام محمد نے فرمایا ”نار کا وقت آگیا ہے اور پانی سامنے ہی
 موجود ہے، ایسی حالت میں اس کو کیا کرنا چاہیے؟“ امام مالک نے پھر وہی جواب دیا، اور اس
 پر امام محمد نے وہی فرمایا، جو پہلے فرما چکے تھے آخر کار امام مالک نے کہا ”اچھا تو آپ بتائیے، آپ
 اس اشکال کا حل کس طرح کریں گے؟“ امام محمد بولے ”اس جنبی کو تنہا کر کے مسجد میں داخل ہونا چاہیئے
 اور پھر وہاں سے پانی لے کر غسل کرنا چاہیئے، یسّٰن کر امام مالک نے پوچھا ”آپ کہاں کے
 بستے والے ہیں؟“ ارشاد ہوا۔ ”من اهل هذه“ ”یہاں کے لوگوں میں سے ہوں“ امام مالک
 نے فرمایا ”اہل مدینہ میں تو کوئی ایسا نہیں ہے جس کو میں نہ جانتا ہوں۔“ امام محمد بولے
 ”کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کو آپ نہیں جانتے۔“ اس گفتگو کے بعد امام محمد اٹھ کر مجلس
 سے چلے آئے تو امام مالک سے لوگوں نے بیان کیا کہ یہ صاحب محمد بن الحسن صاحب
 ابی حنیفہ تھے۔ امام مالک نے فرمایا ”بھلا امام محمد کس طرح جھوٹ بول سکتے ہیں۔ ابھی انہوں نے
 یہ کہا ہے کہ میں مدینہ کے لوگوں میں سے ہوں۔ لوگوں نے عرض کی ”نہیں حضرت! انہوں نے
 هذه کہہ کر زمین کی طرف اشارہ کیا تھا اور مراد یہ تھی۔ میں اس زمین کے لوگوں میں سے ہوں۔“
 امام مالک کو یہ سن کر سخت تعجب ہوا اور انہوں نے فرمایا ”هَذَا امْتِدَادٌ عَلَيَّ مِنْ ذَاكَ“

امام محمد کے کمالِ فقہ کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ امام شافعی ایسا مسئلہ روزگار امام
 فقہ صاف لفظوں میں اعتراف کرتا تھا کہ اَمَّنَ النَّاسِ عَلَيَّ فِي الْفَقْهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ، ایک مرتبہ ایک

شخص امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوا اور کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ امام عالی مقام نے اس کا جواب دے دیا تو وہ شخص بولا "اس مسئلہ میں فقہاء تو آپ کے خلاف ہیں۔" آپ نے فرمایا تم نے کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ البتہ ہاں اگر تم نے محمد بن الحسن کو دیکھا ہے تو ان کی بات اور ہے۔ وہ آنکھوں اور دلوں میں سما جاتے تھے۔"

تفسار | اس کمالِ تفقہ کے باعث ہی ہارون رشید نے ان کو رقبہ کا قاضی بنا دیا تھا۔ ایک مدت تک وہ اس فرض منصبی کو انجام دیتے رہے لیکن معلوم نہیں کیا سبب ہوا کہ بعد میں معزول کر دیے گئے۔

نصاحت | تمام علمی اور دماغی کمالات کی گنجی حسن بیان و تقریر ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو بڑے بڑے ارباب کمال گمنامی کے گوخ میں پڑے رہتے ہیں اور ان کو ابھرنے اور نمایاں ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ امام محمد کی ذات ستودہ صفات اس کمال سے بھی حصہ وافر رکھتی تھی۔ ان کو عربیت کے تمام علوم پر ایسا ہی عبور تھا، جیسا تفسیر، حدیث اور فقہ پر۔ ان کی تقریر فصاحت و بلاغت کے تازہ و شگفتہ پھولوں کا سدا بہار گلہستہ ہوتی تھی۔ امام شافعی فرماتے ہیں "میں نے امام محمد سے بڑا کوئی فصیح نہیں دیکھا۔ وہ جب کلام کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ جوشِ تقریر | جب کسی اہم موضوع پر گفتگو کرتے تھے تو نہایت جوش و خروش اور پوری قوت کے ساتھ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی مسئلہ پر امام شافعی سے مذاکرہ کر رہے تھے کہ تقریر کرتے کرتے جوش و خروش سے بھرپور ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کی گلیں پھول گئیں، آواز بلند ہو گئی، باریک کپڑے زیب

تن تھے۔ اُن کا کوئی مٹن ایسا نہ تھا جو ٹوٹ نہ گیا ہو۔

درس | امام محمد نے نو عمری میں ہی وہ کمال پیدا کر لیا تھا کہ خلافت کا مرجع بن گئے تھے۔ ابھی بیس سال کے ہی تھے کہ کوفہ کی مسجد میں درس دیتے تھے۔

حسن مجاہد | منہوی حسن کے ساتھ قدرت نے اُن کو ظاہری اور بصوری حسن و جمال سے بھی بہرہ وافر عطا فرمایا تھا۔ علامہ ابن العساکر نے لکھے ہیں ”وكان من اجل الناس واحسنهم“ اُن کے حسن و جمال کا ایک عجیب واقعہ ہے۔ امام محمد کے والد ان کو تعلیم کی غرض سے لے کر امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو امام صاحب نے امام محمد کا غیر معمولی حسن و جمال دیکھ کر فرمایا ”تم اپنے لڑکے (محمد) کا سر موڈ دو اور بوسیدہ کپڑے پہناؤ تاکہ اُن کو دیکھنے والے فقہ میں مبتلا نہ ہوں“ امام محمد کے والد نے فخر و حکم کی تعمیل کی لیکن عمل ہوتا ہے تو گدڑی میں بھی چمکتا ہے۔ اس ہیئت لباس نے امام محمد کے حسن کو اور چمکا دیا۔

رنگ کھلتا جلتے ہو جتنا کہ اڑتا جلتے ہو

خود امام ہمام کے الفاظ یہ ہیں ”فردت عند الخلق جمالاً“

علی انہاک | کوئی علی کام اطمینان کے ساتھ اُس وقت تک انجام پذیر نہیں ہو سکتا جب تک خانگی معاملات سے کیسہ ہو کر ہمہ تن اُس میں انہاک نہ ہو۔ مشہور مقولہ ہے ”العلم لا يعطيك بعضه“ حتیٰ لا يعطيه كلاك۔ اس بنا پر امام محمد نے اپنے گھر کا تمام انتظام ایک منجر کے سپرد کر رکھا تھا اور اہل خانہ کو ہدایت کر دی تھی کہ تم کو جس کسی چیز کی ضرورت ہو میرے کویل سے لے لینا، پھر

آپ نے فرمایا: مَا أَقْلَ لَهْشَى وَخَرْغَ لَهْشَى

تصنیفات | ان کی کیسوی اور خانگی امور سے اس فارغ البالی کا ہی نتیجہ تھا کہ انہوں نے درس و تدیس اور افتاء و قضا کی چند در چند مصروفیتوں کے باوجود متعدد کتابیں بھی تصنیف کیں جو آج تک اسلامی فقہ کی بنیاد کا کام دے رہی ہیں۔ امام عالی مقام کی مشہور تصنیفات یہ ہیں:-

المبسوط، الجامع الصغير، الجامع الكبير، السير الكبير، السير الصغير، الزيادات جو عموماً ظاہر الروایۃ والاصول کے نام سے معروف ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ فقہ میں الریقات، المارونیات، الکلیانیات، الحجریانیات۔ اور حدیث میں کتاب الاثار اور موطا امام محمد بھی آپ کی تصنیف ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم نے موطا امام محمد کے مقدمہ میں ان تصنیفات پر بڑی تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے اور التقدمۃ شرح للتقدمۃ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ کی تصنیفات کی تعداد نو سو نیا نوے ہے اور یہ سب کتابیں وہ ہیں جو علوم دینیہ میں لکھی گئیں۔ ابوعلی الحسن بن داؤد کہتے ہیں کہ اہل بصرہ کو چار کتابوں پر فخر و ناز ہے، کتاب البيان و التبيين للماحق، کتاب الحیوان، کتاب یسویہ اور کتاب الکلیل فی العین لیکن ہم اہل کوفہ کو ان ستائیس ہزار حلال و حرام کے مسائل پر ناز ہے جو ایک کوفہ کے ہی حلیل القدر عالم یعنی امام محمد بن الحسن نے بیان کیے ہیں۔ یہ سب مسائل قیاسی اعتقلی ہیں اور اس قدر ضروری ہیں کہ لوگوں کو ان سے بے خبر نہ رہنا چاہیے۔ امام محمد کی تصنیفات کی عظمت و وقعت کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ کسی شخص نے امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ آپ کو ایسے ایسے دقیق مسئلے کہاں سے معلوم ہوئے؟ فرمایا محمد بن حسن کی کتابوں

امام شافعی فرماتے ہیں: "امام محمد بن الحسن میرے نزدیک ہمیشہ عظیم المرتبت رہے ہیں نے ان کی کتابوں پر ساٹھ دینار خرچ کیے ہیں۔"

علی نقار خودمداری [امام محمد اگرچہ خلیفہ ہارون رشید کی مجلس میں آمد و رفت رکھتے تھے لیکن انہوں نے کبھی اپنے علمی وقار اور خودمداری کو ماتھے سے نہیں جلنے دیا۔ ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم سب امام محمد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ہارون رشید آگئے۔ ہم سب ان کی تعظیم کے لیے سو قد کھڑے ہو گئے لیکن امام جس طرح بیٹھے تھے اسی انداز سے بیٹھے رہے۔ خلیفہ سے ملاقات کرنے کے لیے باری باری سے لوگ آتے جاتے رہے، یہاں تک کہ امام کی باری آئی تو آپ نے خلیفہ نے دریافت کیا کہ میری تعظیم کے لیے سب لوگ کھڑے ہوئے لیکن آپ کیوں کھڑے نہیں ہوئے؟ آپ نے جواب دیا کہ آپ نے مجھ کو جس طبقہ میں شریک کر دیا ہے، میں اُسے ناپسند کرتا ہوں کہ میں پھر اس طبقہ سے باہر آؤں۔ آپ مجھ کو ارباب علم میں شمار کرتے ہیں، اب میں بسے پسند نہیں کرتا کہ میں اس زمرہ سے نکل کر نوکروں اور خدمت گزاروں کے طبقہ میں شامل ہوں۔ اور آپ کے ابن عم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو شخص یہ خواہش کرے کہ لوگ اُس کے لیے کھڑے ہوں تو اُس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ ان لوگوں سے آپ کی مراد علماء ہیں، جو لوگ حق خدمت ادا کرنے اور بادشاہ کے اعزاز کو بڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں وہ دشمن کے لیے باعثِ ہیبت و رعب ہیں۔ اور جو شخص بیچارہ اُس نے سنت کا اتلاع کیا جو تم سے صحیحین لی گئی ہے۔ تو ایسا شخص تو تمہارے لیے باعثِ زینت ہے۔" ہارون رشید نے

یہ سن کر کہا کہ آپ نے اے محمد! بالکل درست فرمایا اس گفتگو کے بعد ہارون نے کہا "حضرت عمر فاروقؓ نے بنو قریظہ سے اس شرط پر مصاحبت کی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائینگے، لیکن وہ اس شرط پر حامل نہ رہ سکے، اور انہوں نے اپنی اولاد کو عیسائی بنالیا، تو کیا اب اس نقص عہد کی وجہ سے ان کا خون مباح ہے؟ آپ نے فرمایا "ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کے بعد اپنی اولاد کو عیسائی بنا کر شرط صلح کی خلاف ورزی کی، لیکن حضرت عثمانؓ نے جو آپ کے ابن عم تھے اس کو انگیز کر لیا، حالانکہ ظاہر ہے کہ جو علم ان کے پاس تھا وہ آپ کے پاس نہیں ہے، اور پھر اس کے بعد بھی اس پر عمل درآمد ہوتا رہا، اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ کے بعد بھی خلفاء نے اس صلح کو باقی رکھا۔ اب اگر آپ ان لوگوں کو قتل نہ کریں تو آپ سے اس کی نسبت کوئی باز پرس نہیں ہو سکتی۔ آخر میں فرمایا "جو میرے نزدیک حق تھا وہ میں نے عرض کر دیا، اب جو کچھ آپ کی رائے ہو وہی اٹلی ہے۔ ہارون نے یہ تقریر دلی پذیر سن کر کہا "ہمیں اہم وہی کرینگے جو مجھ سے پیشرو خلفاء نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم دیا تھا چنانچہ وہ مشورہ کرتے تھے پھر جو رائے زیادہ صائب ہوتی تھی حضرت جبریلؑ اس کو بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے تھے۔ اب آپ کو لازم ہے کہ اس شخص کے (یعنی میرے) لیے دعا کریں جس کے ضیاع کا نہ حمل پر حملہ حکومت کی ذمہ داری کا بوجھ رکھ دیا ہے، اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کا حکم کیجیے، پھر کہا کہ میں نے آپ کے لیے کچھ عطیہ کا حکم کر دیا ہے، آپ اس کو اپنے ساتھیوں پر تقسیم کر دیجیے۔ چنانچہ آپ کو مال کثیر دیا گیا جو آپ نے اسی وقت تقسیم کر دیا۔

فیاضی | امام محمد زندگی نہایت شان و شوکت کے ساتھ بسر کرتے تھے، لیکن ساتھ ہی بڑے فیاض اور کشادہ دست بھی تھے اور خصوصاً علماء اور طلباء پر کافی خرچ کرتے تھے۔ ابن العمامہ کھنبلی لکھتے ہیں۔

وكان كثير البر بآمام الشافعي، وه امام شافعي کے ساتھ بڑا سلوک کرتے تھے۔ ان کا
فی قضاء دیونہم والاغناقی علیہ قرضہ اٹارتے تھے، ان پر اپنا مل خرچ کرتے تھے
من مالہ واعادوا الکتب حتی کتابیں ماریت پر میتے تھے۔ یہاں تک کہ بیان
یقال انہ دفع لحمل عیر کیا جائے کہ انہوں نے ایک اونٹ لدی ہوئی
کتبا۔ کتابیں ان کو دیں۔

امام شافعیؒ | جیسا کہ مذکور بالا واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ امام محمد کو امام شافعی سے گہرا تعلیق خاطر
تعلق و محبت اور رابطہ محبت تھا۔ ایک معاملہ میں بعض شوافع نے امام محمد پر یہ الزام لگایا ہے کہ
انہوں نے امام شافعی کی چنپی ہاروں رشید سے کی تھی لیکن علامہ ابن العمامہ کھنبلی اس کی پُر زور
تردید کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ امام محمد نے تو اس واقعہ میں امام شافعی کی جان بچائی ہے
پھر بھلا وہ چنپی کس طرح کر سکتے تھے۔ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ علوی خاندان کے دس شخصوں کی
نسبت ہارون کو یہ رپورٹ پہنچی کہ وہ خلافت کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور ہارون کو
خلیفہ جائز تسلیم نہیں کرتے۔ ہارون نے ان لوگوں کی گرفتاری کا حکم دے دیا، چنانچہ یہ سب
جن میں امام شافعی بھی شامل تھے گرفتار کر کے رقبہ سے بغداد بھیج دیے گئے، لیکن اتفاق سے ہارون

لے شذرات الالہب ج ۱ ص ۳۲۳۔

لے ہندو سے ۳۵۰ میل شمال مغرب ہیں دریائے فرات کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ رقبہ کا طول البلد شرقی ۳۹ درجہ ۱۱ دقیقہ
اور عرض البلد شمالی ۳۵ درجہ ۵۹ دقیقہ ہے۔ (مؤلف)

خود رقعہ میں فرکوش تھا، اس لیے انہیں پھر بغداد سے رقعہ لایا گیا۔ ان کی جب خلیفہ کے سامنے پیشی ہوئی تو اس وقت امام محمد بن الحسن جواب تک عہدہ قضا پر مامور تھے، خلیفہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، امام کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان ملزمین میں امام شافعی بھی ہیں تو انہیں ذاتی طور پر اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ لیکن فوری طور پر اس وقت کچھ کر نہ سکتے تھے اس لیے خاموش اور موقع کے منتظر رہے۔ ایک ایک ملزم باری باری سے خلیفہ کے سامنے پیش ہوتا تھا اور سرائے قتل پاکر ہلاک ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ امام شافعی کی باری آئی تو ہاروں نے حسب معمول ان سے بھی یہی سوال کیا کہ آپ نے خلافت کے برخلاف علم بغاوت بلند کیا ہے؟ امام نے جواب دیا ”حاشا وکلاً! ہرگز نہیں میں نہ طالبی ہوں اور نہ علوی، مجھ کو تو خواہ مخواہ ان لوگوں کے ساتھ مجرم قرار دے دیا گیا ہے اور ان میں شامل کر لیا گیا ہوں، میں بنی عبد المطلب بن عبد مناف ہیں سے ہوں اور میرا کام علم اور فقہ میں منہمک رہنا ہے اور یہ جو قاضی (امام محمد) آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اس بات کو ابھی طرح جانتے ہیں۔ ہاروں رشید نے کہا ”اچھا تو آپ ہی محمد بن ادیس الشافعی ہیں؟“ بولے ہاں! اے امیر المومنین ”پھر ہاروں امام محمد کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ کیا یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں صحیح ہے؟ امام محمد نے جواب دیا ”جی ہاں! یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں بالکل صحیح ہے بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ ہیں“ **وله محل من العلم کثیر** ”خلیفہ نے یہ سن کر کہا ”اچھا تو اب یہ آپ کے سپرد ہیں۔ امام شافعی کا بیان ہے کہ امام محمد نے مجھ کو لے لیا اور وہی میری رائی کا سبب بنے۔“

ابن العواد کھنسی نے یہ پورا واقعہ علامہ ابن عبد البر سے نقل کیا ہے، اور اس کے بعد لکھے ہیں

”قیامت کے دن ہر شافعی کا فرض ہے کہ وہ بر ملا امام محمد بن الحسن کے اس احسان کا شکر گزار رہے اور ان کے لیے دعا و مغفرت کرے۔“

وفات ۱۸۹ میں بمقام رے انتقال کیا، اتفاق سے اُسی دن مشہور امام بخو کسائی کی بھی وفات ہوئی تھی۔ اوروں و رشید کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا ”آج نحو اور فقہ دونوں دفن ہو گئے۔ یزیدی نے مرثیہ لکھا تو اُس میں دونوں کی وفات پر ایک ساتھ ہی اظہار رنج و غم کرتا ہے۔

أَسَيْتُ عَلَى قَاضِي الْفَضَاءِ مُحَمَّدٍ فَادْرَيْتُ دَمْعِي وَالْعَيُونُ مَجْرُوءَةٌ
وَقُلْتُ إِذَا مَا لَخَطَبِ اشْكَلٍ مِنْ لَنَا بَأَيْضَاجٍ يَوْمًا وَانْتَ فَقِيدُ
وَاقْلَقْنِي مَوْتُ الْكَسَائِيِّ بَعْدَهُ وَكَادَتْ بِي الْأَجْمَعُ مِنَ الْفَضَاءِ تَمِيدُ
هَمًّا عَلَمًا نَاوُودِيًّا وَتَحْزِينًا فَمَا لَهَا فِي الْعَالَمِينَ نَدِيدُ

ترجمہ :- میں نے جویت حبش امام محمد کی وفات کے غم میں اُس وقت زار و قطار آنسو بہائے جبکہ تمام دنیا سو رہی تھی مصیبت جب زیادہ ہو ناک ہو گئی تو میں نے عالم تصور میں اُن سے کہا کہ اب آپ کے بعد ہماری مشکلوں کو کون حل کرے گا۔ امام محمد کی وفات کے بعد کسائی کی موت نے مجھے بچھین کر دیا، یہاں تک کہ قریب تھا کہ وسیع زمین مجھ پر زور برانداز ہو جاتی، یہ دونوں ہمارے عالم تھے جو وفات پا گئے اور ہم سے بچھین لیے گئے۔ اب دنیا میں انکی کوئی نظیر نہیں۔

یزید بن ہارون سلمیٰ

ہم نسب | یزید نام، ابو خالد کنیت۔ دراصل بخاری کے رہنے والے تھے قبیلہ بنو سلم کے غلام تھے اس لیے سلمی کہلاتے ہیں۔

ولادت | ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔

علم و فنس | اعظم حدیث میں کمال رکھتے تھے اس میں انہوں نے اپنے عہد کے کثیر علماء سے استفادہ کیا جن میں چند نام یہ ہیں۔

یحییٰ بن سعید الانصاری، سلیمان التیمی، عاصم الاحول، عبداللہ بن عون، محمد بن عمرو دؤول، حماد، شعبة بن الحجاج۔ ان سے روایت کرنے والوں میں بڑے بڑے ائمہ کے اسماء گرامی شامل ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:-

امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، ابو ضیمہ، ابو بکر بن ابی شیبہ۔

توثیح حافظہ | ان کا حافظہ نہایت قوی تھا چنانچہ وہ خود فرماتے تھے مجھ کو چوبیس ہزار حدیثیں اسناد کے ساتھ یاد ہیں اور اس پر کوئی فخر نہیں ہے۔ علی بن المدینی کا بیان ہے کہ میں نے یزید بن ہارون سے زیادہ کوئی قوی حافظہ شخص نہیں دیکھا، ایک دوسری روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں: مَا دَأَيْتُ أَحَدًا أَحْفَظَ عَنِ الصَّغَادِ وَالْكِبَادِ مِنْ يَزِيدَ بْنِ هَارُونَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى فَرَمَاتِي تَعْتَمِدُ عَلَى عِرَاقِ كَيْ حَافِظٍ

بلکہ یزید بن ہارون کے حالات اور کتابوں میں بھی ملتے ہیں لیکن نہایت مختصر ہیں۔ اس لیے میں نے ان کے یہ تمام حالات کا سرخ خلیب بغدادی ج ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶ اور تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۲، ۲۹۳ سے اخذ کئے ہیں۔

حدیث چار ہیں۔ دوشیخ اور دوادحیڑ عمر کے۔ زیادہ سن رسیدہ (شیخ) تو اشیم اور یزید بن زریع ہیں، اور ادحیڑ عمر کے (کمل) دیکھ اور یزید بن ہارون ہیں لیکن انہیں فرماتے ہیں "واحتفظ الکھلین یزید بن ہارون"۔

آخر عمر میں ان کی بصارت جاتی رہی تھی اس لیے وہ اپنی کتاب پڑھ نہیں سکتے تھے ان کی ایک لونڈی تھی جو تعلیم یافتہ تھی۔ انہیں جب کبھی کسی حدیث میں کچھ اشکال ہوتا تھا وہ مزید توثیق و تصدیق کے لیے اپنی جاریہ سے حدیث پڑھوا لیتے تھے۔ بعض لوگ اس پر طنز کرتے تھے، اور جاریہ سے پڑھولنے کو ان کے عدم ثبوت کی دلیل قرار دیتے تھے۔ لیکن علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں "ایک سے زیادہ ائمہ حدیث نے حضرت یزید بن ہارون کی غیر معمولی قوتِ حفظ کا اعتراف کیا ہے، اور تسلیم کیا ہے کہ انہیں اپنی حدیثیں خوب یاد تھیں، البتہ ہاں! یہ کہا جاسکتا ہے کہ برہعلیہ میں زیادتی عمر، پھر نابینائی اور افراطِ ضعف کے باعث وہ خود اپنے حافظہ پر پورا اعتماد نہیں کرتے تھے، اور اس بنا پر انہیں کسی حدیث میں کوئی اشکال اور تردد ہوتا تھا تو اس کی توثیق وہ جاریہ سے کرا لیتے تھے۔ پس ان کا ایسا کرنا تو ان کے کمالِ احتیاط کی دلیل ہے نہ کہ ان کے ناقابلِ اعتبار و استناد ہونے کی۔"

اس حالت سے قبل خود ان کو اپنے حافظہ پر بڑا وثوق و اعتماد تھا، ایک مرتبہ ان سے کچھ کہنا کہ ہارون آپ کے پاس اس لیے آ رہا ہے کہ وہ چند حدیثوں کے الفاظ میں رد و بدل کر کے آپ کے

ساتھ حافظہ ذہنی ایسا نقادوں بھی لوگوں کے اس طعن کا ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے "ما بھذا من ہامس فی زید بن جحّہ حافظ بلا مشوبہ" اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ یزید محبت اور حافظہ حدیث ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں۔ (دیکھ تذکرۃ المتفان ج ۱ ص ۲۹۳)

حافظہ کا امتحان لے۔ کہنے والے نے ابھی بات پوری نہ کی تھی کہ ہارون خود مکان میں داخل ہو گیا۔ حضرت یزید نے اُس کی آواز سن کر فرمایا: "ہارون مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میری قوتِ حفظ کا امتحان لینے کی غرض سے مجھ پر بعض مشتبہ احادیث پیش کرنا چاہتے ہو، تو تم اپنی جیسی کوشش کر دیکھو۔ خدا تم کو کھڑا نہ کرے اگر میں اپنی احادیث کو ابھی طرح یاد نہ رکھ سکوں۔ ایک اور موقع پر انہوں نے فرمایا: "میں میں ہزار احادیث یاد رکھتا ہوں جس کا جی چاہے اُن میں کوئی ایک حرف کم و بیش کر کے دیکھ لے۔"

درسِ حدیث | انہوں نے بغداد اور واسط میں حدیث کا مستقل درس دیا تھا جس میں بڑی بڑے علماء شریک ہو کر کسبِ سعادت کرتے تھے۔

نعتہ | فقہ میں اُن کو بڑی دستگاہ تھی۔ ابو عبد اللہ سے کسی نے پوچھا: "کیا یزید بن ہارون فقیہ تھے؟" انہوں نے فرمایا: "اُس کی ذہانت، فطانت، ذکاوت اور فہم کے کیا کہنے ہیں؟ سائل نے کہا: "اچھا ابنِ علیہ سے متعلق کیا کہتے ہو؟" بولے: "وہ فقیہ تو ضرور تھے لیکن مجھ کو اُن کی نسبت اتنا علم نہیں ہے جتنا کہ یزید بن ہارون کی نسبت ہے۔"

نہد عبادت | اُن علی کمالات کے ساتھ عبادت بھی حد سے زیادہ کرتے تھے، وہ نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا کرتے تھے۔ احمد بن سنان کا بیان ہے کہ میں نے کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا جو یزید بن ہارون سے زیادہ اچھے طریقہ پر نماز ادا کرتا ہو۔ وہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی ستون ہے جو بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑا ہوا ہے، وہ مغرب اور عشا اور ظہر اور عصر کے دیکھا بھی نماز پڑھتے بہتے تھے، وہ اور شامِ دونوں دن اور رات کی نماز کی درازی میں مشغور ہیں۔ چاشت

کے وقت سولہ رکعات پڑھتے تھے۔

انہیں اس کا بڑا خیال رہتا تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت میں کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔ وہ خود فرما تے ہیں مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں کسی غلطی کے صادر ہو جانے کی وجہ سے میں اُن خوارج کا مصداق نہ بن جاؤں جن کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”يَقْرءُونَ الْقُرْآنَ لَا يَجَاوِزُ حُلْمَهُمْ يَمِيقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمِيقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَةِ“

عالم بن علی کا بیان ہے کہ میں اور یزید بن ہارون مدت تک ابن الربیع کے پاس رہے ہیں۔ اس اثنا میں میں نے تقریباً چالیس سال تک یزید بن ہارون کو دیکھا کہ وہ عشاء کے ضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے اور تمام رات نماز میں کھڑے ہی کھڑے گزار دیتے تھے، ایک شخص نے حضرت یزید سے پوچھا ”آپ رات میں کتنی دیر سوتے ہیں؟“ بولے ”اگر میں رات کے کسی حصہ میں سوتا ہوں تو خدا میری آنکھوں کو نیند سے محروم کرتے۔“

خوف خدا | اُن پر کلمہ ”انما يخشى الله من عباده العلماء“ خوف خدا کا بڑا غلبہ تھا۔ یہاں تک کہ خود اُن کے اپنے بیان کے مطابق خوف خدا میں رونے کے باعث اُن کی دونوں آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں ”ذهب بهما بكاء الاصحاح“

علی دقارہ نمکنت | باخبر اصحاب پر پوشیدہ نہیں ہے کہ امام احمد بن حنبل کے عہد میں خلق قرآن کا فتنہ اس زور و شور سے اٹھا تھا کہ اس نے قصر خلافت تک کو متزلزل کر دیا تھا۔ خود امون الرشید جو حضرت کے زیر اثر تھا اور اکثر مسائل میں اُنہی کے مسلک کی تائید کرتا تھا، خلق قرآن کا قائل تھا اور چاہتا تھا کہ اپنے اس عقیدہ کی تبلیغ و اشاعت کرے لیکن حضرت یزید بن ہارون کی علی نمکنت و وقام کے سبب

وہ ایسا کہنے کی جرات نہ کر سکا یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مامون نے ہم سے کہا "لو! مکان یزید بن ہارون لاظہرت القرآن مخلوق" اگر یزید بن ہارون کے وقار کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں قرآن کے مخلوق ہونے کا اظہار کر دیتا۔ اس پر کسی مصاحب نے پوچھا "اے امیر المومنین! یہ یزید بن ہارون کون ہیں جن سے اس قدر خوف کیا جاتا ہے؟" مامون نے کہا "میں ان سے اس لیے نہیں ڈرتا کہ ان کے ہاتھ میں کوئی سلطنت ہے، یا وہ کسی جگہ کے بادشاہ ہیں، البتہ مجھ کو خوف یہ ہے کہ اگر میں نے اپنے عقیدہ کا اظہار کر دیا۔ اور انہوں نے میری تردید کی تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہو کر ایک فتنہ کھڑا ہو جائیگا، اور میں فتنہ سے ڈرتا ہوں۔ وہ شخص بولا "اچھا! میں اس بات کی تحقیق کرتا ہوں۔ چنانچہ شخص واسطاً آیا، اور ایک مسجد میں جہاں حضرت یزید بن ہارون تشریف رکھتے تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا "امیر المومنین آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں اس بات کا ارادہ کرتا ہوں کہ قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا اظہار کر دوں۔ یزید بن ہارون بولے "تم امیر المومنین پر ہمت طرازی کرتے ہو، وہ لوگوں کو کسی ایسی بات پر آمادہ نہیں کر سکتے جس کو وہ جانتے ہی نہیں ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو ذرا بیٹھو، یہاں تک کہ مجلس کا وقت ہو جائے۔ جب لوگ جمع ہو جائیں تو اس بات کا پھر اعادہ کرنا" چنانچہ دوسرے دن جب لوگ حضرت یزید بن ہارون کی مجلس میں اکٹھے ہوئے تو شخص کھڑا ہوا اور اس نے حضرت یزید کی طرف مخاطب ہو کر کہا "ابو خالد! امیر المومنین آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا اعلان کرنا چاہتا ہوں" یزید بن ہارون بولے "تم امیر المومنین پر ہمت باندھتے ہو وہ کسی ایسی بات پر لوگوں کو آمادہ نہیں کر سکتے جس کو لوگ بالکل نہ جانتے ہوں

جس کا قائل کوئی ایک شخص بھی نہ ہوا ہو، اس گفتگو کے بعد اس شخص نے مومن کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "امیر المومنین! آپ جو کچھ فرماتے تھے، بالکل بجا اور درست تھا۔ اس معاملہ میں بے شک آپ علم تھے۔"

یزید بن ابروہ کو معلوم تھا کہ مومن رشید کا رجحان خلقِ قرآن کی طرف ہے لیکن اس کے وجودِ ان کی حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ وہ بے خوف ہو کر اعلان کرتے تھے "قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ جو شخص خلقِ قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے۔"

پنی تعریف انہیں اپنی تعریفِ سُننے سے طبعاً نفرت تھی۔ علی بن الجندی الحارثی اس عہد میں ایک سُننے و نفرت پر گوشاعر تھا، اُس کو حضرت یزید سے قلبی عقیدت و ارادت تھی۔ ایک مرتبہ اُس نے حاضر ہو کر آپ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ پڑھا جس میں تشبیب کے بعد وہ کہتا ہے:-

إلى يزید بن هارون الذي كملت	في الفضائل واشتغى على ختن
حتى أتيت إمام الناس كله	في العلم والفقه والأثار والسنن
والدين والزهد إلا سلام قد علوا	والخوف لله في الأسرار والعين
براه تقياً، فقيهاً، خاشعاً، ورعاً	مهما من ذوى الألفات والأبن
ما زال مذ كان طفلاً في شبيبة	حتى علاه مشيب الرأس والذقن
مباركاً هادياً، للناس محسباً	على الأنام سلاماً ولا ثمن
إذا بدا خلت بدراً عند طلعت	نورا جاباً به الرحمن ذو المنن
يظل منعماً بالله ممتلاً	يدعو الألة بقلب دائر المحزن

ان اشعار کے بعد شاعر نے حضرت یزید بن ارون کے شیوخ کے اسماء گرامی نظم کیے ہیں جن کے اخیر میں طلباء علوم کو خطاب کر کے کہا ہے۔

یا طالب العلم، لا تقل بما حدّث
قد كنت في غفلة عنه وفي دود
بهية الناس من هذا يعاد كـ
في سالف الدهر وفي غابر الزمان
يلقى اليه رفاق الناس عابداً
على المحامل والاعتكاف والسفن
من الجذيرة ارساً لامت بعة
ومن خراسان، اهل الرقي والمدن
ومن حجاز هناك العير قاصدة
ومن عراق، ومن شام ومن يمن
يا تون عنه غزير العلم محتسباً
توى الحديث للديب غير محزون
يزيد اصبح فوق الناس ظمير
شيئاً خصصت به، يا واسع العطن
ساويت شعبته والثوري قد علموا
وابن المبارك له يصم على عين

شاعر نے یہ قصیدہ نہایت دل سوزی اور محبت سے لکھا تھا، اُس کو گوش التفات سے سننا کج خلقی پر محمول کیا جاتا۔ اسی لیے حضرت یزید بن ارون نے نہایت توجہ سے یہ قصیدہ سنا لیکن انکس انفس کا یہ عالم تھا کہ شاعر وہ اشعار جن میں آپ کی مدح کی گئی تھی پڑھتا تھا تو آپ اُس کو ان اشعار کے پڑھنے سے روک دیتے تھے، اور اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹنے لگتے تھے۔

امرا المعوت | اعمال میں سب سے زیادہ مشکل کام امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ہے لیکن یزید بن ارون ونہی عن المنکر اس میدان دشوار گزار کے بھی باہمت شمسوار تھے۔ چنانچہ مامون کا جو واقعہ اوپر گزرا ہے اُس سے اس کی پر زور تائید ہوتی ہے، محمد بن احمد اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ یزید بن ارون

اُن بزرگوں میں سے تھے جو امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔

مرجع خلافت حضرت یزید بن ارون اپنے علمی و علمی کمالات کے باعث عوام و خواص کے مرجع تھے۔

بعض اوقات تو اُن کے پاس مسائل دریافت کرنے والوں کا اتنا ہجوم ہو جاتا تھا کہ کان پڑی آواز

سنائی نہیں دیتی تھی۔ ابو بکر بن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم یزید بن ارون کی مجلس

میں بیٹھے ہوئے تھے، لوگ اُن پر جھکے ہوئے ہر طرف سے سوالات کی بوجھار کر رہے تھے لیکن

وہ خود خاموش تھے۔ اور کسی کو کوئی جواب نہیں دیتے تھے جب سب خاموش ہو گئے تو آپ نے

فرمایا "ہم واسطہ کے رہنے والے ہیں (واسطہ کے لوگ تغافل میں ضرب المثل ہیں)،

غضب بڑھاپے میں اکثر اہل بے سرخ غضب کا استعمال کرتے تھے۔

دفعت ۲۰۶ میں اس پیکرِ علم و عمل نے دنیا سے فانی کو الوداع کہا۔

لیث بن سعد

نام و نسب لیث نام، ابو احرث کنیت، اصل میں اصفہان کے رہنے والے تھے قیس بن فامہ

کے غلام ہونے کی وجہ سے جو قبیلہ رُفم سے تعلق رکھتا تھا فہمی کہلاتے ہیں۔

دولت علامہ جلال الدین سیوطی نے حسن الحاضرہ میں لیث بن سعد کی تاریخ پیدائش ۲۹۱ھ لکھی

ہے، علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں "میرے نزدیک یقینی یہ ہے کہ وہ ۲۹۱ھ میں پیدا ہوئے تھے مگر مشہور

کاگاؤں ان کی جلے پیدائش ہے۔

طلب | حضرت لیث بن سعد غلام تھے لیکن تحصیل علم کا قدرتی شوق رکھتے تھے، انہوں نے امام زہری کا زمانہ پایا تھا۔ ان کے فیضانِ درس سے مکہ کا کوچہ کوچہ قال رسول اللہ کی دلنواز صداؤں سے گونج رہا تھا۔ لیث نے بھی اُدھر کا رخ کیا اور حضرت زہری کے فیوض سے سیراب ہوئے وہ خود فرماتے ہیں میں نے ابنِ شہاب الزہری کے علم کا بہت بڑا حصہ لکھا ہے۔ اور میں برید (ڈاک) پر سوار ہو کر ان سے ملنے کے لیے رصافہ جایا کرتا تھا۔ پھر مجھ کو اندیشہ ہوا کہ میں میرا یہ فضل خدا کے لیے نہ ہو، تو میں نے وہاں جانا ترک کر دیا۔

شیوخ | امام زہری کے علاوہ حضرت لیث نے جن اساطینِ علم و درایت سے استفادہ کیا ان کی فہرست بہت طویل ہے ان میں سے چند نام یہ ہیں۔ عطاء بن ابی رباح، عبد اللہ بن ابی ملیکہ، نافع مولیٰ ابن عمر یحییٰ انصاری، ابو الزبیر ان بزرگوں کے التفاتِ خاص نے انہیں علم و عمل کا ایک ایسا پیکر لطیف بنا دیا کہ وہ اپنے عہد کے بہت بڑے بزرگ اور امام ہو گئے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت لیث بن سعد فقہ اور حدیث میں بہت بلند مرتبہ اور اہمست کا درجہ عالی رکھتے تھے اور اپنے زمانہ میں وہ اہل مصر کے امام تھے۔

شرحیل بن جلیل کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں یزید بن ابی حبیب ایک بلند پایہ محدث و مفسر اور ان کے ساتھی مصر میں مقیم تھے، حضرت لیث کی جوانی کا عہد تھا لیکن میں نے دیکھا ہے کہ اس نوعمری کے باوجود یزید بن ابی حبیب اور مصر کے دوسرے عمر

علامہ لیث کا بڑا احترام کرتے، اُن کو مجلسوں میں مقدم رکھتے۔ اور اُن کے علم و فضل اور دُرُوع کا استرار کرتے تھے۔

حدیث حضرت لیث کو قریب قریب تمام علوم مروجہ سے طبی مناسبت تھی۔ اور وہ اُن کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتے تھے لیکن اُن کا سب سے زیادہ محبوب فن حدیث تھا۔ علامہ ابن سعد تحریر کرتے ہیں "لیث بن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث تھے اور اُن کی احادیث صحیح بھی ہوتی تھیں امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ وہ اُن کو کثیر العلم صحیح الحدیث کہا کرتے تھے مشہور ثقہ حدیث حضرت یحییٰ بن معین اُن کو ثقہ سمجھتے تھے۔ عثمان الدارمی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ابن معین سے پوچھا آپ کو لیث زیادہ پسند ہیں یا یحییٰ بن ایوب؟ بولے لیث زیادہ پسند ہیں اور یحییٰ ثقہ ہیں۔ ابن المدینی کہتے ہیں "ثقة ثبت"۔

ابن کثیر کا بیان ہے "میں نے بڑے بڑے علماء کو دیکھا ہے لیکن لیث ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا" اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے لیث سے زیادہ کامل کوئی نہیں دیکھا۔ انہوں نے حجاز و عراق کے سفر اور وہاں کے طویل قیام میں احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کیا تھا کہ ایک دفعہ اُن سے کسی نے کہا "آپ بعض مرتبہ ایسی حدیثیں روایت کرتے ہیں جو آپ کی کتابوں میں نہیں ہیں" فرمایا "کیا وہ ہر چیز جو میرے سینہ میں محفوظ ہے، کتابوں میں بھی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اس قدر بڑا دفتر ہو جاتا کہ یہ سواری اُس کو نہیں اٹھا سکتی تھی۔"

نفسہ حدیث کی طرح نفسہ میں بھی امامت کا مرتبہ رکھتے تھے۔ ابن وہب کہتے ہیں "قسم ہر اس

ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، ہم نے لیث سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا، علامہ نووی فرماتے ہیں ”حضرت لیث کی ہمارے فقہ پر علماء کا اجماع ہے۔ امام شافعی سے منقول ہے کہ وہ حضرت لیث کو امام مالک سے بڑا فقیہ مانتے تھے، لیکن فرماتے تھے کہ ان کے اصحاب نے انہیں ضائع کر دیا اور یہ بھی فرماتے تھے کہ لیث امام مالک سے زیادہ آثار کا اتباع کرنے والے ہیں۔ امام احمد کا بیان ہے کہ لیث فقیہ البدن تھے۔ امام شافعی کا بیان ہے ”مجھ کو کسی سے جُدا ہونے کا اتنا ملال نہیں ہوا جتنا کہ حضرت لیث بن سعد کی جدائی کا ہے۔ ابن وہب نے لوگوں اور احادیث کے اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد کہا ”اگر لیث اور امام مالک سے میری ملاقات نہ ہوتی تو میں مگراہ ہو جاتا۔“

نووی | اس کمال تفقہ کے باعث اپنے زمانہ میں مصر کے سب سے بڑے مفتی بھی تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے کسی بات سے متاثر ہو کر قسم کھالی کہ میرے لیے دو جینیں ہیں۔ بعد میں اُس کو خیال آیا کہ یہ قسم تو بڑی سخت ہے، میں کس طرح اس سے عہدہ براہو سکتا ہوں اس نے ایک غلام بھیج کر حضرت لیث بن سعد کو بلایا، اس وقت ہارون کی بیوی زبیدہ بھی پردہ کے پیچھے موجود تھی حضرت لیث کو پورا واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے ہارون سے کہا ”تم تین مرتبہ اس بات کی قسم کھاؤ کہ میں خدا سے خوف کرتا ہوں“ ہارون کے تین مرتبہ کھانے کے بعد حضرت لیث نے فرمایا ”جاؤ! اب تمہاری قسم درست ہو گئی۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ ترجمہ :- جو لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے خوف

کرینگے اُن کے لیے دو جنتیں ہیں، "ہارون اس عجیب نکتہ سنجی سے بہت خوش ہوا، اور کئی جاگیریں بطور انعام حضرت لیث کو عطا کیں۔

جامیت اپنے علمی و عملی کمالات کی وجہ سے حضرت لیث محاسن و فضائل کا ایک گلدستہ سد بہا رہتے۔ ابن کبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے لیث سے زیادہ کامل کوئی نہیں دیکھا وہ فقیہ البدن، اور عربی اللسان تھے، قرآن مجید خوب پڑھتے تھے۔ نحو کے بڑے اچھے عالم تھے۔ اشعار بہت یاد تھے، حدیث کے امام تھے اور مذاکرہ و مباحثہ کا بہت عمدہ سلیقہ رکھتے تھے، راوی کا بیان ہے کہ کبیر حضرت لیث کے فضائل و کمالات کا شمار کرتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے دس کمالات شمار کر لئے جو مناظرہ میں کمال کا یہ عالم تھا کہ جس جلسہ میں کسی سے مناظرہ کرتے تھے اُس پر پوری طرح چھا جاتے تھے۔

علماء کا احترام | تمام بڑے بڑے علماء اُن کی عظمت و برتری کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ امام نووی کا بیان ہے "واقوال العلماء فی فضلہ کثیرۃ مشہورۃ" لیث مدینہ میں قیام پذیر تھے کہ کسی بات پر کبھی بن سعید الانصاری نے اُن سے کہا "آپ ایسا نہ کیجیے، کیونکہ آپ امام ہیں، لوگوں کی نظریں آپ کی طرف لگی رہتی ہیں۔ امام مالک بن انس نے انہیں ایک خط لکھا تو اُس میں وہ لکھتے ہیں، آپ اپنی امامت فضل اور منزلت اور مرجعہ خلافت چھونے کے اعتبار سے لوگوں کے نزدیک ایک مسلم شخصیت کے مالک ہیں۔" در اور دی کا بیان ہے "ایک دفعہ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۸ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۹۔

۳۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۶۲ ۴۔ ایضاً ص ۴۶۳۔

لیث بن محبی بن سمید اور ربیعہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ حضرت لیث کی جلالتِ شان کے باعث ان دونوں سے ٹھیک بات بھی نہیں ہوتی تھی، اور یہ دونوں لیث کا بڑا احترام کرتے تھے۔

علاء کی تعلیم | علماء تو علماء خلفاء تک اُن کی بارگاہِ عقیدت و ارادت میں سرِ نیازِ خم کرتے تھے حضرت لیث عراق میں تشریف لائے تو خلیفہ ہمدانی نے اپنے وزیر سے جس کا نام یعقوب تھا کہا تم اس شیخ (لیث) کی خدمت میں حاضر ہو میرے نزدیک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اب اُن سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔

علامہ ابن خلکان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لیث مصر کے عہدہ قضا پر مامور تھے۔ لیکن حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابو جعفر منصور نے اُن سے درخواست کی کہ آپ میری طرف مصر کے والی ہو جائیے تو اُنہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا اے امیر المؤمنین میں موالیٰ میں سے ہوں اس لیے اس بارِ گراں کے اٹھانے سے عاجز ہوں۔ ابو جعفر بولا ”آپ ہیں تو کوئی صنف نہیں ہے۔ البتہ آپ کا ارادہ کمزور ہے۔ بہر حال حضرت لیث نے نیابتِ خلافت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا۔ تاہم اگرچہ وہ صورتاً نائب نہیں تھے لیکن اُن کا رعب و داب اور جلالت و شوکت کسی نائب سے کم نہیں تھی۔ مصر کا گورنر اور قاضی دونوں اُن کے زیرِ فرمان رہتے تھے۔ انہیں کسی کے متعلق اگر کوئی ناروا بات معلوم ہوتی تو وہ فوراً خلیفہ کو لکھ بھیجتے اور وہ مغرور کر دیا جاتا تھا۔ ابنِ عماد حنبلی، ابنِ الاِبدال کا قول نقل کرتے ہیں کہ لیث بن سعد نے اگرچہ ولایت مصر

کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، لیکن قضاءِ مصر کو قبول کر لیا تھا۔ پہلے نزدیک صحیح یہی ہے اس طرح دونوں مختلف اقوال میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔

سخاوت | حضرت لیثؓ اُن اکابر امت میں سے تھے جن کو خداوند تعالیٰ نے اعلیٰ علم کی فرمائش کی ساتھ دولت و ثروت کی افراط سے بھی نوازا تھا، چنانچہ علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اُن کی سالانہ آمدنی اسی ہزار دینار تھی لیکن طبیعت اس درجہ مستغنی اور سیرشہم و فیاض تھی کہ علماء و فضلاء اور اربابِ حوائج پر سب خرچ کر دیتے تھے اور یہ رقم سال بھر تک اتنی بھی نہیں رہتی تھی کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی تھی۔ علماء کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ابن اسیر کے مکان میں آگ لگ گئی تو حضرت لیثؓ نے اُن کو ایک ہزار دینار مرحمت فرمائے۔ ایک دفعہ منصور بن عمار اُن سے ملاقات کی عرض سے آئے چلنے لگے تو حضرت لیثؓ نے اُن کو ایک ہزار دینار نذر کیے۔ قتیبہ بن سعید کو سندس کی ایک قمیص دی تھی جو اُن کے پاس بہت عرصہ تک رہی کوئی شخص اگر اُن سے کسی چیز کا سوال کرتا تو وہ اُس سے تنگ دل ہونے کی بجائے اُس کا سوال بڑی فیاضی سے پورا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت ایک پیالہ لے کر شہداء گئے آئی تو آپؓ نے شہداء کا برتن ہی اُس کے حوالہ کر دیا۔ کھانا تنہا کبھی نہیں کھاتے تھے۔ عبد اللہ بن صالح کا بیان ہے کہ میں حضرت لیثؓ کے ساتھ کابل میں سال تک رہا ہوں اس مدت میں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ صبح کا یا شام کا کھانا انہوں نے بغیر ایک جماعت کے تنہا کھایا ہو۔

۱۔ تذکرات الذہب ج ۱ ص ۲۸۵ ۲۔ تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۸ و تہذیب التہذیب ۳۔ تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۸

۴۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۶۴ ۵۔ تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۸ ۶۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۶۴۔

امام مالک سے اُن کو خاص قلق خاطر تھا۔ چنانچہ حضرت لیث انہیں سودینا رسالہ منعقد دیتے تھے۔ اور اس کے علاوہ انہیں جب کبھی کوئی اہم ضرورت پیش آتی تھی تو اُس میں بھی بڑی فراخ دلی سے اُن کی امداد کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام مالک نے انہیں لکھا کہ میں اپنی بیٹی کی رخصتی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کچھ عصفریہ بھیج دیجیے حضرت لیث نے تعمیل ارشاد میں عصفریہ کی تیس گھڑیاں بھیج دیں۔ یہ عصفریہ درجہ وافر تھا کہ اُس سے تمام کپڑے رنگ لینے کے بعد بقیہ کو فروخت کیا گیا تو پانچ سودینا میں فروخت ہوا۔

ایک دفعہ امام مالک نے لکھا ”مجھ پر کچھ قرض ہو گیا ہے“ حضرت لیث نے فوراً پانسو دینار خدمتِ اقدس میں پیش کر دیئے۔ امام مالک انہیں کبھی کوئی چیز بطور ہدیہ ارسال کرتے تھے تو وہ اُس کے جواب میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور بھیج دیتے تھے۔ ایک مرتبہ امام نے انہیں بدینہ کی بعض نئی اور عمدہ چیزیں تحفہ بھیجیں، آپ نے اُس کے بدلہ میں ایک ہزار دینار بھیج دیئے۔

حدیث بالنتہ | حضرت لیث جس طرح دوسروں پر غلبہ فرماتے تھے، تحدیثاً بالنعمة خود اپنے اوپر بھی بہت خرچ کرتے تھے۔ لباسِ فاخر پہنتے تھے، اور بود و ماند میں ہر تکلف طریقہ سے رہتے تھے۔ سلیمان بن حرب ایک مرتبہ حضرت شعبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ہم نے اُن کے گھر، اذین اور لگام کا اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں اٹھارہ سے بیس درہم تک کی قیمت کی تھیں۔ اس پر محمد بن معاویہ نیشاپوری نے کہا کہ ایک دفعہ لیث ہمارے سامنے سے گزر رہے تھے اُس وقت ہم نے اُن کے کپڑوں، سواری، انگوٹھی، ان سب کی قیمت کا اندازہ

کیا تو معلوم ہوا کہ یہ چیزیں اٹھارہ ہزار سے بیس ہزار درہم تک کی ہیں۔

قیقبہ کا بیان ہے ہم اسکندریہ سے حضرت لیث کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے تو اُس وقت اُن کے ساتھ تین کشتیاں تھیں جن میں سے ایک کھانے پینے کے سامان سے پُر تھی ایک میں اُن کے اہل و عیال تھے اور ایک کشتی میں اُن کے ہمان بیٹھے ہوئے تھے۔

دقار ظم کے | حضرت لیث اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ علماء کے لیے علم کے وقار کو محفوظ رکھنے تحفظ کا خیال کی خاطر از بس ضروری ہے کہ وہ معاشی اعتبار سے ارباب ثروت و دولت کے دست ندرت ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ منصور بن عمار آپ کے پاس تشریف لائے تو آپ نے انہیں ایک ہزار دینار عطا کیے اور ساتھ ہی فرمایا

صُنْ بِهَذِهِ الْحِكْمَةِ الَّتِي اِنَّكَ اللَّهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ ذَرْبِہِ اس کی حفاظت کرو۔

اُن کے پاس جو طلباء حدیث دور دراز سے آتے تھے حضرت لیث کا معمول تھا کہ واپسی کے وقت اس درجہ سامان اور کھانا وغیرہ اُن کے ساتھ کر دیتے تھے جو اُن کے وطن تک پہنچنے کے لیے کافی ہو سکے۔

دوست نوازی | اُن کے دوست احباب جو اُن کے پاس جمع ہوتے تھے اُن کو خوب کھلاتے پلاتے تھے وہ اپنے احباب کے لیے عموماً فالودہ تیار کرتے تھے اور پھر دیناروں کی شرط لگا کر فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے ساتھیوں سے زیادہ کھا لے گا اُس کو اتنے دینار ملینگے۔ غرض یہ ہے

کہ وہ اپنے علمی و عملی کمالات کے باعث نظیری کے اس شعر کے پورے مصداق تھے۔

زسرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جای نجاست

ابن حبان فرماتے ہیں ”وہ ثقہ ہیں، اور ثقہ، زہد و اتقار، علم و فضل اور جو دو سخا کے اعتبار سے اپنے زمانہ کے سرداروں میں سے ہیں۔ ابن ابی مریم کا بیان ہے کہ میں نے اشدکی غلوں میں لیث سے افضل کوئی نہیں دیکھا کوئی خصلت جو تقرب الی اللہ کا سبب ہو، ایسی نہ تھی جو ان میں موجود نہ ہو“ ابوعلی اخیلی کہتے ہیں ”لیث بے خوف تر وید اپنے وقت کے امام تھے علامہ ابن سعد انہیں ”سریاً من الرجال نبیاً و صحباً کہتے ہیں۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں ”وہ امام حجة کثیر التصانیف و مناقب اللیث عدیدۃ“ علامہ سمعانی کہتے ہیں۔

امام اہل مصر فی الفقہ الحدیث معاً وہ ثقہ اور حدیث دونوں میں اہل مصر کے امام تھے۔

فاق اہل زمانہ بالسخا و البذل اور سخاوت و بذل میں اہل زمانہ سے فائق۔

وفات ۱۵ شعبان المعظم ۱۸۷ھ جمعہ کی شب میں بمقام فسطاط انتقال کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ایک اسی برس کی تھی۔ جب لوگ دفن سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کسی کو یہ شعر پڑھتے ہوئے دیکھا

ذهب اللیث فلا لیث لکم ومضى العلم قریباً وقبلاً

ترجمہ:- لیث چلے گئے، اب وہ تمہیں نہیں مل سکتے، ان کے ساتھ علم بھی چلا گیا اور دفن ہو گیا۔

لیکن ہر چند لوگوں نے تلاش کیا، پڑھنے والے کا پتہ نہیں چلا۔

عبداللہ بن وہب

ہم و نسب | عبداللہ نام ابو محمد کنیت۔ ریحانۃ سولۃ ابو عبد الرحمن یزید بن انیس الغفری کے غلام تھے۔
فرین مالک کی طرف ہی قریش کا انتساب ہوتا ہے، اس لیے انہیں قریشی بھی کہا جاتا ہے۔
میں باہ ذی القعدہ مصر میں پیدا ہوئے۔

تعلیم | اپنے بیان کے مطابق انہوں نے سترہ برس کی عمر میں تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی تھی۔
انہوں نے تابعین کرام کی جماعت میں حضرت ہشام بن عروہ اور عبید اللہ بن عمرو دیکھا تھا لیکن
افسوس یہ ہے کہ وہ ان سے استفادہ نہیں کر سکے، ان میں سے اول الذکر کی نسبت خود ان کا
بیان یہ ہے کہ میں نے ہشام بن عروہ کو مسجد میں بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر میں اُن کے مکان پر
حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ سو رہے ہیں، اُس وقت میں نے اُن کو بیدار کرنا مناسب خیال نہیں
کیا اور صبح کرنے چلا گیا، وہاں سے واپس لوٹا تو اُن کی وفات حسرت آیات کی خبر سنی، وہ گئے
حضرت عبید اللہ تو میں نے اُن کو دیکھا ضرور ہے لیکن اُس وقت جبکہ وہ نابینا ہو گئے، اور غالباً
اسی بنا پر انہوں نے حدیث کی روایت ترک کر دی تھی۔

علم و فضل | اہم انہوں نے جن مشائخ وقت اور ائمہ روزگار سے علم حاصل کیا اُن کی باطنی توجہ

۱۔ کتاب الاصاب للسمانی ص ۴۴۴ ۲۔ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۴۹۔ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۷۳

۴۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۸۰۔

اور خود ان کی محنت و حقوق کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلامی علوم و فنون کے ممتاز عالم ہو گئے۔ حافظ ذہبی انہیں ”الامام الحافظ“ اور ”أحد الأئمة الأعلام“ لکھتے ہیں۔ ابن خلکان لکھتے ہیں۔ ”كان أحد أئمة عصره“ ابن عماد الحنبلی اُن کو الامام الحنبلی کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت سفیان ابن عیینہ نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا تو اُن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”یہ عبد اللہ بن وہب ہیں جو مصر کے شیخ ہیں“ ابن عدی کا قول ہے ”ابن وہب جلیل المرتبة اور ثقاة الناس میں سے ہیں“

حدیث | حدیث میں ان کو خاص درک اور کمال حاصل تھا، ابو زرہ کا بیان ہے کہ میں نے ابن وہب کی تیس ہزار حدیثوں کو خوب اچھی طرح سے جانچا لیکن مجھ کو اس مجموعہ میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملی جس کی اصل نہ ہو۔ اور وہ ثقہ تھے، امام نسائی فرماتے ہیں ”ابن وہب ثقہ ہیں، میں نہیں جانتا کہ انہوں نے کسی ثقہ سے کوئی منکر حدیث روایت کی ہو“

ابن وہب نے جن محدثین سے حدیث کا فن حاصل کیا تھا۔ امام مالک کا نام ان میں سرفہرست ہے، لیکن شاگرد کے کمال کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام مالک ایسا اتاذ انہیں خط میں ”مفتی اہل مصر“ لکھتا تھا اور مختلف مسائل میں اُن سے استفسار کرتا رہتا تھا۔ حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ صرف عبد اللہ بن وہب کی خصوصیت تھی ورنہ امام مالک ان کے علاوہ کسی اور شخص کو اس طرح خطاب نہیں کرتے تھے۔ ایک

مرتبہ امام مالک سے پوچھا گیا کہ وضو کرتے وقت پاؤں کی انگلیوں میں خلل کرنے کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا "مجھے نہیں معلوم" عبداللہ بن وہب اس وقت موجود تھے، انہوں نے کہا "اس بارہ میں ہمارے پاس ایک روایت موجود ہے" اس کے بعد انہوں نے وہ پوری روایت مع اسناد کے پڑھ کر سنادی۔ امام مالک نے اس کو معتبر قرار دیا، چنانچہ اُس دن کے بعد اگر کوئی اُن سے یہ مسئلہ دریافت کرتا تھا تو وہ اُسے انگلیوں میں خلل کرنے کا حکم کرتے تھے، اور عبداللہ بن وہب کی روایت کا حوالہ دے کر یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے اب تک اس کو کسی اور سے نہیں سنا ہے۔

حضرت ابن وہب امام مالک کے علوم کے مخصوص حامل تھے۔ ہارون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ مدینہ کے لوگ امام مالک کی کسی روایت یا ان سے منقول کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے تھے تو انہیں ابن وہب کے آنے کا انتظار رہتا تھا، جب وہ تشریف لے آتے تو سب جمع ہو کر اُن سے رفع شکوک کرتے تھے۔

عبداللہ بن وہب کو حدیث میں جو مرتبہ بلند حاصل تھا، اُس کا اندازہ اس ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ عبدالرحمن بن القاسم العقیقہ کا بیان ہے کہ اگر سفیان بن عیینہ زندہ نہ ہوتے تو لوگ شدید حال کر کے حضرت ابن وہب کے ہی پاس جایا کرتے کسی شخص نے علم الثاویں نہیں کیا جتنا کہ انہوں نے کیا ہے۔

شیورخ | انہوں نے امام مالک کے علاوہ جن بزرگوں سے روایت کی ہے اُن میں سے چند

کے نام یہ ہیں۔ یونس بن زید، ابن جریج، حنظلہ بن ابی سفیان، حیوۃ بن شریح، اسامہ بن زید اللہی، ابو محمد حمید بن زیاد، عمرو بن اکارث، سفیان، لیث بن سعید۔

تلامذہ جنہوں نے اُن کے دامانِ فہم سے خوشہ چینی کی، اُن کی فہرست بڑی طویل ہے۔ چند اکابر تلامذہ یہ ہیں:- ابن ہمدی، احمد بن صالح، سعید بن ابی مریم، ربیع بن سلیمان المرادی، یونس بن عبد الاعلیٰ۔ اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ لیث بن سعد، ابن وہب کے شیخ ہیں لیکن وہ بھی اُن سے روایت کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہیں۔

فہم ابن وہب امام مالک کی صحبت میں بیس سال رہے تھے۔ اس لیے حدیث کے ساتھ اُن کو فقہ میں بھی بڑا کمال حاصل تھا۔ ابن یونس کا بیان ہے کہ ابن وہب فقہ اور حدیث اور عبادات تینوں کے جامع تھے یحییٰ بن بکیر ان کو ابن القاسم سے بڑا فقیہ مانتے تھے۔ ابو مصعب حضرت ابن وہب کی تعلیم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ امام مالک کے جو مسائل اُن کے ذریعہ منقول ہیں سب صحیح ہیں۔ حارث بن اسکین کا بیان ہے کہ ابن وہب فقہ، حدیث اور عبادات کے جامع تھے۔ ان کو علماء سے بڑا بڑی محبت تھی اور امام مالک سے انہوں نے بڑی فیض اٹھایا تھا۔

فتویٰ امام مالک اگرچہ انہیں فقیہ مصر کہتے، اور اُن کے مفتی ہونے کی حیثیت کو تسلیم کرتے تھے لیکن خود ابن وہب ازراہِ ورع و احتیاط فتویٰ دینے سے اجتناب کرتے تھے۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد القاسم کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن وہب ابن القاسم سے بڑے فقیہ تھے لیکن اُن کا ورع نہیں

ان سے باز رکھتا تھا۔

جلالتِ شان | عبداللہ بن وہب کی شانِ جامعیتِ علم کو تمام بڑے بڑے علما تسلیم کرتے تھے۔ ابو زید بن ابی العز کا بیان ہے ہم نے ابن وہب کا نام علم کا دفتر رکھ دیا تھا، محارث کہتے ہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں عبداللہ بن وہب کے پاس آیا ہوں اور میں نے اُن سے کسی مسئلہ میں استفادہ نہ کیا ہو، لوگ اُن کو علم کا دیوان کہتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ عبداللہ بن وہب کثیرِ علم اور ثقہ تھے، علامہ سمرقانی لکھتے ہیں ”یہ وہی ہیں جنہوں نے اہل حجاز، اور اہل مصر کا علم محفوظ کر لیا تھا، اُن کی جلالتِ شان کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے مشائخ وقت اُن کو دیکھتے تو محفوظِ ادب سے اُن کے سامنے خم ہو جاتے تھے۔“

عہدہ قضا سے انکار | اُن کے علمی و فقہی کمالات کی بنا پر خلیفہ وقت نے اُن سے درخواست کی کہ مصر کے عہدہ قضا کو قبول فرمائیں، انہیں اس کی خبر ہوئی تو روپوش ہو کر خانہ نشین ہو گئے اسی اثنا میں ایک دن اسد بن سعد نے ان کو اپنے گھر کے صحن میں وضو کرتے ہوئے دیکھ لیا کہنے لگا ”کیا آپ سے پسند نہیں کرتے کہ باہر نکل کر لوگوں میں اللہ کی کتاب اور سنتِ نبوی کے مطابق حکم کریں؟“ آپ نے یہ سن کر سر اٹھایا، اور جواب دیا ”کیا تمہاری عقل بس یہیں تک پہنچی ہے کیا تم کو خبر نہیں ہے کہ قیامت میں علماءِ انبیاء کے ساتھ اٹھائے جائیں گے اور قضا کا حشر سلطان کے ساتھ ہو گا۔“

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۳، ۲۔ تذکرۃ المخاض ج ۱ ص ۲۲۹، ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۳۔

۴۔ کتاب الاصاب السمرقانی ص ۲۲۲، ۵۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۳، ۶۔ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۹۔

خوفِ خدا | قرآن مجید میں خشیتِ ربانی کو عطا کا خاص شعار بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اس کے مطابق حضرت عبداللہ بن وہب میں بھی خوفِ خدا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ایک دفعہ غسل کے لیے حمام میں داخل ہوئے وہاں کوئی قاری وہ آیت تلاوت کر رہا تھا جس میں فرمایا گیا ہے وَادِيعَا جَوْنَ فِي النَّادِ آپ پر اس آیت کا اتنا شدید اثر ہوا کہ فوراً غشی طاری ہو گئی۔ بلکہ آپ کی وفات بھی اسی خوفِ خدا کے ایک واقعہ کے سلسلہ میں ہوئی ہے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ کے سامنے خود اُن کی تصنیف ”کتابِ ہوالِ یومِ القیامۃ“ کا کوئی حصہ پڑھ کر سنایا، آپ اُس سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ برداشت نہ کر سکے، بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بات چیت بالکل بند ہو گئی، یہاں تک کہ اسی حالت میں چند روز کے بعد انتقال پر لال ہو گیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر سن کر اُن کا قلب شق ہو گیا تھا، واللہ اعلم ۛ

خوفِ خدا کی زیادتی کے باعث وہ اعمالِ خیر اور زہد میں کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ جن اعمال کو وہ اللہ کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے اُن کو اگرچہ کسی نے نہ کیا ہو، وہ خود اُن اعمال پر شدت کے ساتھ عمل پیرا ہو جاتے تھے۔ حافظِ نبوی فرماتے ہیں:-

وَكَانَ ثَقَّةً مُجْتَمِعًا حَافِظًا مَجْتَهِدًا لَا يُقِلُّدُ ابْنَ وَهْبٍ مَتَّبِعًا حَافِظًا، اور مجتہد تھے وہ عبادت

احدًا اِذَا تَعَبَّدَ وَتَوَهَّدَ ۛ اور دہ میں کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔

ان کو جہاد اور حج کا بڑا شوق تھا، چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے تھیں حج کی کوئی تھیں۔

ۛ تذکرۃ المخالفین ج ۶ ص ۷۳ ۛ تذکرۃ المخالفین ج ۱ ص ۲۸۰ ۛ ایضاً

تصنیف | حضرت عبداللہ بن وہب نے جو کچھ علم حاصل کیا تھا، وہ ضیاع کے خوف سے اس کو مدون بھی کرتے رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے موطا امام مالک کے طرز پر ایک موطا لکھی جس کا علاوہ فقہ میں بھی انہوں نے کئی کتابیں مرتب کیں، علامہ ابن خلکان کا بیان ہے: "ولد مصنفات فی الفقہ معروفہ" ایک کتاب جو قیامت کے اہوال پر ہے اس کا ذکر بھی اہل پر گزر چکا ہے۔ عبدالرحمن بن القاسم کہتے ہیں کسی شخص نے علم کی تدوین اتنی نہیں کی جتنی کہ ابن وہب نے کی ہے۔

وفات | ماوشبان ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کا عبرت انگیز واقعہ اوپر بیان ہو چکا ہے، حضرت سفیان بن عیینہ کو یہ خبر وحشت اثر ملی تو انہوں نے فرمایا: "انا لله وانا الیہ راجعون" ابن وہب کی وفات سے مسلمانوں کو غم و ماتم اور محب کو خصوصاً صدمہ عظیم پہنچا ہے۔

عبدالرحمن بن ہمدی

نام و نسب | عبدالرحمن نام، ابو سعید کنیت، والد کا نام ہمدی تھا، بصرہ کے رہنے والے اور قبیلہ لہذ کے غلام تھے، موتیوں کی تجارت کرتے تھے۔ اسی بنا پر ان کو لؤلؤی کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ انہیں بنو نمیم کی ایک شاخ بنی الغبر کی طرف منسوب کر کے غبر کی کہتے ہیں ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔

علم و فضل | علم و فضل کے لحاظ سے ان کا شمار کبار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ حافظ ذہبی انہیں "الحافظ الکبیر" الامام العلم الشہیدؒ لکھتے ہیں۔ علی بن المدینی کا بیان ہے کہ ابن الہدیٰ سب سے بڑے عالم تھے۔ اگر میں رکنِ حلیم اور مقامِ ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر قسم کھاؤں تب بھی میں یہی کہوں گا کہ میں نے ان جیسا یا ان سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا، چونکہ غلام تھے اس لیے ان کو بصرہ کے شریف و ممتاز غلاموں میں سے سمجھا جاتا تھا۔

علم کی نسبت | علامہ ابن جوزی نے ان کا ایک طویل مقولہ نقل کیا ہے جس سے علم کی حقیقت، اور اس ان کا نظریہ کی وقت و اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں "کوئی شخص اگر کسی ایسے شخص سے ملاقات کرے جو اس سے زیادہ عالم ہو تو وہ دن اس کے لیے غنیمت کا دن ہے۔ اور اگر کسی ایسے شخص سے ملے جو علم میں اس کا ہمپا نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ اس سے مذاکرہ کرے۔ اور کچھ اس سے فائدہ اٹھائے، اور اگر اس کی ملاقات کسی ایسے شخص سے ہو جو علم میں اس سے کم مرتبہ ہے تو اسے چاہیے کہ تواضع سے پیش آئے اور اس کو کچھ سکھائے۔ اور جو شخص ہر سنی ہوئی بات کو نقل کر دیتا ہو، یا ہر کس نکاس کی روایت کو قبول کر لیتا ہو اسے علم کا امام نہیں کہا جاسکتا، اور نہ وہ امام ہو سکتا ہے جو شاذ روایتوں کے بیان کرنے میں بھی احتیاط سے کام نہ لیتا ہو۔"

حدیث | فنِ حدیث میں ان کو بڑی مہارت تھی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں ان کو حدیث کی طرف توجہ نہیں تھی۔ ابو عامر العقدی کا بیان ہے کہ "عبدالرحمن بن مہدی پہلے پہل عظیم وقعتہ گوئی کی طرف مائل تھے۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا: آپ کو ان واعظوں اور فقہاء

حضرات سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میرے اس کہنے کا اُن پر خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ حدیث کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ پھر اُنہوں نے اس میں وہ کمال پیدا کیا کہ سرآمدِ علماء حدیث بن گئے۔

علماء کا اعتراف | بڑے بڑے محدثین اُن کی اس فضیلت کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ ہیں "ابن ہمدی اپنے زمانہ میں اصحاب حدیث کے امام تھے، اور حدیث کے تمام علوم و معارف میں انہی پر اعتماد تھا۔ صدقہ بن الفضل کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ یحییٰ بن سعید القطان کے پاس آیا، اور حدیث سے متعلق بعض سوالات کیے، اُنہوں نے جواب دیا کہ تم عبدالرحمن بن ہمدی کی ملازمت کرو، اور اس کے ساتھ ہی اُن کی روایت کی ہوئی چند حدیثیں بھی مجھ کو سنائیں، چنانچہ میں ابن ہمدی کے پاس آیا، اور اُنہوں نے مجھ سے حدیثیں بیان کیں، یحییٰ بن مدینی بار بار کہتے تھے کہ اگر مجھ کو رکن اور مقام کے درمیان کھڑا کر کے بھی قسم لیجائے تو میں یہی کہوں گا کہ میں نے ہرگز ابن ہمدی سے بڑا کوئی عالم حدیث نہیں دیکھا۔ ابوالریج الزہری کا بیان ہے کہ میں نے ابن ہمدی سے جملہ کر — کسی شخص کو حدیث کا سبق نہیں پایا۔"

علامہ سہبائی کتاب الانساب (ص ۳۹۶) میں لکھتے ہیں "عبدالرحمن بن ہمدی پختہ کار حافظ، صاحبِ قوی، اور جامع حدیث تھے اُنہوں نے تققہ پیدا کیا، کتابیں تصنیف کیں اور حدیث کا درس دیا۔ وہ بجز ثقات کے کسی اور سے روایت نہیں کرتے، اور اُنہوں نے ایک ایسی جماعت سے روایتیں نقل کی ہیں جس نے صحابہ کو پایا تھا۔"

لے بغدادی ج ۱۰ ص ۲۴۰ ۷۷ تہذیب الاسلام ج ۱ ص ۲۰۵ ۷۷ بغدادی ج ۱۰ ص ۳۴۱

۷۷ تہذیب الاسلام ج ۱ ص ۲۰۵ ۷۷ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۸۰

قوتِ حافظہ اُن کی قوتِ حافظہ نہایت قوی تھی جو سنتے تھے یا دیکھتے تھے اور مجال نہیں تھی کہ میں کوئی غلطی یا خطا واقع ہو جائے۔ اسی بنا پر لوگ اُن کی ہمارتِ حدیث کو جادو سے قیصر کرتے تھے۔ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں: میں نے عبدالرحمن بن ہمدی کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ میں نے اُن سے جو کچھ سنا ہے زبانی سنا ہے۔ وہ اپنی یاد سے روایت کرتے تھے۔

احتیاط | زبانی روایت کرنے میں اکثر غلطی کا احتمال رہتا ہے لیکن ابن ہمدی اس معاملہ میں بیدِ محتاط واقع ہوئے تھے۔ وہ حتی الوسع اس کی کوشش کرتے تھے کہ روایت باللفظ کریں۔ اسماعیل بن اسحاق القاضی کا بیان ہے کہ علی بن مدینی غایت درجہ محتاط تھے۔ ایک دن انہوں نے عبدالرحمن بن ہمدی کا امتحان لینے کی غرض سے اُن کے سامنے کوئی حدیث غلط ملط کر کے پیش کی لیکن انہوں نے فوراً پہچان لیا، اور کہا کہ یہ حدیث فلاں شخص سے اس طرح مروی ہوگی۔ بعد میں ہم نے اس کی تحقیق کی تو واقعی وہ حدیث اُسی طرح نکلی۔ ابو عبد اللہ سے کسی نے پوچھا: کیا عبدالرحمن بن ہمدی حافظ تھے؟ بولے: ہاں! حافظ تھے اور وہ بڑی احتیاط کرتے تھے۔ وہ حدیث باللفظ کو زیادہ پسند کرتے تھے۔

تقید | شب و روز کی ہمارت، اور صحیح قوتِ فیصلہ کی وجہ سے اُن میں تنقید حدیث کا ایک ایسا ملکہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ بیک نظر صحیح کو سقیم سے جدا کر لیتے تھے۔ خود اُن کا مقولہ تھا کہ کسی شخص کے لیے امام ہونا اُس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز کرنے کی حمت

نہ رکھتا تھا اس کے ساتھ ہی وہ فرماتے تھے ”حدیث کا پہچانا بڑا مشکل کام ہے محمد بن ابی ہریرہ
 اللقدی کا بیان ہے کہ عبد الرحمن بن ہمدی جو کچھ سنتے تھے اُسے اور جو نہیں سنتے تھے اُسے دونوں
 کو خوب اچھی طرح پرکھ سکتے تھے۔ اور اس وصف میں میں نے اُن سے بڑا کوئی اور عالم نہیں دیکھا
 وہ یقیناً امام ثبت تھے اور یحییٰ بن سعید سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔“

ایک شخص نے اُن سے پوچھا ”آپ صحیح حدیث کو غیر صحیح سے کس طرح متمیز کر لیتے ہیں؟“
 فرمایا ”جس طرح طیب عجزوں کو پہچان لیتا ہے“ علی بن ہمدی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص
 عبد الرحمن بن ہمدی کے پاس آیا اور دریافت کرنے لگا ”اے ابوسعید! آپ فرماتے ہیں یہ
 راوی قوی ہے اور ضعیف، اور یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ تو آپ کو یہ امتیاز کس طرح ہو جاتا ہے؟“
 ابن ہمدی بولے ”اگر تم کسی صراف کے پاس جا کر چند درہم اُس کو دکھاؤ اور وہ کہے کہ یہ درہم کھرے
 ہیں اور یہ کھوٹے۔ تو کیا تم اُس سے بھی پوچھو گے کہ تمہیں یہ کیوں معلوم ہوا، یا معاملہ اُس کے سپرد
 کر کے اُس پر بھروسہ کرو گے؟“ سائل نے جواب دیا ”میں تو معاملہ اُس کے ہی سپرد کر دوں گا“ ابن
 ہمدی نے فرمایا ”بس ہم لوگوں کا حال بھی یہی ہے۔ کثرت مجالست، مذاکرہ اور بار بار کے غورو
 خوض کے بعد ایک ایسا لکھ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم صحیح حدیث کو غیر صحیح سے فوراً پہچان لیتے ہیں۔“
 ناقدین حدیث اُن کی ہمارت فن، وسعت نظر، اور صحیح قوت تنقید کے باعث اُس عہد کے
 کا اُن پر اعتماد تمام بڑے بڑے ناقدین حدیث اُن پر اعتماد کرتے، اور دوسروں پر اُن کی فوقیت

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۰۲ ۲۔ ایضاً ص ۳۰۳ ۳۔ ایضاً ص ۳۰۲

۴۔ ہندوی ج ۱ ص ۲۲۶ ۵۔ تہذیب الاسرار ج ۱ ص ۳۰۵

کو تسلیم کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل تو یہاں تک فرماتے تھے کہ ابن ہمدی کی پیدائش ہی حدیث کے لیے ہوئی ہے ابن حبان انہیں خراج تائش اس طرح پیش کرتے ہیں "وہ ثقہ تھے۔ اور حدیث کے پختہ کا حفاظ میں سے اور دین کے ارباب و سرع میں سے تھے۔ انہوں نے حدیث حفظ کیں، جمع کیں، ثقہ حاصل کیا، تصنیف کا کام انجام دیا، اور حدیثوں کی روایت کی، اور وہ سوائے متبرانیوں کے کسی اور سے روایت نہیں کرتے تھے۔ طیلی کا قول ہے کہ وہ بخیر ترویج امام ہیں" امام شافعی فرماتے ہیں "مجھ کو نہیں معلوم کہ دنیا میں ان کی کوئی نظیر ہے یا نہیں"۔ علامہ ابن سعد کا ارشاد حق بنیاد ہے کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے علی بن مدینی فرماتے ہیں "یحییٰ بن سعید بن رجال میں بڑے ماہر تھے۔ اور عبد الرحمن بن ہمدی علم حدیث میں اپنا نامی نہیں رکھتے تھے۔ انہی کا ایک اور قول ہے کہ یحییٰ بن سعید اور ابن ہمدی یہ دونوں اگر کسی راوی کے ترک پر متفق ہو جائیں تو میں اسے چھوڑ دوں گا لیکن اگر ان میں اختلاف ہو تو پھر میں ابن ہمدی کا قول اختیار کروں گا، کیونکہ وہ زیادہ معتدل ہیں، اور یحییٰ میں تشدد ہے" ابو حاتم کہتے ہیں "حماد بن زید کے اصحاب میں ابن ہمدی سب سے زیادہ صاحب ثبوت ہیں۔ وہ امام ثقہ ہیں۔ اور یحییٰ بن سعید سے اثبت اور دیکھ سے اقل ہیں" ابن عمار کا بیان ہے کہ ابن ہمدی دیکھ سے زیادہ حدیث کے اختلافات کو جانتے اور پہچانتے تھے۔ ابو عبد اللہ کہتے ہیں "کسی روایت کے بارہ میں دیکھ اور عبد الرحمن دونوں کا اختلاف ہو جائے تو عبد الرحمن کا قول لینا چاہیے کیونکہ وہ اثبت اور قرآن مجید سے زیادہ قریب رہنے والے ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا ارشاد ہے کہ حضرت سفیان ثوری کی تقریبا

پچاس حدیثوں میں عبدالرحمن بن ہمدی اور وکیع بن الجراح کا اختلاف ہوا، پھر ہم نے تحقیق و تمییز کی تو معلوم ہوا کہ عام صواب عبدالرحمن کی طرف تھا۔ حضرت یحییٰ بن سعید سے کسی نے کہا۔ ”ابو سعید! فلاں شخص کہتا ہے کہ ابن ہمدی روایات کے قبول کرنے میں عموماً نہیں تھے۔“ کسی شیخ سے سماع حدیث کرتے تھے، اور کتاب اُن کی آستین میں ہوتی تھی یعنی اُس کو قلمبند نہیں کرتے تھے، یحییٰ کو یہ سن کر غصہ آگیا اور کہنے لگے ”عبدالرحمن کا سوتے سوتے فتننا بھی مجھ کو دوسروں کی اِطاعت سے زیادہ محبوب ہے۔“

شیوخ انہوں نے جن شیوخ سے حدیث کا سماع کیا اُن میں چند نام یہ ہیں :-

ایمن بن نابل، یہ صفارتا بعین میں سے ہیں، حمیر بن حازم، مکرّم بن عمار، خالد بن دینار، ہمدی بن میمون، مالک، شعبہ، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، ہشام بن سعد، ہمام بن یحییٰ، ثنیٰ بن سعید لُحَی، ابراہیم بن نافع المکی، منصور بن سعد۔

اگرچہ انہوں نے ان سب سے فیض حاصل کیا تھا۔ لیکن حضرت سفیان اور حضرت اعمش کی احادیث کے باب میں اُن کا علم نہایت وسیع تھا۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں۔ وکان معینا بحديث سفیان علی بن مدینی کا بیان ہے کہ میں کو فہ آیا تو حضرت اعمش کی احادیث جمع کرنے میں مشغول ہو گیا پھر اسی سلسلہ میں بعمرہ آکر حضرت ابن ہمدی کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا حضرت اب کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھ کو اعمش کی احادیث سنائے۔ ابن ہمدی یہ سن کر غضبناک ہو گئے اور فرمایا ”اس طرح کی باتیں اہل علم کے شایانِ شان نہیں ہیں اور ہاں! ایسا ہے کون جس نے

علم کے تمام گوشوں پر احاطہ کر لیا ہو۔ اور وہ سب اُس کے سینہ میں محفوظ ہو۔ تم جیسا شخص ایسی بات کہتا ہے! اچھا! تمنا ہے پاس لکھنے کے لیے کچھ ہے؟“ میں نے کہا ”جی ہاں“ فرمایا ”تو پھر لکھو“ میں نے عرض کی ”آپ لکھوانے سے قبل مجھ سے ذکر کر لیجئے، ممکن ہے جو کچھ آپ لکھوانے وہ میرے پاس موجود ہی ہو۔“ جواب دیا ”نہیں! تم لکھو، میں تم کو وہی حدیثیں لکھواؤں گا جو تمہارے پاس نہ ہوں گی۔“ ابنِ مدینی کہتے ہیں ”اس کے بعد اُنہوں نے مجھ کو تیس ایسی حدیثیں لکھوائیں جن میں سے ایک بھی میری سُنی ہوئی نہ تھی۔“

تلاذہ اُن کے دامنِ علم سے وابستہ ہو کر جنہوں نے فیض حاصل کیا اُن میں اُن کے صاحبزادے موسیٰ، احمد، اور اسحاق و علی کے علاوہ عبداللہ بن مبارک، ابنِ وہب، یحییٰ بن یحییٰ بن یحییٰ بن یحییٰ، ذہبی، ابو غنیہ، احمد بن سنان شامل ہیں۔

شوقِ حدیث | حضرت ابنِ ہمدی کو احادیث جمع کرنے کا جو شوق تھا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ اُن سے کسی نے پوچھا ”خدا آپ کا ایک گناہ معاف کرے۔ آپ کو یہ زیادہ محبوب ہے، بایہ کہ اس کے بدلہ میں آپ ایک حدیث حفظ کر لیں“ بولے ”حفظِ حدیث؟“ درس | معلوم ہوتا ہے اُنہوں نے طلبِ علم کے زمانہ ہی میں درس دینا شروع کر دیا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں ”میں ابھی امام مالک کے حلقہٴ درس میں شامل ہوتا ہی تھا کہ لوگ مجھ سے حدیثیں لکھنے شروع کر دیں۔ اُن کی مجلسِ درس نہایت باوقار و پُر رعب ہوتی تھی۔ احمد بن سنان کہتے ہیں ”کوئی شخص ابنِ ہمدی کے درس میں بات نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ قلم بھی نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ نہ کوئی

کھڑا ہوتا تھا۔ سب حاضرین مجلس نہایت خاموشی کے ساتھ اُن کی تقریر سننے میں محو رہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ نمازیں میں ہیں۔

فتہ | حدیث کی طرح اُن کو فقہ میں بھی کمال تھا۔ ابن عمار کھنبلی لکھتے ہیں۔ کان فقیہا معنیاً عظیم الشان ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ”وہ بھی القطان سے بڑے فقیہ تھے کسی شخص نے اُن سے پوچھا ”کیا عبدالرحمن بن ہمدی فقیہ نہیں تھے؟“ فرمایا ”وہ فقہ میں بڑا کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ کھنبی سے بھی زیادہ وسیع النظر تھے۔ حضرت کھنبی کو فیوں کے اقوال کی طرف زیادہ رجحان رکھتے تھے۔ اور ابن ہمدی بعض مذاہب حدیث کی پیروی کرتے اور اہل مدینہ کی رائے کو زیادہ وقعت دیتے تھے۔“ ایک مرتبہ سلیمان جو ج کے مسائل میں بڑی وسیع اور دقیق نظر رکھتے تھے حضرت عبدالرحمن بن ہمدی کے پاس آئے اور اُن کو پھیلنے کے لیے کہنے لگے ”اب کوئی ایسا شخص نہیں رہا ہے جو ج کے مسائل میں ہماری مفید رہنمائی کرے“ ابن ہمدی نے پرسن کر امتحان پوچھا ”آپ اس شخص کی نسبت کیا فرماتے ہیں جس نے ج کے تمام ارکان سوائے طواف بیت اللہ کے لو اکریو لیکن طواف سے قبل بیوی سے مباشرت کر مٹھا، سلیمان نے جواب میں ایک حدیث پڑھی جس کا مفاد یہ تھا کہ یہ دونوں میاں بیوی ”آئندہ سال حج کی قضا کریں۔ اور اس میں اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ پہلے حج میں جس جگہ مجتمع تھے وہاں متفرق ہو جائیں اور جہاں جدا تھے وہاں اکٹھے ہو جائیں“ ابن ہمدی بولے ”اس بات کے لیے کوئی روایت کیجیے کہ کب مجتمع ہوں اور کب متفرق ہو سلیمان

لے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۲ لے فذرات الازہب ج ۱ ص ۲۵۵ لے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۲

لے خلیب بغدادی ج ۱ ص ۲۴۱ لے معنی جہاں مباشرت کی تھی۔

اس موقع پر خاموش ہو گئے۔ پھر ابن ہمدی نے ارشاد فرمایا ”اچھا! تم اب لکھو! انہوں نے لکھنا شروع کیا تو حضرت عبدالرحمنؓ نے اس ایک نشست میں ہی تیس مسئلے لکھا دیے اور ہر مسئلہ کے لیے ایک ایک یا دو دو حدیثیں بھی قلمبند کرائیں۔ ان کے کمالِ تفقہ کی وجہ سے معاذ بن معاذ کہتے تھے ”بصرہ میں اب ایک شخص کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جو ”قضا“ کی صلاحیت رکھتا ہو کسی نے اُن سے پوچھا ”وہ ایک شخص کون ہے؟“ جواب دیا ”عبدالرحمن بن ہمدیؓ“

موجودہ فلق اپنے علمی تجربہ، وسعتِ نظر، اصابتِ رائے اور ثقاہت کی بنا پر لوگ خیل خیل اپنے دینی اور دنیوی معاملات میں اُن کی ہی طرف رجوع کرتے تھے۔ ابوب بن المثلث کا بیان ہے ”میں جب کبھی کسی دینی یا دنیوی معاملہ میں غور کرنے کی ضرورت ہوتی تھی تو ہم عبدالرحمن بن ہمدی کے گھر چلے جاتے تھے“ اور یوں بھی لوگ اُن سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ محمد بن حسان الازرق نے ایک مرتبہ اُن سے کوئی روایت نقل کی تو اُن کا نام لینے کے بعد کہا ”وکان مُرَّاً حین“ وہ آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔

عبادت ابن ہمدی جس طرح آسان علم و فضل کے آفتابِ درخشندہ تھے زندہ عبادت میں بھی ایسا ہی عصر سے امتیاز رکھتے تھے۔ وہ صحیح معنی میں زاہدِ شب زندہ دار تھے۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے۔ کان ابی یحیی اللیل کلّہ ان کا معمول تھا کہ شب میں نصف قرآن اور دو راتوں میں پورا قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ وہ رات بھر عبادتِ الہی میں جاگتے رہے فجر کا وقت

۱۔ ہندادی ج ۱۰ ص ۲۳۵، ۲۳۶ - ۲۔ ایضاً ص ۲۳۲ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۲

۴۔ تاریخ ہندادی ج ۱ ص ۲۴۰ ۵۔ تہذیب اللسان والفاظ ج ۱ ص ۲۰۵ ۶۔ ایضاً

نزدیک آیا تو اتفاق سے اُن کی آنکھ لگ گئی، اور نیند کا ایسا شدید غلبہ ہوا کہ ناز ہی قضا ہو گئی، بیدار نہ ہونے پر انہیں اس کا سخت ملال ہوا، اُن کے صاحبزادہ کا بیان ہے کہ اُنہوں نے اس کو تاہی کی مکافات کرنے کے لیے اس بات کا عہد و پیمان کیا کہ وہ دواۃ تک اپنے جسم اور زمین کے درمیان کسی چیز کو عائل نہ ہونے دینگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جسم کا حصہ زیریں زخمی ہو گیا!

رہدہ روح | اُن کے زہد و روح کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی چیز میں ذرا بھی شک ہو جاتا تو خواہ وہ کتنی ہی پر منفعت ہو، اسے بے تامل ترک کر دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے: "اگر تم کسی چیز کو اللہ کی خوشنودی اور اُس کا ثواب حاصل کرنے کے لیے ترک کر دو گے تو وہ گھوم گھام کر آخر کار تم کو ہی ملیگی" چنانچہ اس کے بعد وہ خود اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں "میں اور میرا بھائی دونوں ایک تجارت میں شریک تھے۔ اس میں ہم کو غیر معمولی نفع ہوا، لیکن جب تقسیم منافع کا وقت آیا تو میرے دل میں اُس مال کی نسبت کوئی شبہ پیدا ہو گیا اور میں نے "وہ ما یوریک الی ما لا یوریک" کے مطابق اُس سے اپنے بھائی کے حق میں دستبرداری دیدی۔ لیکن خدا کی شان دیکھے میری وفات سے پہلے ہی سب مال مجھ کو اور میرے بیٹے کو مل گیا۔ اور اُس کی صورت یہ ہوئی کہ میرے شریک تجارت بھائی نے اپنی تین لڑکیوں کی شادی میرے لڑکوں سے اور میں نے اپنی ایک بیٹی کی شادی بھائی کے لڑکے سے کر دی تھی۔ اس کے بعد اتفاق یہ ہوا کہ بھائی کا انتقال ہو گیا اور میرے والد ماجد اُس کے ترکہ کے وارث ہوئے۔ پھر جب والد کی وفات ہوئی تو وہ سب مال میری میرے فرزند کی طرف منتقل ہو گیا۔"

ایک مرتبہ انھوں نے کسی زمین کے بیچنے کا ارادہ کیا تو اُس کی قیمت فی جریب طبعاً سو دینار قرار پائی۔ اس پر دو قل نے کہا ”آپ کو اس دیران زمین کی اتنی قیمت مل رہی ہے، اگر میں اور آپ کا غلام دونوں مل کر اس میں کھا دو ڈال دیں اور اس طرح اسے درست کر لیں تو آپ کو ایک جریب پر پچاس دینار اور زیادہ مل جائیگے اور پھر پوری زمین کی قیمت میں آپ کے چار ہزار دینار ملینگے۔ یہ رقم بہت کافی ہے۔ آپ اجازت دیجیے کہ ہم ابھی نہیں بلکہ درست کرنے کے بعد اس زمین کو فروخت کریں۔“ ابن ہمدی کو یہ سن کر غصہ آگیا، اور فرمایا: ”کیا صرف چار ہزار دینار! اعموذ باللہ من الشیطان الرجیم“ اور اس کے بعد یہ آیت پڑھی ”لا یستوی الخبیث الطیب ولو اعجبک کثرة الخبیث فاقفوا اللہ یا اولی الابواب۔“ نہیں ہرگز نہیں اس طرح تو مجھ کو چار ہزار چھوڑ ایک لاکھ بھی ملیں، میں اُسے بھی قبول نہیں کروں گا۔

حصولِ ثواب کا فرق | اجر و ثواب حاصل کرنے کا شوق اس درجہ تھا کہ فرماتے تھے ”اگر مجھ کو اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ اللہ کی معصیت کا ارتکاب ہوگا، تو میں اس بات کی تمنا کرتا کہ شہر کا ایک ایک شخص مجھ کو بُرا کہے، اور میری غیبت کرے۔ مہلّا اُس نیکی سے بڑھ کر انسان کے لیے کیا چیز ہو سکتی ہے کہ جس کو اُس نے نہ خود کیا ہو، اور نہ اُس کا اُسے علم ہو، اور اس کے باوجود قیامت کے دن جب اُس کا صحیفہ اعمال کھولا جائے تو وہ نیکی اُس میں موجود ہو۔“

حقاً میں تشدد | اپنے عقائد و خیالات میں نہایت تشدد تھے۔ اُن کا مقولہ تھا ”اگر میرے ہاتھ میں طاقت ہوتی تو جو لوگ قرآن مجید کو مخلوق مانتے ہیں میں اُن کی گردن اڑا کر جہنم میں غرق کرتا۔“

غضاب | پینتالیس یا چھیالیس سال کی عمر میں بال سفید ہونے شروع ہو گئے تھے، آپ اُن پر غضاب لگاتے تھے۔

وفات | بصرہ میں باہ جہادی الاخریٰ سنہ ۱۹۸ھ، تریسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔

ولید بن مسلم

نام و نسب | ولید نام ابو العباس کنیت والد کا نام مسلم تھا، بنو امیہ کے شاہی غلام (رفیق الاماۃ) تھے اس لیے اموی لکھے جاتے ہیں وطن دمشق تھا۔

ولادت | سنہ ۱۱۹ھ میں ہوئے

علم و فضل | ولید اگرچہ غلام کے گھر میں پیدا ہوئے تھے، لیکن انہوں نے اسلامی سوسائٹی کے ماحول سے متاثر ہو کر اور اپنی ذاتی محنت و شوق سے باعتبار علم و فضل وہ مرتبہ بلند حاصل کیا جو کسی خوش نصیب کو ہی میسر ہو سکتا ہے، علامہ نووی لکھتے ہیں: "علماء کا ان کی جلالت شان علم میں اُن کے رتبہ بلند، اور توثیق پر اتفاق ہے۔ حافظ ذہبی انہیں امام الحافظ لکھتے ہیں۔ ابن ناصر الدین کا بیان ہے کہ ولید امام حافظ، اور مشیقوں کے عالم تھے۔"

حدیث | انہوں نے حدیث کا سماع وقت کے ائمہ حدیث سے کیا تھا جن میں سے چند نام یہ ہیں: یحییٰ بن الحارث الذہاری، ثور بن یزید، محمد بن عجلان، ہشام بن حسان، ابن جبرئیل

ثنی بن العباس، امام اوزاعی، یزید بن ابی مریم، صفوان بن عمرو۔ اور ان سے جنہوں نے روایت کی ان کی تعداد بہت زیادہ ہے بعض مشہور یہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابن المدینی، ہشام بن عمار، ابو خثیمہ، علی بن محمد، موسیٰ بن عامر۔

حدیث میں ان کا مرتبہ نہایت بلند تھا، ابوالیمان کہتے ہیں ”میں نے ولید بن مسلم ایسا کوئی نہیں دیکھا“ صدق بن الفضل المروزی کا بیان ہے ”طویل طویل حدیثوں کو یاد رکھنے میں میں نے ولید سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں دیکھا۔ انہیں ابواب کی حدیثوں پر حدیثیں یا تھیں لہذا براہیم بن المنذر بیان کرتے ہیں ”ایک مرتبہ مجھ سے علی بن المدینی نے فرمائش کی کہ میں ان کو حضرت ولید بن مسلم کی بعض احادیث سناؤں، میں نے کہا ”سبحان اللہ! آپ کے سماع سے میرے سماع کو کیا نسبت ہو سکتی ہے؟“ وہ بولے ”ولید جب شام گئے تو ان کے پاس علم کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، اور میں اس سب سے فیضیاب نہیں ہو سکتا تھا“ میں نے ان کو کچھ حدیثیں سنائیں تو بہت متعجب ہوئے اور کہنے لگے ”واقعی ولید بالکل ٹھیک کہتے تھے۔“ وہ احادیث کی بغیر تنقید و تحقیق کے روایت نہیں کرتے تھے، بلکہ صرف انہی روایات کو لیتے تھے جن پر ان کو اچھی طرح اعتماد اور جن کی صحت کا یقین ہو جاتا تھا، اور یہی دراصل ایک محدث کا سب سے پہلا اور اہم فریضہ ہے، اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے محدث محدث کہلاتا ہے۔ ولید بن مسلم اسی صفت کی بنا پر محدث کہلاتے تھے۔ ابو حاتم سے محمد بن براہیم نے دریافت کیا ”آپ ولید بن مسلم کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں؟“ بولے ”وہ صالح الحدیث تھے“

امام احمد بن حنبل نے ابو زرہؓ الدمشقی سے کہا: "تین بزرگ واقعی اصحاب حدیث ہیں، مروان بن محمد، ولید بن مسلم، اور ابو سہر یقوب بن سفیان کہتے ہیں: "ہم اپنے اصحاب سے سنتا تھا کہ لوگوں کا علم صرف دو شخصوں کے پاس ہے، اسماعیل بن عیاش، اور ولید بن مسلم، لیکن ولید کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ نہایت قابل تعریف طریقہ سے اپنے طریقہ پر اخیر وقت تک چلتے رہے۔ وہ اہل علم کے نزدیک پسندیدہ، قابل اعتماد و اعتبار، صحیح، اور صحیح العلم تھے۔"

انہوں نے حدیث کے لیے ابن جابر کی سترہ سال تک مصاحبت و ملازمت کی تھی۔ امام اوزاعی سے اُن کو بڑا اختصاص تھا، وہ اگر کسی شیخ سے کوئی روایت سُنی بھی چاہتے تھے تو پہلے امام اوزاعی سے اس کی نسبت استفسارِ حال کر لیتے تھے۔

احتیاط | وہ اگرچہ قوی الحافظ تھے، لیکن پھر بھی حدیث کے معاملہ میں صرف حافظہ پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو کچھ سننے متعین تحقیق کے بعد سے لکھتے جاتے تھے یہاں تک کہ شدہ شدہ اُن کے مسودات شکر کتابوں کی شکل میں ہو گئے۔ اُن کی یہ کتابیں نوز و نوز احکام کی احادیث کا مجموعہ تھیں جو شریعت کے ایک جامع دستور کا کام دے سکتی تھیں۔ چنانچہ عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ جو شخص ولید بن مسلم کی کتابوں کو لکھ لیا اُس میں عمدہ قضا کی صلاحیت و اہلیت پیدا ہو جائیگی۔

تاریخ | حدیث کے علاوہ اُن کی تاریخی معلومات بھی وسیع تھیں، اور اس موضوع پر بھی اُنہوں نے کتابیں تصنیف کی تھیں، حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "اُنہوں نے کثرت سے کتابیں لکھیں، اور تاریخی تصنیفات بھی لکھیں۔ اور اُن کو اس موضوع سے بڑی دلچسپی تھی۔ ابو زرہؓ الرازی کا بیان ہے

کردید مخازی کے علم میں دیکھ سے بڑی عالم تھے۔

جلالت علم | بعض ناقدین حدیث نے کہا ہے کہ ولید کبھی کبھی ضعیف راویوں سے احادیث روایت کر دیتے تھے، اور کبھی وہ تلمیس بھی کرتے تھے۔ یعنی جس شخص سے روایت سُنتے تھے اُس کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ اُس سے اوپر کے شیخ کا نام لے کر کسی غیر واضح صیغہ کے ساتھ حدیث کی روایت کرتے تھے۔ لیکن اُن پر یہ گرفت محض فنی ہے ورنہ اُن کی جلالتِ علم اور کمالِ فضل پر سب اتفاق ہے۔ حافظ ذہبی فخرِ تنقید رجال کے امام ہیں، فرماتے ہیں ”ولید کے علم اور اُن کے خط میں کوئی نزاع نہیں ہے، البتہ وہ بدس تھے اس لیے جب تک سماع کی تصریح نہ کریں اُن سے احتیاج نہیں کیا جاسکتا“ علامہ ابن سعد انہیں ثقہ کثیر الحدیث، لکھتے ہیں۔

مصل و فرزنگی | نعم و خور کے لحاظ سے بھی وہ ارباب کمال میں نہایت ممتاز تھے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ”میں نے اہل شام میں اُن سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں دیکھا“

اخلاق و عادات | کمالِ علم و فضل کے ساتھ اُن کے اخلاق و عادات بھی نہایت کریمہ اور بزرگوار تھے۔ ہشام بن عروہ سے کسی نے اُن کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے کہا ”ولید بہت بڑی عالم، صاحبِ زہد و ورع، اور متواضع و منکسر الطبع تھے۔“

وفات | ۱۹۴ھ میں رجم سے فارغ ہو کر آ رہے تھے کہ دمشق پہنچنے سے قبل ایک موضع ذی المرقہ میں بیمار ہوئے۔ اپنے ایک دوست حنظل بن عبدالعزیز کے مکان پر قیام کیا اور وہیں مرغِ ریح

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۵۲ ۲۔ تذکرۃ الکُفَّاء ج ۱ ص ۲۷۹ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۵۲

۴۔ تذکرۃ الکُفَّاء ج ۱ ص ۲۷۹ ۵۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۵۵

نفسِ غصری سے پروا ذکر کے آشیانہ قدس میں پہنچ گیا۔

حماد بن زید

نام و نسب | حماد نام، ابو اسماعیل کنیت تھی۔ والد کا نام زید تھا، جریر بن حازم کے غاذان کے غلام تھے، ان کے دادا درہم سجستان کی جنگ میں گرفتار کر کے غلام بنا لیے گئے تھے۔
ولادت | ۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں ہی آنکھوں کی نعمت سے محروم ہو گئے تھے اور اس بسنا پر ضریر (نا بینا) کہلاتے تھے۔

علم و فضل | انہوں نے علم کی تحصیل طفولیت میں ہی شروع کر دی تھی یحییٰ کا بیان ہے: ”ابوب کے پاس حماد کے سوا کوئی اور حدیثوں کی کتابت نہیں کرتا تھا۔ ابن ابی شیبہ کہتے ہیں: ”ایک شخص نے عبید اللہ بن عمر سے دریافت کیا: ”حماد لکھنا بھی جانتے تھے یا نہیں؟“ بولے: ”ایک مرتبہ میں بارش کے دن میں حضرت حماد کے پاس آیا تو میں نے خود دیکھا کہ وہ لکھتے جاتے اور پھر پھونکیں مار مار کر اسے خشک کرتے جاتے تھے۔“

نا بینا ہو جانے سے صورتاً جو حقوڑا بہت نقص پیدا ہو گیا تھا حماد نے اس کی مکافات میں طرح کی کر اپنی ذاتی محنت و کوشش اور شوق و التفات سے علم حدیث کے نمایاں شیخ بن گئے، چنانچہ حافظ ذہبی انہیں ”الامام المحافظ المجتہد شیخ العراق“ لکھتے ہیں۔ علامہ نووی

کہتے ہیں ”وہ امام عالم مقام ہیں جن کی جلالت و عظمت پر سب کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن سعد فرماتے ہیں ”حماد ثقہ، معتد، برآن حق، اور کثیر الحدیث تھے۔“

ائمہ علم کا اعتراف اُن کے عہد کے بڑے بڑے ائمہ حدیث نے اُن کی جلالت و عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ابن ہمدی کا بیان ہے ”اپنے اپنے زمانہ کے ائمہ چار ہیں: ثوری، مالک، اوزاعی، حماد بن زید و یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں ”میں نے حماد سے زیادہ کوئی حافظ روایات نہیں دیکھا“ یحییٰ بن یعین کہتے ہیں ”حماد بن زید سے زیادہ ثابت فی الحدیث کوئی نہیں ہے“ امام احمد بن حنبل ان غفلوں میں حماد کے کمال علم و عمل کی داد دیتے ہیں:-

هو من ائمة المسلمين من اهل وہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ہیں اور بڑے دیندار

الدین وهو احب الی من حماد بن سلمة ہیں، اور مجھ کو حماد بن سلمہ سے زیادہ پسند اور محبوب ہیں

ابن ہمدی کا ایک دوسرا قول ہے ”میں نے حماد سے بڑا کوئی شخص عالم سنت نہیں دیکھا اور نہ علم میں حماد، مالک اور سفیان سے افضل و اعلیٰ کوئی شخص دیکھا ایک روایت میں ابن ہمدی کے الفاظ اس طرح نقل کیے گئے ہیں کہ میں نے حماد سے بڑا کوئی عالم دیکھا ہی نہیں یہاں تک کہ سفیان اور مالک کو بھی حماد سے بڑا عالم نہیں پایا ابو عاصم کا بیان ہے ”حماد بن زید کی حیات میں اُن کی سیرت و اخلاق کے لحاظ سے دنیا میں اُن کا کوئی مثل موجود نہ تھا“ یزید بن زریج انہیں ”سید المسلمین“ کہہ کر پکارتے ہیں محمد بن یحییٰ کا بیان ہے کہ میں نے بقیۃ سے سنا، وہ کہتے تھے ”مادائیت یا لعراقی مثل حماد

بن زیدؓ میں نے عراق میں حماد بن زیدؓ ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ وکیعؓ فرماتے ہیں: ہم حماد کو بحر
مسعر کے اندر کس کے ساتھ تشبیہ دے سکتے ہیں؟ یزید بن زریجؓ سے کسی نے پوچھا: آپ حماد بن
زید اور حماد بن سلمہؓ میں کس کو افضل قرار دیتے ہیں؟ فرمایا: "حماد بن زیدؓ تو حماد بن زیدؓ ہی ہیں مگر
حماد بن سلمہؓ تو وہ رجل صالح تھے، عبداللہ بن حمادؓ یہ ابھی کہتے ہیں، ہم نے حماد بن زیدؓ سے حدیثیں
سنی ہیں، اور حماد بن سلمہؓ سے بھی لیکن دونوں میں وہی فرق ہے جو دینار اور درہم میں ہوتا ہے۔
حافظ ان کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ عجلیٰ کہتے ہیں: "حماد بن زیدؓ کو چار ہزار حدیثیں یاد تھیں۔
اور ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی۔"

احتیاط | اس درجہ علم و فضل اور قوت حافظہ کے باوجود حدیث روایت کرنے میں بڑی
احتیاط برتتے تھے۔ یعقوب بن شیبہؓ کہتے ہیں: "حماد بن زیدؓ، حماد بن سلمہؓ اور دوسرے ثقلاء
سے زیادہ ثابت فی الحدیث ہیں لیکن ابن زیدؓ اس وصف میں مشہور ہیں کہ وہ اسانید کو
مختصر کر دیتے ہیں اور کبھی مرفوع کو موقوف بنا دیتے ہیں۔ وہ اپنی احتیاط کی وجہ سے بڑی
شکی تھو۔ وہ عظیم المرتبت تھے، ان کے پاس کتاب نہیں تھی جس کی طرف وہ رجوع کر سکتے
ہیں کبھی وہ سلسلہ اسناد کو صحابی سے آگے بڑھا کر حدیث کو مرفوع کر دیتے تھے اور کبھی مرفوع
کو موقوف وہ حدیث بیان کرتے وقت خوفزدہ ہو جاتے تھے۔"

مختصر | حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی امامت کا مرتبہ رکھتے تھے۔ ابو اسامہؓ کہا کرتے تھے

بلہ یا احوال تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۱ و ۲۱۲ سے اخذ ہیں مے تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱

مے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۲ مے تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱۔

”تم جب حاد بن زید کو دیکھو گے تو کہو گے کہ ان کو کسریٰ نے ادب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہ سکھایا ہے۔“ ابن ہمدی کا بیان ہے ”میں نے بصرو میں حاد سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔“

عقلندی | دنیوی معاملات میں بھی بڑی سمجھ بوجھ رکھتے تھے۔ خالد بن خراش کا بیان ہے ”حاد بن زید عقلدار روزگار اور دانشوران زمانہ میں سے تھے۔“ ابن الطبلع کا قول ہے ”میں نے حاد بن زید سے بڑا کوئی عقلمند نہیں دیکھا۔“

وفات | ۹۰ھ میں وفات پائی۔

ابن جریج قرشی

نام و نسب | عبدالملک نام، ابوالولید یا ابو خالد کنیت، والد کا نام عبدالعزیز تھا، ان کے دادا جریج ام حبیب بنت جمیر کے جو عبدالعزیز بن عبداللہ کی بیوی تھی، غلام تھے۔ ابوالولید اپنے دادا کی نسبت سے ہی ابن جریج کہلاتے ہیں اور ان کے ہی دلاء کے تعلق سے انہیں قرشی یا مہوی کہا جاتا ہے۔

پیدائش | ۸۰ھ میں مکہ میں پیدا ہوئے، لیکن آبائی وطن روم تھا۔

تعلیم و تربیت | ابن جریج کو شروع سے علم حاصل کرنے کا شوق تھا، لیکن شروع شروع میں علمی شعرو شاعری اور علم انساب کی طرف مائل رہے، کولت کی عمر میں انہوں نے حدیث کی طرف

توجہ کی تو اس شان کے ساتھ کہ تمام چیزوں سے قطع تعلق کر کے ہمہ تن حدیث میں مشغول ہو گئے اور اس سلسلہ میں پورے اٹھارہ برس تک حضرت عطاء بن ابی رباح کے دامنِ علم و فضل سے وابستہ رہے۔ اُن کے آغازِ شباب تک بعض بعض صحابہؓ نجیات تھے، مگر ان کو اُس وقت حدیث کی طرف توجہ ہوتی تو کئی ایک صحابہؓ سے سماعِ حدیث کا شرف حاصل کر سکتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ نووی اُن کو تبع تابعین میں شمار کرتے ہیں۔

علمِ فضل | علم و فضل کے لحاظ سے ابنِ جریج کا مرتبہ نہایت بلند تھا۔ حافظ ذہبی انہیں امام الحافظ اور اہلِ اعلام لکھتے ہیں، امام نووی فرماتے ہیں "علماءِ سلف و خلف کے اقوال ابنِ جریج کی ثنا اور اُن کے مناقب کے ذکر میں ناقابلِ شائبہ ہیں" امام احمد بن حنبل ان کو علم کا طرفہ اور عطاء بن رباح اہلِ حجاز کا سردار کہتے تھے۔

حدیث | انہوں نے حدیث کا فن سیکھنے کے لیے حافظ ابنِ حجر کے بیان کے مطابق حضرت عطاء بن ابی رباح کی صحبت و ملازمت کا شرف سترہ سال تک حاصل کیا، اس کے بعد سات سال تک وہ حضرت عمرو بن دینار کی خدمت میں رہے۔ ان دو بزرگوں کے علاوہ انہوں نے وقت کے جن یگانہ روزگار ائمہ حدیث سے استفادہ کیا، ان میں امام زہری، حضرت ذلق، عمرو بن شیبہ، ہیون بن مہران، مجاہد، زید بن اسلم، صالح بن کیسان، ایوب السختیانی وغیرہ شامل ہیں۔

۱۔ تذرات النبۃ ج ۱ ص ۲۳۶ ۲۔ تہذیب الاسامی ج ۲ ص ۲۹۷ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۰
۴۔ تہذیب الاسامی ج ۲ ص ۲۹۷ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۰ ۶۔ تہذیب الاسامی ج ۲ ص ۲۹۷
۷۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۰۴۔

حضرت عطاء کی طویل مصاحبت و ملازمت کی وجہ سے ابن جریرؒ ان کے علوم و فنون کے سب سے زیادہ متبرز جان اور شائع سمجھے جاتے تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں ”ابن جریر انتبت الناس فی عطاء“ اور خود استاد کو بھی شاگرد پر بڑا اعتماد تھا، چنانچہ ان سے کسی نے پوچھا ”ہم آپ کے بعد کس سے سوال کیا کریں؟“ تو فرمایا ”ابن جریرؒ سے، اگر وہ زندہ رہیں“ پھر فرمایا ”ابن جریرؒ اہل عجاز کے بہترین نوجوان ہیں“ ابن المذینی کا بیان ہے ”میں نے اسانید کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ صرف پچھ آدمیوں میں دائر سائر ہیں، ان میں ایک ابن جریرؒ بھی ہیں۔“

امام زہبیؒ فرماتے ہیں۔ ”جب ابن جریرؒ حَدَّثَنِیْ یَا سَمْعَتُ کَیْسِ تَوَّانَ کِی حَدَّثَ قَابِلِ احْتِجَاجَہٗ۔ اُن کا شمار امام زہریؒ کے اصحاب کے طبقہ اولیٰ میں ہے“ سلیمان بن النضر کہتے ہیں ”میں نے ابن جریرؒ سے زیادہ کوئی شخص صادق اللہجہ نہیں دیکھا“ یحییٰ بن سعید امام نقد و جرح ہیں وہ بھی انہیں ”صدوق“ مانتے ہیں۔“

تصنیف ابن جریرؒ کے لیے یہ امر کچھ کم باعث فخر نہیں ہے کہ وہ اُن بزرگانِ اُمت میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے تدوین احادیث کی خدمت انجام دی، اور احادیث کا جو ذخیرہ اب تک صرف زبانوں پر تھا، وہ کتابوں کے سینہ میں محفوظ ہو گیا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ”اسلام میں سب سے پہلے جس نے تصنیف کی وہ ابن جریرؒ اور ابن ابی عروبہؒ ہیں“ ابن خلکانؒ میں ہے ”اَلْاَوَّلُ مَنْ صَنَّفَ الْکُتُبَ فِی الْاِسْلَامِ حضرت عمر بن

عبدالغزنی تحریک سے اس عہد میں علماء حدیث کو تدوین حدیث پر توجہ ہو چکی تھی مختلف مقامات کے ائمہ اعلام نے اپنے اپنے شہروں کی احادیث کو جمع کیا۔ ابن جریج چونکہ حجاز میں تھے اس لیے انہوں نے اہل حجاز کی احادیث مدون و مرتب کیں، انہوں نے جس کاوش اور محنت سے عظیم الشان کام انجام دیا انہیں خود اس پر ناز تھا، چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا ”کسی نے میری طرح علم مدون نہیں کیا“

حضرت ابن جریج کو شروع سے یہ خیال رہتا تھا کہ وہ جو کچھ حاصل کریں اُس کو اس طرح اپنی زندگی میں محفوظ کر جائیں کہ لوگ اُس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔ ولید بن مسلم بیان کرتے ہیں ”میں نے ایک مرتبہ امام اوزاعی اور دوسرے علماء سے پوچھا ”آپ نے علم کس کے لیے حاصل کیا ہے؟“ سب نے اتفاق جواب دیا ”اپنے نفس کے لیے“ اس مسموع میں صرف ایک ابن جریج ایسے تھے جنہوں نے فرمایا ”میں نے علم لوگوں کے لیے حاصل کیا ہے“ اُن کی کتابیں گویا علم کی ایک گراں قدر امانت تھی جو وہ اُمت کے سپرد کر گئے تھے، چنانچہ یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں ”ہم ابن جریج کی کتابوں کا نام کتب الامانت کہتے تھے بعض لوگوں نے اُن پر تبدیلیں کا الزام لگایا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ بعض اوقات جس شیخ سے حدیث سنتے ہیں اُس کا نام نہیں لیتے بلکہ اُس شخص کا نام لے دیتے ہیں جس سے اُن کے راوی نے حدیث سنی ہے، اور روایت میں صفیہ ایسا بولتے ہیں جس سے متبادر ہوتا ہے کہ خود انہوں نے اصل راوی سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ اس بنا پر یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ ابن جریج اگر کسی روایت

تو حدیثی کہہ کر نقل کریں تو سمجھو کہ انہوں نے خود سماع کیا ہے، اور اگر وہ اخیر فی کہیں تو اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ انہوں نے اپنے شیخ پر اس حدیث کی قرأت کی ہے لیکن جب وہ قال کہہ کر کسی حدیث کو بیان کریں تو وہ ہوا کے مشابہ ہے لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہ محض ایک فنی گفتگو ہے ورنہ حضرت ابن جریج کی صداقت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، چنانچہ حافظ ابن حجر جنہوں نے واقعہ بالا نقل کیا ہے وہ خود فرماتے ہیں: "وکان ثقة کثیر الحدیث" اور انہوں نے محمد بن سعید کا بھی قول نقل کیا ہے: "کان ابن جریر صدوقاً"

نفع | ان کو فقہ میں بھی کیاں کمال حاصل تھا۔ حافظ ذہبی انہیں "فقہ اہم" کے معزز خطاب سے یاد کرتے ہیں، امام نووی تحریر کرتے ہیں "تم یاد رکھو کہ ابن جریج ہمارے پرانے سلسلہ کے شیخ اور امام ہیں، کیونکہ امام شافعی نے ایک واسطہ سے فقہ انہی سے حاصل کیا ہے" ابن حبان کہتے ہیں "ابن جریج اہل حجاز کے فقیہ، قاری، اور ثقہ لوگوں میں سے تھے۔"

قرأت | قرأت میں بھی ان کو بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ حافظ ذہبی، عبد الرزاق کی روایت سے لکھتے ہیں "وہ قراۃ کے بادشاہوں میں سے تھے" ابن حبان کا قول ابھی اوپر گزر چکا ہے۔

عبادت | ان تمام علمی کمالات کے باوجود وہ نہایت درجہ عابد، متواضع تھے۔ جب نماز پڑھتے تھے تو بیکر خشوع و خضوع بن جلتے تھے۔ عبد الرزاق کا بیان ہے کہ میں نے ان سے بہتر طریقہ پر کسی کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ابن مہمم کہتے ہیں "ابن جریج بڑے عبادت گذار تھے۔"

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۰۵ ۲۔ تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۹۸ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۰۶

۴۔ تذکرۃ المحققین ج ۱ ص ۱۶۲ ۵۔ تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۹۷

وہ تین دن کے علاوہ ہمیشہ مہینہ بھر روضے سے رہتے تھے۔ اُن کے فیضانِ صحبت سوان کی بیوی بھی بڑی عابدہ ہو گئی تھیں۔

سخاوت | اس کے ساتھ ہی نہایت فراخ حوصلہ و بکثادہ دست تھے۔ ایک مرتبہ اُن کے پاس ایک سوال کرنے والا آیا۔ آپ نے بے تکلف اُس کو ایک دینار عطا فرمادیا۔

فناست طبع | خوشبو کا اکثر استعمال کرتے تھے، شروع میں سیاہ خضاب استعمال کرتے تھے پھر بے ترک کر کے سُرخ خضاب استعمال کرنے لگے تھے۔

وقت طبع | طبعاً نہایت زود افعال اور سریع التاثر تھے۔ ایک مرتبہ یمن میں یمن بن زائدہ کے ساتھ قیام پذیر تھے کہ عمر بن ابی ربیعہ کے مندرجہ ذیل دو شعر اُن کو یاد آ گئے۔

بِاللّٰهِ قَوْلِيْ لَمْ مِنْ غَيْرِ مَعْتَبَةٍ مَاذَا ارْدَتْ بِطَوْلِ الْمَلِكِ فِي يَمِيْنِ

اِنْ كُنْتَ حَارِلَتْ دِيْنًا وَفَعَمْتُهَا فَمَا وَجَدْتَ لَتَرْكِ الْحَجِّ مِنْ شَعَبِ

فُورَاج کا غم کر لیا، اور مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

وفات | ۱۰۔ ذی الحجہ ۵۸ھ میں ستر سال کی عمر پاکر وفات پائی۔ اخیر عمر میں بصرہ میں فروکش ہو گئے تھے اور نہیں درس حدیث کا شغل رکھتے تھے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ تذکرۃ الحفاظ و خدراۃ الذهب

۴۔ خدراۃ الذهب ج ۱ ص ۲۲۶ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۱

علی بن مُسیر

نام و نسب | علی نام ابو الحسن کنیت والد کا مُسیر تھا، کوفہ کے رہنے والے تھے اور قریش سے غلامی کا تعلق رکھتے تھے۔

علم و فضل | علم و فضل کے لحاظ سے جلیل المرتبت، تبع تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے حدیث کا سماع اسماعیل بن ابی خالد، ابواسحاق الشیبانی، محمد بن قیس، داؤد بن ابی ہند، اعثم، ہشام بن عروہ، ابومالک الاشجعی رحمہم اللہ سے کیا تھا خود ان سے ایک جماعت کثیر نے احادیث منیں، اُن میں سے چند نام یہ ہیں :- زکریا بن عدی، اسماعیل بن الحکلیل خالد بن الخلد، ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہم۔

ثقافت | علامہ نووی فرماتے ہیں "ان کی توفیق پر رب کا اتفاق ہے" امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے اُن کی روایتوں کی تخریج کی ہے۔ امام احمد انہیں صالح الحدیث اور ابو معاویہ سے زیادہ ثبت وثقہ بتاتے ہیں۔ عثمان دارمی کا بیان ہے میں نے مشہور نقاد و راوی حضرت یحییٰ بن معین سے پوچھا "آپ کو علی بن مسیر زیادہ محبوب ہیں یا ابو خالد الاحمر؟" فرمایا "ابن مسیر" پھر دریافت کیا "اچھا! ابن مسیر زیادہ محبوب ہیں یا اسحق بن الارزق؟" جواب دیا "ابن مسیر" پھر دریافت کیا "اور ابن مسیر اور یحییٰ بن ابی زائدہ ان دونوں میں آپ کس کو ترجیح دیتے؟"

ہیں، ارشاد ہوا: "دونوں ثقہ ہیں۔"

فہم | حدیث کی طرح اُن کو فقہ میں بھی کمال تھا۔ احمد اعلمی فرماتے ہیں، وہ حدیث و فقہ دونوں کے جامع تھے۔

تقنا | ہمارے فقہ کے باعث ہی انہیں ارسینیہ کا عمدہ تقنا دیا گیا تھا لیکن یہاں اُن کے ساتھ ایک نہایت حسرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ ارسینیہ کے عمدہ تقنا میں ایک مرتبہ اُن کی آنکھیں آتش کر آئیں وہ ایک معالج چشم کے پاس گئے۔ اُن سے پہلے جو شخص یہاں کا قاضی تھا اُس نے اُرد اور شک و حسد اس معالج کو مقتول رقم دے کر کہا: ان کو نابینا بنا دے۔ یہ کجخت رویہ کے لالچ میں آ گیا اور اُس نے علاج کے بہانہ ان کو نابینا کر دیا۔ چنانچہ وہ کوفہ تشریف لائے تو اُن کی قوت بینائی سلب ہو چکی تھی۔ لیکن اُن کا حافظہ اس درجہ قوی تھا کہ وہ اس واقعہ کے بعد اپنے خط سے کام لے کر احادیث روایت کرتے تھے۔ علامہ ابن سعد انہیں ثقہ، کثیر الحدیث بتاتے ہیں، حافظ ذہبی انہیں الامام، المحافظ لکھتے ہیں۔

وفات | ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ ابن خیر کا بیان ہے کہ وہ مع اپنی کتابوں کے دفن کیے گئے۔

ابومعشر السندی

نام و نسب | نام نجج، کنیت ابومعشر اصل کے اعتبار سے حمیری تھے، مدینہ میں رہتے تھے، اس لیے مدنی کہلاتے ہیں۔ والد کا نام عبدالرحمن تھا، ابومعشر بنو ہاشم کے غلام تھے۔ ان کی غلامی کے باوجود روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یزید بن مہلب اور یزید بن عبدالملک میں جو جنگ ہوئی تھی اُس میں وہ پیام میں گرفتار کر لیے گئے تھے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ یحییٰ بن اُم کو کوئی چڑالایا، اور مدینہ میں فروخت کر دیا۔ بعد میں اُم موسیٰ بن المہدی نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

علم | حافظ ذہبی انہیں "الْفقیہ صاحب المغازی" لکھتے ہیں، اور آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں "وکان من اوعية العلم" وہ علم کا ظرف تھے۔

حدیث | حدیث میں انہوں نے سعید بن المسیب، محمد بن کعب القرظی، ابوربدہ بن ابی موسیٰ الاشعری، ہشام بن عروہ، موسیٰ بن یسار، نافع، ابن المنکدر، اور محمد بن قیس وغیرہم سے روایت کی ہے۔ خود ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی جن میں خود ان کے فرزند محمد، عبدلذاق، ابولعیم، محمد بن بکار، منصور بن ابی مزاحم شامل ہیں۔

غیر عمر میں وہ چند در چند بیماریوں کا شکار ہو گئے تھے۔ ضعف کا یہ عالم تھا کہ بسا

اوقات ریح خارج ہوجاتی تھی اور انہیں اس کا علم بھی نہیں ہوتا تھا۔ اس بنا پر ان کا حافظہ بھی خواب ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن معینؒ اور یحییٰ بن سعید القطانؒ نے ان کو ضعیف الروایۃ اور ناقابلِ استناد قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی بھی ان کو ناقص الحافظہ بتاتے ہیں پھر غالباً وہ امی بھی تھے یعنی لکھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ تاہم حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ذہبیؒ نے بعض اقوال ایسے نقل کیے ہیں جن سے ان کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں۔

ثکان بصیرا بالمغازی صدوقاؒ یزید بن ارون کہتے ہیں ”میں نے ایک مرتبہ ابو جریس بن طریف سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ابو معشرؒ زمین و آسمان کی تمام مخلوق سے زیادہ جھوٹے ہیں لیکن انجام کار ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یزید کو پست و خوار کر دیا۔ اور ابو معشرؒ کو رفعت عطا فرمائی۔ ابو زرۃ الدمشقیؒ نسیم سے نقل کرتے ہیں کہ ابو معشرؒ نے عاقل اور حافظ تھے ہشیم کا بیان ہے کہ میں نے کوئی مدنی نہ ان کے مشابہ دیکھا اور نہ ان سے زیادہ عقلمند پایا۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں امام نسائیؒ نے ان سے استشہاد کیا ہے۔ البتہ امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے اکابر حدیث نے کہا ہے کہ وہ اسناد صحیح طور پر محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے اور اسی بنا پر لقب بالضعف کے طور پر ان کو ”السنذی“ کہا جاتا تھا۔

بہر حال ابو معشرؒ احتجاج کے قابل ہوں یا نہ ہوں اور ان کا مرتبہ اسناد کے بارہ میں کچھ ہی ہو، اسلام نے غلاموں کو سماجی معاملات میں آزادوں کے ساتھ جو برابر دی ہے اس کے اثبات کے لیے یہی کیا کم ہے کہ ابو معشرؒ ان تمام اور سخت تنقیدات کے باوجود دربار

خلافت میں بڑے عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے، ہمدی جب عراق گیا تو انہیں بھی جلو لے گیا، اور ان کو ایک ہزار دینار دلوائے اور ان سے کہا کہ آپ یہیں ہمارے دربار میں یہی تاکہ ہمارے ارد گرد جو لوگ ہیں وہ آپ سے فقہ حاصل کر سکیں۔

لکنت | زبان میں لکنت بھی تھی۔ محمد بن کعب کو محمد بن قعب کہتے تھے۔

علیہ | سفید فام تھے، آنکھیں نیلیوں تھیں اور فرہاندام تھے۔

وفات | رمضان ششم میں وفات پائی۔

عبد العزیز بن عبد اللہ الماجشون

نام و نسب | عبد العزیز نام، کنیت ابو عبد اللہ یا ابوالاصح، والد کا نام میمون تھا، اور کنیت ابوسلمہ اصل میں فارس کے رہنے والے تھے۔ ان کے رخاے شراب کی طرح سُرخ تھے اس لیے انہیں میگوں کہا جاتا تھا جس کو اہل مدینہ نے بگاڑ کر ماجشون کر دیا۔ ابوسلمہ آل ہدیر کے غلام تھے علم و فضل | عبد العزیز علم و فضل کے لحاظ سے اپنے زمانہ کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ ذہبی انہیں الامام العلمہ لکھتے ہیں اور آگے چل کر فرماتے ہیں وہ علماء ربانین میں سے تھے۔ ابن ناصر الدین کہتے ہیں کہ ماجشون علماء ربانین اور فقہاء مصنفین میں سے ہیں۔

۱۔ شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۸۷ ۲۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۱ ص ۲۴۷

۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۶ ۴۔ شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۵۹

حدیث انہوں نے حدیث میں امام زہری، محمد بن المنکدر، زید بن اسلم، عبد اللہ بن دینار، صالح بن کیسان، یحییٰ بن سعید الانصاری، ہشام بن عروہ، وہب بن کیسان رحمہ اللہ اور بعض دوسرے ائمہ حدیث سے استفادہ کیا تھا۔ خود ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند اسما دیے ہیں۔ لیث بن سعد، ابن وہب، زبیر بن معاویہ، ابن ہمدی، وکیع، ابو عامر العقدی، ابو داؤد الطیالسی، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں ”عبد العزیز الماجشون ثقہ اور حدیث کی کثرت سے روایت کرنے والے تھے۔ لیکن وہ شروع شروع میں حدیث کی روایت سے گریز کرتے تھے۔ جب بغداد میں لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے باقاعدہ حدیث کا درس شروع کر دیا۔ چنانچہ خود ان کا بیان ہے کہ اہل بغداد نے مجھ کو محدث بنادیا اور یہی وجہ ہے کہ ابن سعد لکھتے ہیں ”ان سے اہل عراق نے بہ نسبت اہل مدینہ کے زیادہ روایت کی ہے“ امام ابو داؤد، نسائی، ابوزرعہ، اور ابو حاتم سب ان کو صدوق اور ثقہ بتاتے ہیں۔

فقتہ انہیں فقہ میں بھی بڑا کمال تھا۔ حافظ ذہبی۔ حافظ ابن حجر، اور ابن الصاد کھنسی انہیں فقیہ لکھتے ہیں۔ اہل حریم کے مسلک کی شدت کے ساتھ پیروی کرتے تھے اور اس کے بڑے زبردست حامی تھے۔

فتویٰ اس کمال تققہ کے باعث افتاد میں وہ لوگوں کے مرجع تھے۔ یہاں تک کہ ابن وہب بیان کرتے ہیں ”میں نے حج کے وقت ایک منادی کو سنا جو کہہ رہا تھا کہ امام مالک اور ابن الماجشون کے سوا کوئی شخص فتویٰ نہ دے گا۔“

فرست و فرزانی | معاملہ فہمی اور امور سیاست میں بھی نہایت زیرک اور عقلمند تھے۔ ابو الولید الطیالسی کہتے ہیں ”ابن الماجشون وزارت کی صلاحیت رکھتے تھے۔“

خلفائے وقت | ان کمالات کے باعث خلفائے اُن کی بڑی توقیر اور تعظیم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو جعفر المنصور حج کے ارادہ سے روانہ ہوا تو ہمدی دور تک اُس کی مشایعت کے لیے گیا۔ جب رخصت ہونے لگا تو ابو جعفر نے کہا ”بیٹے! میرے لیے ایک ہادی تلاش کر کے بھیج دینا“ ہمدی نے جواب دیا میں آپ کے پاس بطور ہادی کے ایک ایسے شخص کو بھیجوں گا جو بڑا عقلمند اور فرزاند ہے۔ اس کے بعد اُس نے حضرت عبدالعزیز بن ابی سلمہ الماجشون کو بھیج دیا۔

شاعری | معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے، لیکن جب کہتے تھے نہایت خوب کہتے تھے۔ ایک دفعہ ابن الماجشون ہمدی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمدی نے پوچھا ”آپ نے اپنے اُن مرحوم دوستوں کی یاد میں بھی کچھ کہا ہے جو فقیر روزگار تھے اور اب وہ دنیا میں نہیں ہیں؟“ ابن الماجشون بولے ”ہاں“ اور یہ اشعار منائے۔

ایا بآک علی احبابہ جزعاً قد کنت احذرا ذامن قبل ان یقعاً
ان الزمان رای الت السرم ربنا فدت بالہجوف ما بیننا وسعی
ما کان واللہ شوم الدھر یتوکنی حتی یجوعنی من غیظہ جزعاً
ولیضع الدھر بی ما شاء مجتھلاً فلا زیادة شیء فوق ما صنعاً
توجہ: اے دوستوں کی موت پر بے تماشا رہنے والے، سن! میں بھی اسی حادثہ کے نازل

ہونے سے قبل ڈنٹا تھا۔ زمانے جب یہ دیکھا کہ ہم سب احباب ایک جگہ ہونے کی وجہ سے ہم
 بست مانوس ہیں تو اُس نے ہجر کو ہلے درمیان دھڑا دیا اور اُس نے اس میں بڑی دوز
 دھوپ کی۔ بخدا زمانہ کی بد نصیبیاں میری بچیاں اُس وقت تک نہیں چھوڑ گئی جب تک کہ
 وہ اپنے غیظ و غضب کو گھوٹ گھوٹ کر کے مجھ کو نہیں پلا دیں گی۔ تو اب میں کتا ہوں کر بچھا!
 زمانہ میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ کر گزرے، اُس نے اب تک میرے ساتھ جو کچھ
 کیا ہے اُس پر اب کسی چیز کی کیا زیادتی ہو سکتی ہے؟

ہمدی نے ان اشعار کو سن کر کہا "بخدا میں آپ کو اب غنی بنا دوں گا۔ چنانچہ اُس نے انہیں
 دس ہزار دینار دینے کا حکم دیا۔ ابن الماجنون انہیں لے کر بغداد چلے آئے لیکن اُن کے صاحبزادے
 نے اپنے والد کے اوصاف و صفات دیکھ کر جو دعو عطا کی جو خرید کر لی تھی اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
 انہوں نے وہ سب دینار تقسیم کر کے خرچ کر دیے۔

زہد و مع | علم و فضل کے ساتھ اُن کے علمی کمالات بھی قابل ذکر ہیں، وہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔
 احمد بن صالح کہتے ہیں "کان زہداً صاحب سنۃ ثقۃ" علامہ ابن سعد انہیں "ودع" بتاتے ہیں
 عمن دجال | قدرت نے جس طرح اُن کو معنوی اور باطنی محاسن عطا کرنے میں فیاضی سے
 کام لیا تھا اُن کو عمن ظاہری کی دولت بھی بافراط عطا کی گئی تھی۔ زبیر کا بیان ہے "وکان
 مع نبأه باسع الجمال" وہ اپنی شرافت کے باوصف نہایت حسین و جمیل بھی تھے۔
 تصنیفات | وہ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے۔ علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں اُن کی احکام

میں چند کتابیں بھی ہیں، حافظ ابی احمد بن کامل کا قول نقل کرتے ہیں ”اُن کی تصنیف کی ہوئی چند کتابیں بھی ہیں جن کو اُن سے ابن وہب نے روایت کیا ہے۔“

وفات اُن کی وفات کے سلسلہ میں اُن کے صاحبزادہ نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے جس کا ذکر دیکھی سے خالی نہیں ہوگا، کہتے ہیں ”میرے والد کی روح جسم سے پرواز کر گئی تو ہم سب نے اُن کو غسل کے لیے ایک تخت پر لٹا دیا۔ اتفاق کی بات غسل دینے والا جب غسل دے رہا تھا تو اُس نے اُن کے تلوے میں ایک رگ دیکھی جو پھر کھ رہی تھی، اُس نے یہ واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا، سب کی رائے ہوئی کہ اس وقت غسل دینا ملتوی کر دیا جائے۔ دوسرے دن بھی جب غسل دینے کا اہتمام کیا گیا، یہی صورت پیش آئی۔ غرض اسی طرح تین دن گزر گئے۔ اس کے بعد ابن الماجنون یکایک اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور لوگوں سے ستو طلب کیا، اُن کے ارشاد کی فوراً تعمیل کی گئی۔ ستوپنی چُکے تو لوگوں نے کہا ”آپ پران تین دنوں میں جو کچھ اور کتا گزری ہے، اُس کی تھوڑی بہت روئداد ہم کو بھی سنائیے۔ انہوں نے بطیب خاطر اس درخواست کو منظور کر لیا اور یوں واقعہ بیان کیا ”میری روح کو فرشتہ لے کر روانہ ہوا تو اُس نے آسمان دنیا کو عبور کیا، اور اسی طرح گزرتا ہوا ساتویں آسمان تک پہنچ گیا، وہاں اس فرشتہ سے پوچھا گیا ”تمہارے ساتھ کون ہے؟“ فرشتہ بولا ”الماجنون“ کہا گیا ”ابھی تو ان کی عمر میں اتنے برس، اتنے عیسے، اتنے دن اور اتنے گھنٹے باقی ہیں۔ تم ان کو ابھی سے کیوں لے آئے؟“ اس کے بعد فرشتہ نے مجھ کو لے کر نیچے اترنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

دیکھا، اُن کی دائیں جانب حضرت ابو بکر تھے، اور بائیں جانب حضرت عمر فاروقؓ، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز آپ کے سامنے تشریف رکھتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے فرشتہ سے دریافت کیا کہ یہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیٹھے ہیں کون ہیں؟" جواب ملا عمر بن عبدالعزیزؓ میں نے کہا "یہ تو سرورِ کونین سے بہت زیادہ قریب ہیں" فرشتہ نے کہا "یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ظلم و جور کے زمانہ میں حق پر عمل کیا، اور حضرت ابو بکر و عمرؓ نے حق کے زمانہ میں حق پر عمل کیا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو حضرت ابن الماحشون کو اس کے بعد دنیا میں چند دنوں اور رہنے کی مہلت مل گئی۔ آخر کار وہ وقت آ ہی گیا جو سب کے لیے مقدمہ ہے اور جس سے کائناتِ عالم کی کوئی ایک چیز بھی مستثنیٰ نہیں۔ ۱۶۳ھ میں جبکہ وہ مدینہ سے واپس آ کر بغداد میں قیام پذیر تھے، وفات پائی۔ اُن کے جنازہ میں خلیفہ وقت ہمدانی خود شریک تھا، اُس نے ہی نماز میں امامت کی، قریش کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔ ۱۶

علی بن المَدِیْنِی

نام و نسب | علی نام، ابو الحسن کنیت، والد کا نام عبداللہ تھا جو خود بھی بڑے پایہ کے محدث تھے قبیلہ بنو سعد بن بکر کے ایک شخص عروہ بن عطیہ کے غلام تھے، مدینہ کے رہنے والے تھے مگر ایک تروا ہے کہ بصرہ کے باشندہ تھے یہ

پیدا ہوئے۔

علم و فضل | علم و فضل کے لحاظ سے اُن کا شمار اکابرِ علم و کمال میں ہوتا ہے، علامہ نووی لکھتے ہیں:-
 تمام لوگ ان کی جلالتِ شان، امامت، اور کمال اور دوسروں پر ان کی فوقیت پر متفق ہیں۔
 حافظ ذہبی کا ارشاد ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے حافظ اور اربابِ علم و فضل کے پیشوا تھے۔ اُن کی عظمت
 برتری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام احمد بن حنبل جیسے بلند پایہ امام وقت اُن کا نام از
 ماہِ احترامِ شیعہ بلکہ اُن کی کینیت سے اُنہیں یاد کرتے تھے۔ امام بخاری آسانِ علم کے ہر
 درختاں میں لیکن وہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو کبھی کسی سے کم نہیں سمجھا۔ البتہ علی بن
 المدینی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

حدیث | خاص حدیث میں اُن کو بڑا کمال حاصل تھا۔ ابو حاتم الرازی کہتے ہیں "ابن مدینی حدیث
 اور اہل کی معلومات میں سب سے نمایاں تھے" عبد الرحمن بن ہمدی کا بیان ہے کہ وہ رسولِ مہدی
 صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے خصوصاً حضرت سفیان بن عیینہ
 کی احادیث کے بڑے حافظ تھے اس فن میں اُن کی ہمارت، وسعتِ نظر، اور صحیح قوتِ
 فیصلہ کا یہ عالم تھا کہ حضرت سفیان بن عیینہ جو ان کے اُستاد و شیخ اور خود بھی حلیل القدر محدث
 تھے، اپنے شاگرد حضرت علی بن المدینی سے بڑی محبت کرتے تھے اور اس معاملہ میں بعض لوگ
 اُن پر معترض ہوتے تھے تو فرماتے تھے "تم لوگ مجھ کو علی کی محبت پر ملامت کرتے ہو۔ بخدا انہوں
 نے مجھ سے جس قدر علمی فیض حاصل کیا ہے، اُس سے زیادہ میں نے اُن سے فیض اٹھایا ہے۔"

یحییٰ بن سعید القطان بھی فرماتے تھے۔ انا اتعلم من علی اکثر مما یعلمونہ۔ امام نسائی کا
مقولہ ہے کہ حضرت علیؑ پیدا ہی اس غرض کے لیے کیے گئے تھے کہ

مختلف حدیث کا علم بہت وسیع تھا، امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن المدینی
اس باب میں امام احمد سے بھی بڑے عالم تھے۔

شیراز حضرت ابن دینی نے بیشمار حضرات سے سماع حدیث کیا تھا۔ ان میں سے چند مشہور نام
یہ ہیں۔ اُن کے والد ماجد عبد اللہ بن جعفر، حماد بن زید، جعفر بن سلیمان، عبد العزیز الدراوردی، معتمر
بن سلیمان، سفیان بن عیینہ، ولید بن مسلم، بشر بن الفضل، یحییٰ بن سعید القطان، عبد الرحمن بن
ہمدی۔ ابو داؤد الطیالسی، ہشام بن یوسف، یزید بن زریج۔

تلاذہ ابن ارباب علم و شریعت نے اُن سے روایت کی اُن میں امام احمد بن حنبل، صالح بن
احمد، محمد بن یحییٰ الذہلی، فضل بن سہل الاعرج، محمد بن اسحاق الصاعانی، محمد بن اسماعیل البخاری
ابو حاتم الرازی شامل ہیں۔

نہایت اُن کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے۔ امام بخاریؒ نے فرماتے ہیں
”کان اعلم عصرہ“ ابن جان فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
علل کے بڑے علماء میں سے تھے۔ انہوں نے سفر کیا، حدیثیں جمع کیں، اُن کو لکھا، اُن پر کتابیں
تصنیف کیں، پھر اُن سے متعلق مذاکرہ کیا، اور انہیں محفوظ رکھا، ابو جعفر احتیالی کہتے ہیں کہ اُن کی
حدیث درست ہے، امام نسائی فرماتے ہیں ”وہ معتبر ہیں، مامون ہیں، اور حدیث کے اماموں

میں سے ہیں۔ ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ ابو زرہ فرماتے تھے: "اُن کی سچائی میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا" جعفر بن احمد کہتے ہیں: "میں نے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو روانگی سے پہلے ابن عیینہ سے پوچھا: "میں کس کس سے روایت کروں؟" اُس کے ساتھ ہی میں نے چند بزرگوں کے نام لیے۔ یحییٰ بن عیینہ خاموش بیٹھے ہوئے سنتے رہے۔ جب میں نے حضرت علی بن المدینی کا نام لیا تو بولے: "اگر وہ تم سے کوئی حدیث بیان کریں تو تم اُس کو لکھ لینا۔ وہ سچے ہیں۔"

درس [اُن کی علمی شہرت و کمال کی وجہ سے دور دور کے لوگ اُن کے درس میں شریک ہونے کے آرزو مند رہتے تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں: "علی بن المدینی بغداد میں تشریف لاتے تھے تو وہاں اُن کے درس کا ایک وسیع حلقہ قائم ہو جاتا تھا۔ جس میں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن عیینہ ایسے افاضل امت شرکت کرتے تھے۔ اس درس میں شریک ہو کر امام احمد حضرت یحییٰ بن عیینہ، خلف، اور معیطی مختلف مسائل پر مذاکرہ بھی کرتے تھے، جب اختلاف شد ہو جاتا تو پھر حضرت ابن مدینی کلام شروع کرتے تھے۔"

ایک شخص نے امام بخاری سے دریافت کیا: "اس وقت آپ کی آرزو کیا ہے؟" فرمایا: "میری تمنا یہ ہے کہ میں عراق جاؤں، وہاں علی بن المدینی حیات ہوں اور اُن کے ساتھ مجالست کروں۔"

فہم | حدیث کی طرح اُن کو فقہ میں بھی کمال تھا۔ حضرت سفیان بن عیینہ سے کوئی شخص کسی مسئلہ میں فتویٰ پوچھتا تو انہیں فوراً حضرت ابن مدینی یاد آجاتے تھے۔ ایسے موقع پر وہ اکثر فرمایا:

کرتے "لوکان حیتہ الوادی معناه عربی زبان میں حیتہ الوادی بطور استعارہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی سلسلہ کے لوگوں کے لیے سب سے بڑا امید کا سہارا اور پناہ کی جگہ ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقہ کی موثر گائیوں میں زیادہ مشغول رہنا پسند نہیں کرتے تھے اُن کے اصحاب میں سے کسی نے اُن سے کہا کہ اگر آپ فقہ کی طرف متوجہ ہوں تو کتنی اچھی بات ہے؛ جواب دیا کہ اگر میں اس میں مشغول ہو گیا تو اب جو کام کر رہا ہوں وہ نہیں کر سکو گا۔

جلالت شان | قدرت کی نظر انتخاب کسی سادہ مند کے سر پر قلم علم کی کشور کشائی کا مہج زرفشاں رکھتی ہے تو اُسے لوگوں میں اس درجہ ہر دلغیر اور محبوب بنا دیتی ہے کہ لوگ اُس کی ایک ایک نقل و حرکت قلمبند کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی کے ساتھ مسلمانوں کو جو عام گردیدگی اور شینگی تھی اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُن کا اٹھنا بیٹھنا، لباس، قول و فعل غرض یہ کہ ہر چیز لکھی جاتی تھی۔ بڑے بڑے ائمہ وقت اُن کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے بیٹھتے تھے امین کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت ابنِ مدینی کو دیکھا کہ لیے ہوئے تھے اور اُن کے دائیں جانب امام احمد اور بائیں جانب یحییٰ بن معین تشریف رکھتے تھے۔ اسی حالت میں علی بنِ مدینی کچھ املا کرتے جاتے اور یہ دونوں بزرگ اُسے لکھتے جاتے تھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ تقریباً ساٹھ برس سے وہ گوشہ نشین ہو گئے تھے اور اپنے تلامذہ کے لئے مجلسِ درس منعقد نہیں کرتے تھے لیکن حضرت ابنِ مدینی کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔ وہ خود لوگوں کو خطاب کر کے فرماتے تھے "اگر علی نہ ہوتے تو میں کبھی تمہارے لئے

مجلس میں نہ آیا۔ شخص بن محبوب الخزازی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت سفیان بن عیینہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اُس وقت اُن کے پاس حضرت علی بن المدینی بھی تشریف رکھتے تھے۔ اور ابن شاذکونی بھی اس مجلس میں شامل تھے۔ علی اُٹھ کر جانے لگے تو سفیان بھی اُٹھ گئے اور یہ فرمایا "اذا قامت الخلیل لم یجلس مع الرجال" جب سوار کھڑے ہو گئے تو اب ہم پا پیادہ لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھے رہینگے۔

طلب علم میں سفر | تحصیل علم کے شوق میں وہ کسی ایک مقام پر مستقل قیام نہیں کرتے بلکہ شہر بشہر سفر کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ وہ بصرہ سے یمن کے لیے روانہ ہوئے، ماوراء قریبا تین سال تک یہاں واپس نہ آئے۔ ان کی والدہ ماجدہ اس وقت حیات تھیں۔ واپس تشریف لائے تو انہوں نے کہا بیٹے! میں نے معلوم کر لیا ہے کہ فلاں تمہارا دوست ہے اور فلاں تمہارا دشمن۔ حضرت علی بولے: اماں! آپ کو یہ کس طرح پتہ چلا، کہنے لگیں: تمہاری غیر موجودگی میں فلاں فلاں شخص جن میں یحییٰ بن سعید بھی شامل تھے، میرے پاس آتے تھے، اور طرح طرح سے مجھ کو دلا سادے کر کہتے تھے "آپ گھبراہٹ میں نہیں، علی واپس آئینگے تو اس شان و آئینے کے آپ انہیں دیکھ کر باغ باغ ہو جائیں گے" ان لوگوں کی گفتگو سے میں نے عموں کو ریا کر دیا کہ یہ واقعی تمہارے محب اور مخلص دوست ہیں۔ ان کے برخلاف میرے پاس بعض شخص ایسے آتے تھے جو کہتے تھے "آپ اپنے بیٹے کو بلائے کا تاکید خط کیوں نہیں لکھتیں کہ وہ جلد واپس آجائیں" ان کی اس گفتگو سے میں سمجھتی تھی کہ یہ تمہارے دشمن ہیں۔

علم میں انہک | انہیں دن رات علم میں انہماک رہتا تھا یہاں تک کہ سوتے سوتے اگر کوئی حدیث یاد آجاتی تھی تو فوراً لوندی کو چراغ جلائے کاظم کرتے، اور چراغ روشن ہو جاتا تو اپنی کتاب میں اُس حدیث کو تلاش کرتے تھے۔

مناہت | وہ جو کچھ سنتے تھے اُس پر اچھی طرح سے تنقید کرتے تھے خود اُن کا بیان ہے کہ میں نے تقریباً ایک لاکھ حدیثیں ترک کر دیں جن میں سے تیس ہزار حدیثیں عباد بن صہیب کی روایت کی ہوئی تھیں، پھر میرا تنقید پر پکھنے کے بعد جو حدیثیں انہیں صحیح اور کھری معلوم ہوتی تھیں انہیں قیدِ تحریر میں لے آتے تھے۔ لکھتے لکھتے اُن کے پاس اتنا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا کہ ایک الماری بھر گئی، لیکن افسوس ہے یمن کے سفر سے واپس آنے کے بعد انہوں نے اس الماری کو کھولا تو انہیں یہ دیکھ کر بے اتہامہ دمہ ہوا کہ اُن کی اب تک کی زندگی کا جو کچھ سرمایہ تھا وہ سب خاک کے ذروں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس موقع پر خود حضرت ابنِ مدینی کا بیان یہ ہے کہ فُلانہ انشط بعد الجمعۃ، اس کے بعد مجھ کو مصالحِ شدہ سرمایہ کے جمع کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔

خلقِ قرآن کا فن | جیسا کہ تصریحات بالا سے معلوم ہو چکا ہے، حضرت ابنِ مدینی کے فضل و کمال اور ابنِ مدینی کا ابتلا، اور مہارتِ علم و فن میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صاحبِ علم و فضل اربابِ غنیمت میں سے بھی ہو۔ اور ایک جزئی سے جزئی مسئلہ کے لیے بھی طوق و سلاسل کو منہی خوشی برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو، اور اگر ایسا ہوتا تو پھر امام احمد بن حنبل اور وقت کے دوسرے ائمہ علم و فن میں فرق ہی کیا رہتا۔

یہ تَبَّہ بندِ بلا جس کو بل گیا ہر پوٹا موس کے واسطو دار و رسن کہاں

چنانچہ خلیفہ بغداد متعمم باللہ کے عہد میں خلقِ قرآن کی محبت کا جو قسم پیش آیا، اس میں علی بن مدینی اپنی علمی جلالتِ شان کے باوجود اپنے آپ کو حضرت امام احمد بن حنبل کی طرح میدانِ عریض و ہمت کا مردِ نبردِ پیشہ ثابت نہ کر سکے۔ اس کی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ متعمم باللہ نے امام احمد بن حنبل کو بلا کر پوچھا ”میں نے سنا ہے کہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا، حالانکہ آنکھ تو کسی محد و چیز پر ہی واقع ہو سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غیر محد و ہے، تو کیا آپ کے پاس اس کی کوئی دلیل موجود ہے؟“ امام نے فرمایا ”ہاں! اے امیر المؤمنین، میری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشادِ گرامی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں ”تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کا دیدار اسی طرح کرو گے جس طرح چودھویں رات میں ماہِ شبِ چارہم کو دیکھتے ہو“ یہ روایت سننے کے بعد خلیفہ نے احمد بن ابی داؤد کی طرف مُرخ کیا جس نے امام احمد بن حنبل کی چٹلی کھائی تھی۔ اور پوچھا ”احمد بن ابی داؤد! بتاؤ تمہیں اس بیعت پر کوئی اعتراض ہے؟“ ابن ابی داؤد بولا ”مجھ کو ذرا عملت دیجیے کہ میں اس روایت کی اسناد کو جانچ لوں“ چنانچہ وہ گھر واپس آیا اور یہاں اُس نے فوراً علی بن مدینی کو بلا کر دریافت کیا کہ آپ کو اس روایت میں کوئی قابلِ اعتراض بات نظر آتی ہے؟“ ابن مدینی نے انکار کر دیا اور کہا ”مجھ کو تو آپ اس سے معاف ہی رکھیے“ ابن ابی داؤد بڑا شاطر تھا۔ بولا ”دنیا کے کام اسی طرح چلتے ہیں۔“ اور یہ کہہ کر علی بن مدینی کو بہت کچھ زرقند، سواری مع اُس کے تمام ساز و سامان کے، کپڑے اور عطریات وغیرہ بھی دیں۔ اب علی بولے ”ہاں! اس روایت میں

ایک نقص یہ ہے کہ اس کی اسناد میں ایک راوی قیس بن ابی حازم ہے شیخ کھڑا ہو کر پیش کرتا تھا جو علامتِ نفق ہے۔ ابن ابی داؤد یہ سننے ہی سے خوشی کے اچھل پڑا۔ ابنِ مدینی کو بوسہ دیا، اور انہیں گلے سے لگالیا۔ اور دوسرے دن بارگاہِ خلافت میں جا کر کہہ دیا کہ امام احمد بن حنبل جس روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ قیس بن ابی حازم ایسے غیر ثقہ راوی کی وجہ سے ناقابلِ استناد ہے۔ معصوم کو بہانہ اٹھ آگیا۔ اُس نے امام عالی مقام کو کڑوں سے مارنے کا حکم دیا۔ علامہ خطیب بغدادی اس پورے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اس کو ناقابلِ اعتبار قرار دیتے ہیں، اور اس پر دو نقص وارد کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ جن لوگوں نے امام احمد بن حنبل کے ابتلاء کا واقعہ بیان کیا ہے اُن میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جس نے خلقِ قرآن کی بحث کے ضمن میں یہ کہا ہو کہ معصوم کے سامنے امام سے رویت باری کے مسئلہ میں مناظرہ ہوا۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ حضرت ابنِ مدینی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ قیس بن ابی حازم کو کھڑے ہو کر پیش کرنے والا کہتے تھے، سراسر بہتان اور افتراء ہے۔ کیونکہ انہوں نے خود ان سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں۔ وہ ان کو معتبر تابعی سمجھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ قیس نے حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، سعد بن ابی وقاص، زبیر، طلحہ، مغیرہ بن شعبہ، ابو سعود البدری، او حباب بن آرت و عنوان الشہید امام جمعین ایسے اجلہ صحابہ سے شرفِ سماع حاصل کیا ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس اعتراضِ فضیلت کے باوجود وہ اُن کی شان میں اس طرح کے گستاخانہ الفاظ کہیں۔ علامہ بغدادی ان دو نقصوں کے بعد اپنی رائے لکھتے ہیں کہ اگر مندرجہ بالا واقعہ صحیح ہے تو یہ کہنا چاہیے کہ ابن ابی داؤد نے از خود قیس بن ابی حازم پر یہ اعتراض کیا، اور اس کو وقیع بنانے کے لیے خواہ مخواہ حضرت ابنِ مدینی کی طرف

نسب کر دیا۔

ہجری ۱۷۰ میں علامہ بغدادی کے خیال کے مطابق یہ واقعہ ہی سرے سے من گھڑت ہے لیکن اس سے انکار کرنا مشکل ہے کہ خلقِ قرآن کے فتنہ میں ابنِ مدینی کی جانب سے اس قسم کا کوئی تساہل ضرور سرزد ہوا تھا جس کی وجہ سے امام احمد بن حنبل میں اور ان میں تعلقات خوشگوار نہیں رہے۔ اور خود ابنِ مدینی کو بھی اس کا اقرار تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر ان سے کسی نے کہا کہ لوگ امام احمد بن حنبل کے مقابلہ میں اب آپ کی بات قبول نہیں کرتے۔ تو غایتِ شرمساری سے بولے ”ہاں! امام احمد بن حنبل تو کوڑوں کی مار سہ گئے اور میں اُسے برداشت نہیں کر سکتا تھا“ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ تم میری کمزوری جانتے ہو۔ اگر میرے ایک کوڑا بھی مارا جاتا تو میں مرجاتا۔

بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ اُن سے عجلت میں جو خطا سرزد ہو گئی تھی اُس نے بعض لوگوں کے دلوں میں اُن کی وقعت کم کر دی۔ یہاں تک کہ کسی کسی نے اشعار میں اس کا اظہار بھی کیا، اور خود اُن کو بھی جیتے جی اُس کا رنج و قلق رہا، ورنہ جہاں تک اُن کے عقیدہ اور رائے کا تعلق ہے وہ اس معاملہ میں بالکل امام احمد بن حنبل کے ہمنوا تھے۔ جیسے کی تکفیر کرتے اور خلقِ قرآن کے قائلین کو گمراہ سمجھتے تھے۔ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ میں نے خود حضرت علی بن مدینی سے برسرِ منبر سنا ہے فرماتے تھے کہ جو شخص قرآن مجید کو مخلوق سمجھتا ہے وہ کافر ہے، اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حج مشرف ہکلائی

علا نہیں فرمایا وہ بھی کا فر ہے!

ایک دوسری چیز جس نے اُن کی شہرت کو نقصان پہنچایا یہ تھی کہ وہ مہمبن ابی داؤد کے ساتھ قلع رکھتے تھے۔ یتیم بن داد کا قاضی تھا، اور امام احمد بن حنبل کو جو مصائب اٹھانے پڑی اُن میں اس کی ریشہ دوانیوں اور چٹھواریوں کو بڑا دخل تھا۔ اس لیے عوام و خواص اس کو وقت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ اور اس کے پیچھے ناز پڑھنے کو بھی مذموم خیال کرتے تھے، لیکن علی بن مدینی نے انہیں اس سے بھی قلع منقطع کر لیا تھا۔ اور وہ سچے دل سے اِن تمام قابل اعتراض باتوں سے توبہ کر چکے تھے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں "اس امام کے مناقب بہت زیادہ ہیں اے کاش وہ خلق قرآن کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتے، اور احمد بن ابی داؤد سے کوئی راہ و رسم نہ رکھتے۔ مگر خیر انہوں نے بعد میں اس پر مذمت کا اظہار کیا۔ اور ان سب چیزوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور خلق قرآن کے قائلین کی تکفیر کرنے لگے تھے۔ اشدان پر رحم کرے اور ان کی مغفرت فرمائے" حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "ابن مدینی کو جو ابتلا پیش آیا تھا، اُس کی وجہ سے امام احمد بن حنبل اور اُن کے متبعین اُن کی شان میں کلام کرتے تھے لیکن حق یہ ہے کہ ابن مدینی کو اپنے فعل پر بڑی مذمت تھی۔ وہ عذر خواہی کرتے تھے، انہوں نے توبہ کر لی تھی اور خدا کے حضور میں اُس سے رجوع کر لیا تھا۔"

تصنیفات | وہ جو کچھ سنتے تھے معیار تنقید پر پرکھ لینے کے بعد اُس کو قلمبند کر لیتے تھے۔ اس بنا پر اُن کی تصنیفات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ حافظ ابن حجر اُس کی تعداد دو سو بتاتے ہیں۔

ابن العماد الحنبلی انہیں صاحب التصانیف لکھتے ہیں۔

وفات اُن کے مقامِ دسہ وفات دونوں میں اختلاف ہے۔ علامہ بغدادی بخاری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اُن کی وفات بصرہ میں نہیں۔ سامرا میں ماوِ ذی القعدہ ۲۳۲ھ میں ہوئی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سامرا میں متوکل باللہ عباسی کے بلائے ہوئے تھے۔ یہاں کی زمین نے اپنی کشتی کا وہ اثر دکھایا کہ وہ ہیں پویدِ خاک ہو کر رہ گئے۔

محمد بن یحییٰ الذہلی

نام و نسب | محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت۔ والد کا نام یحییٰ تھا۔ بنی زہل کے غلام تھے اس لیے ذہلی کہلاتے ہیں۔ وطن نیشاپور تھا۔

ولادت | ۱۹۰ھ کے بعد پیدا ہوئے۔

علم و فضل | علم و فضل کے لحاظ سے اُن کا شمار اُمت کے ائمہ کبار میں ہوتا ہے۔ حافظ ذہبی

انہیں "الامام اور شیخ الاسلام حافظ نیشاپور" لکھتے ہیں، علامہ بغدادی فرماتے ہیں "ذہلی عراق کے ائمہ اسلام میں سے تھے، حافظ متقن تھے اور مامون و معتز ثقف تھے انہوں نے تین تہا امام زہری کی حدیثیں مَدُن کیں۔ بغداد میں تشریف لائے۔ وہاں کے شیوخ کی صحبت سے استفادہ کیا اور اُن کا درس دیا۔ ابن عماد الحنبلی انہیں "احد ائمۃ الاعلام

الفتات، لکھے ہیں:-

طلب علم میں سفر | انہوں نے علم کی جستجو میں حرمین شریفین، شام، مصر، عراق، یمن، خراسان، یمن، جزیرہ۔ ان سب کی خاک چھانی، اور بعض جگہ تو کئی کئی بار تشریف لے گئے۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں بصرہ کا اٹھارہ مرتبہ، اور یمن کا دو دفعہ سفر کیا۔ ان کے بہت طویل اور مسلسل سفر تین تھے خود ان کا بیان ہے کہ میں نے ان علمی سفروں میں ڈیڑھ لاکھ درہم خرچ کیے۔ پہلی مرتبہ یہ بصرہ میں داخل ہوئے تھے کہ اُسی وقت حضرت یحییٰ بن سعید القطان کا جنازہ اپنی مقام سے روانہ ہو کر شہر نہاد کے دروازہ تک آچکا تھا۔

شفاعت | انہیں حدیث میں اس درجہ اہمیت تھا کہ عشق کے درجہ تک پہنچ گئے تھے ان کے صاحبزادہ ابو زکریا کہتے ہیں "ایک مرتبہ گرمی کا موسم تھا۔ آفتاب کی تازت نے ہوش و حواس پر آگندہ کر رکھے تھے۔ میں اسی عالم میں دوپہر کے وقت مکان میں داخل ہوا تو دیکھا ابا (محمد بن یحییٰ ذہلی) اپنے کتب خانہ میں بیٹھے ہوئے تصنیف میں مصروف ہیں اور ان کے سامنے چرخِ جل رہا ہے۔ میں نے عرض کی "بہتر ہوتا کہ آپ اس وقت کچھ آرام فرمالیتے" ارشاد ہوا "بیٹا! تم کیسے طرح کہتے ہو، جبکہ میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام و تابعین عظام کی معیت میں ہوں؟"

دامت فی اہدیت | ان کی شب و روز کی محنتوں، پیہم سفروں، اور راہِ طلب میں طرح طرح کی مشقتوں

۱۔ ذخرات الذہب ج ۲ ص ۱۳۸ سے تاریخ بغدادی ج ۲ ص ۴۱۹ سے تذکرۃ المصنفین ج ۲ ص ۱۰۲۔

۲۔ خلیفہ بغدادی ج ۳ ص ۴۱۹۔

کا نتیجہ ہوا کہ اپنے عہد کے ائمہ کبار میں سے ہو گئے۔ لوگ انہیں "امیر المؤمنین فی الحدیث" کہتے تھے۔
 امام احمد بن حنبل کی جلالت مرتبت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، وہ خود امام ذہلی کی بڑی توقیر و
 تعظیم کرتے تھے۔ محمد بن ہسل کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم چند اصحاب امام احمد بن حنبل کے پاس
 بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں امام ذہلی تشریف لے گئے۔ امام احمد انہیں دیکھتے ہی تعظیماً کھڑے
 ہو گئے۔ لوگوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔ مگر آپ نے اس پر ہی اکتفا نہیں کی، اس کے بعد
 اپنے صاحبزادوں، اور شاگردوں سے فرمایا "تم ابو عبد اللہ کے پاس جاؤ، اور ان سے احادیث
 لکھو۔ جس زمانہ میں امام ذہلی بصرہ میں قیام پذیر تھے، اگر کوئی شخص بصرہ جاتا تو امام احمد بن
 حنبل اُسے تاکید کرتے تھے کہ دیکھنا! وہاں پہنچ کر محمد بن یحییٰ الذہلی کی خدمت میں ضرور حاضر ہونا
 اور ان سے احادیث کا سماع کرنا، میں نے کسی خراسانی کو، یا (راوی کا ضمیمہ ہے) کسی شخص کو بھی
 امام زہری کی احادیث کے باب میں ان سے بڑا عالم نہیں پایا، اور نہ کسی کی کتاب ان
 کی کتاب سے زیادہ صحیح ہے۔"

امام احمد کو امام ذہلی کی جلالتِ شان کا اس درجہ پاس تھا کہ وہ ان کی شانِ سلطنتی
 کوئی چیز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دفعہ امام ذہلی نے امام ابن حنبل کی مجلس میں ایک محدث
 روایت کی جس میں کچھ ضعف و قہم پایا جاتا تھا، امام عالی مقام نے اُس کو سن کر فوراً ارشاد فرمایا۔
 "حضرت! آپ اس طرح کی چیز کا ذکر نہ کیجیے، امام ذہلی کو مذمت محسوس ہوئی تو آپ نے کہا
 "لے ابو عبد اللہ! یہ جو کچھ میں نے کہلے، آپ کی بلندیِ شان کی وجہ سے کہلے،"

حافظ ذہبی انہیں خراجِ عقیدت و تحسین اس طرح پیش کرتے ہیں، لکھتے ہیں،

”اُن پر خراسان میں علم کی شیخت، ثقاہت، تقویٰ و طہارت، دین اور اتباعِ سنت کا خاتمہ ہو گیا۔ ابو حاتم فرماتے ہیں ”امام ذہبی اپنے زمانہ کے امام تھے، ابن خزمیہ امام ذہبی کی کوئی روایت بیان کرتے تھے تو اُن کا نام لینے کے بعد اِمامِ عصرہ کہا کرتے تھے۔“

شیخ | امام ذہبی نے حدیث کا سلع جن شیوخِ وقت سے کیا اُن میں چند کے اسامہ گرامی یہ ہیں
عبدالرحمن بن ہمدی، محمد بن بکر الرسانی، عبد اللہ بن موسیٰ، یعلیٰ بن عبید، محمد بن عبید، یوح
بن عباده، ابو النضر اسلم بن القاسم، اسود بن عامر، سلیمان بن داؤد الباشمی، محمد بن عمر الواقدی
تلاذہ | خود اُن کے دلائلِ فیض سے وابستہ ہو کر جنہوں نے فائدہ اٹھایا اُن کی فہرست طویل ہے۔
چند نام یہ ہیں۔ سعید بن ابی مریم، ابو صالح کاتب، اللیث بن سعد، عبد اللہ بن محمد، سعید بن منصور
عمود بن غیلان، محمد بن المتقی، محمد بن اسماعیل الصفانی، ابو داؤد السبستانی۔“

علامہ بخت رادی عنوان میں امام ذہبی کے نام کے ساتھ ”شیخ البخاری“ لکھتے ہیں۔ حافظ
ابن حجر نے بھی مقدمہ فتح الباری میں امام بخاری کے جو شیوخ شمار کرائے ہیں اُن کو باجِ طبقات
پر تقسیم کیا ہے، اور اُن میں سے جو تھے طبقہ میں امام ذہبی کا نام لیا ہے۔“

امام ذہری کی احادیث | امام ذہبی کو یوں تو احادیث کے تمام ذخیرہ پر ہی عبور تھا لیکن اُن کو امام
ذہری کی احادیث خصوصیت سے بہت یاد تھیں اور وہ اُن کے علل سے بھی اچھی طرح واقف
تھے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں ”ذہبی نے امام ذہری کی احادیث اور اُن کی کتابوں کے ساتھ بیڑا

اقتنا کیا تھا۔ اور اس میں اُن کو بہت کچھ صعوبتوں سے بھی دوچار ہونا پڑا تھا۔ علی بن دینار ان کو وارث زہریؒ کہتے تھے۔ داقطنی کہتے ہیں جو شخص یہ پسند کرے کہ وہ امام زہبی کے علم کے عملات کا مشاہدہ کرے۔ اُس کو امام زہری کی احادیث کے اُن حل میں غور و فکر کرنا چاہیے جو محمد بن یحییٰ نے معلوم کی تھیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے ”ما قدم علینا رجل اعلم بحديث الزهري من محمد بن يحيى“ یحییٰ بن یحییٰ سے کسی نے پوچھا ”آپ امام زہری کی حدیثیں کیوں جمع نہیں کرتے؟“ فرمایا ”ہم سب کو محمد بن یحییٰ الذہلی نے اس سے مستغنی کر دیا ہے۔“

حفظ اُن کا حفظ مسلم تھا۔ امام ابن حنبل سے کسی نے پوچھا ”آپ کے نزدیک محمد بن یحییٰ اور محمد بن رافع ان دونوں میں کون قابل ترجیح ہے؟“ فرمایا محمد بن یحییٰ احفظ، اور محمد بن رافع زیادہ پیمبر گار ہیں۔“

بعض مواقع پر علماء حدیث اُن کا طرح طرح سے امتحان لیتے تھے لیکن آخر کار اُن کو امام زہبی کی جلالتِ شان اور امانت و ثقاہت کا اعتراف کرنا پڑتا تھا۔ صلح کا بیان ہے کہ میں رہے جانے لگا تو فصلک کے پاس آیا اور پوچھا ”میں نیشاپور پہنچ کر کس سے احادیث کی کتاب کروں؟“ وہ بولے ”تم نیشاپور میں ایک شیخ کی تلاش کرنا جو پُر رونق اور خوبصورت ہوں، اُن کا لباس بھی عمدہ ہوگا، اور وہ گدھے پر سوار ہونگے، اُن کا نام محمد بن یحییٰ الذہلی ہوگا، بس تم اُن کی احادیث قلمبند کرنا۔ وہ زفر قیام قدم فائدہ ہی فائدہ ہیں“ صلح کہتے ہیں ”میں نے نیشاپور پہنچ کر جو

کی تو وہ واقعی ان تمام صفات کے جامع تھے، میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ میں نے فضل بن العباس الرازی سے آپ کی ایک حدیث سنی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اُسے خود آپ سے بھی سُن لوں۔ محمد بن یحییٰ بولے ”لاؤ، سناؤ“ میں نے وہ حدیث مع اسناد کے چڑھ دی۔ اسناد میں ایک راوی کا نام سعید بن عامر تھا۔ امام ذہبی نے اُس کو سُننے کے بعد ارشاد فرمایا: جو شخص ایسا انتخاب اور اس طرح کی قرأت کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ سعید بن عامر اس طرح کی حدیث روایت نہیں کر سکتے۔ صالح نے کہا ”درست ارشاد ہوا، سعید بن عامر نہیں بلکہ اس روایت کا راوی سعید بن واصل ہے“ علامہ بغدادی یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ دراصل صالح نے یہ حدیث پیش کر کے امام ذہبی کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ دیکھیں وہ اس روایت کو قبول کرتے ہیں یا نہیں، پس امتحان سے اُن کو ثابت ہو گیا کہ امام ذہبی کو اپنی روایتیں خوب محفوظ تھیں۔ وہ وہم سے احتراز کرتے، اور علی بصیرت رکھتے تھے۔

ابوعلیٰ الحسین بن علی الحافظ سے کسی نے امام ذہبی اور عباس بن عبدالمطلب الغبری کی نسبت سوال کیا تو فرمایا ”عباس حافظ ہیں مگر محمد بن یحییٰ بہت زیادہ جلیل المرتب ہیں۔“ فضلک الرازی اُن سے روایت کرتے تھے تو کہا کرتے تھے ”مجھ سے ایک ایسے شخص نے سنا ہے جس نے کبھی حدیث میں خطا نہیں کی یعنی محمد بن یحییٰ الذہلی النیشاپوری۔“

محدثین کا اعتماد اُن کی ہمارت فن، وسعت نظر، اور حفظ و ثقاہت کی وجہ سے محدثین اُن پر اس درجہ اعتماد کرتے تھے کہ زنجویر بن محمد کا بیان ہے ”میں نے مشرک علماء سے سنا ہے

امام بخاری اور امام ذہلی کی شکر ربی تاریخ حدیث کا مشہور واقعہ ہے
ذہلی کی شکر ربی

جس نے بعض گمراہ کن غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ
یہ شکر ربی کسی ذاتی خصوصیت و مخالفت پر نہیں بلکہ ایک مسئلہ کے متعلق غلط فہمی کے پیدا ہوجانے
کی وجہ سے تھی، حافظ ابن حجر نے حاکم ابو عبد اللہ کی تاریخ کے حوالہ سے اس واقعہ کو تفصیل
سے لکھا ہے، ہم ذیل میں اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

۱۴ امام بخاری شہنشاہ میں نیشاپور تشریف لائے۔ اور یہاں مدت تک قیام کیا، اس اثنا

میں وہ روزانہ درس دیتے تھے، امام محمد بن یحییٰ الزہلی کو جب امام بخاری کے نیشاپور تشریف لانے کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے شاگردوں اور دوستوں سے کہا اہم لوگ اس عالم مرد صالح کے پاس جاؤ اور ان سے احادیث کا سماع کرو، لوگ ان کے ارشاد کے مطابق امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے امام کے درس حدیث میں شرکت شروع کر دی، لیکن بعد میں ان کی مجلس میں ضل پیدا ہو گیا۔ حاتم بن احمد

بن محمود نے امام مسلم کے حوالہ سے جو روایت کی ہے وہ اس سے زیادہ تفصیلی ہے، فرماتے ہیں "امام بخاری نیشاپور گئے، تو ان کا استقبال اس قدر شاندار ہوا کہ ایسا استقبال نہ میں کسی گورنر کا دیکھا اور نہ کسی اور حاکم کا۔ اہل نیشاپور شہر سے نکل کر دو تین منزل تک گئے امام ذہلی نے اپنی مجلس میں فرمایا "جو شخص امام بخاری کے استقبال کا ارادہ رکھتا ہو اس کو ضرور جانا چاہیے، اور میں خود بھی ان کے استقبال کے لیے جاؤں گا۔ چنانچہ نیشاپور میں چھوٹا بڑا کوئی عالم ایسا نہیں تھا جو امام بخاری کے استقبال میں شریک نہ ہوا ہو۔ ان لوگوں کے علاوہ امام بخاری کے مشافعان زیارت کا استہجوم تھا کہ مکاؤں کی دیواریں امد چھتیں آدمیوں سے پٹی پڑی تھیں۔ آپ نے یہاں آکر "دارالغنائین" میں قیام فرمایا۔ امام ذہلی نے لوگوں کو امام بخاری کے استقبال میں شرکت کی دعوت دینے اور اُس میں خود شریک ہونے کے باوجود اپنے تلامذہ کو اس بات کی تاکید کر دی تھی کہ وہ امام ہمام کو کسی مسئلہ میں استفسار نہ کریں کیونکہ اگر انہوں نے اُس کا جواب ان کے مسلک کے خلاف دیا تو فرق باطلہ کو شہادت کا ہر نام ملتا تھا۔ لیکن لوگ کب باز آنے والے تھے۔ امام بخاری نے دوسرے دن درس شروع کیا تو وہیں ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا حضرت الفاظ قرآن کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا، ہاں تمام افعال مخلوق (عادت) ہیں اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال ہی ہیں، امام کا یہ فرمانا تھا کہ مجلس میں سخت اضطراب اور شور وغل پیدا ہو گیا۔ کسی نے کچھ کہا، اور کسی نے کچھ، نوبت بانجا رسید کہ گھروالوں کو مجبور ہو کر ان غل مچانے والوں کو گھر سے باہر نکالنا پڑا۔"

ہماری رائے میں وجہ مخالفت اس قدر ہی ہے جس کو دشمنوں نے رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے۔ امام ذہبی الفاظ قرآن مجید کو غیر مخلوق مانتے تھے۔ اس لیے انہوں نے امام بخاری کی نسبت جب یہ سنا کہ وہ نہیں مخلوق بتاتے ہیں تو انہوں نے اپنی مجلس میں اس کی تردید کی۔ ورنہ نہ امام ذہبی کو امام بخاری کی عام ہرولعزیزی اور مقبولیت پر رشک و حسد تھا۔ اور نہ امام بخاری اپنی کسی ذاتی غرض اور خود نمائی کی بنا پر امام ذہبی سے روگردانی کرتے تھے، ان سے جب لوگوں نے عرض کی کہ آپ امام ذہبی کے مسلک کے خلاف یہاں کسی بات کا چرچا نہ کریں وہ یہاں کے مسلم امام ہیں، تو انہوں نے بالکل صفائی کے ساتھ فرمایا "میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ اپنے بندوں کو اچھی طرح دیکھتا ہے۔ اے خدا! تو جانتا ہے کہ میں نے بیشاپور میں کسی اکڑ، خود نمائی، یا کسی ذاتی وجاہت کے حاصل کرنے کے لیے قیام نہیں کیا، اور اب میرا نفس مجھ کو اس سے منع کرتا ہے کہ میں مخالفین کی کثرت سے ڈر کر اپنے وطن کو واپس چلا جاؤں۔"

علاوہ ازیں مزید تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مخالفت میں چند شریر نفس لوگوں کی دخل اندازی کو زیادہ دخل تھا۔ جنہوں نے خواہ مخواہ امام بخاری کی نسبت ایک غلط خبر سنو کر دی۔ ورنہ حق یہ ہے کہ امام بخاری قرآن مجید کے مخلوق ہونے کے قائل نہیں تھے۔ محمد بن نصر المروزی اور ابو عمرو نے ان سے اس مسئلہ کی نسبت استفسار کیا تو انہوں نے پوری وضاحت کے ساتھ فرمایا "میں نے قرآن مجید کو مخلوق نہیں کہا ہے اور جو شخص میری طرف اس قسم کا قول منسوب کرتا ہے وہ کذاب ہے۔"

شرم دیا | امام ذہبی جس طرح ایک حلیل القدر محدث وقت تھے، طبعاً نہایت شرمیلے اور باجیا بھی تھے۔ وفات کے بعد جب اُن کو غسل دیا جا رہا تھا، اُن کی خادمہ قریب ہی کھڑی ہوئی تھی، کہنے لگی ”میں نے ابو عبد اللہ کی خدمت تیس برس تک کی، اور اُن کے غسل و وضو کے لیے میں ہی پانی رکھتی تھی لیکن میں نے اُن کی ملوکہ ہونے کے باوجود کبھی ایک مرتبہ بھی ان کی پنڈلی نہیں دیکھی۔“

وفات | ان کی تاریخ وفات میں شدید اختلاف ہے، علامہ بغدادی نے کئی روایتیں نقل کی ہیں، لیکن حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ اُن کی وفات ماہ ربیع الاول ۵۸۸ھ میں ہوئی ہے۔ اور یحییٰ عقیب اتفاق ہے کہ اسی سال کئی نامور محدثین احمد بن سيار القطان، احمد بن حنبل بن عبد اللہ السلمی، حمید بن الربیع الخزاز الکوفی اور شیخ صوفیہ یحییٰ بن معاذ نے وفات پائی۔

ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ اللیثی

نام و نسب | یحییٰ نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام بھی یحییٰ تھا۔ بربروں کے ایک قبیلہ مسمودہ سے تعلق رکھتے تھے۔ بنو لیث کے غلام تھے اس بنا پر اُن کی طرف منسوب ہو کر لیثی کہلاتے ہیں۔ ان کے دادا ابو یحییٰ اندلس میں آکر قرطبہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے یحییٰ یہیں پیدا ہوئے اور یحییٰ بن مضر القیس اندلسی سے احادیث کا سماع کیا۔ اس کے بعد ابھی اٹھارہ برس

کے ہی تھے کہ طلب علم میں مشرق کی طرف چلے گئے اور وہاں کتاب الاعتکاف کے چند ابواب کے ساتھ موطا امام مالک، خود امام مالک سے منہ، مکہ میں انہوں نے حضرت سفیان بن عیینہ سے، مصر میں لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب، اور عبدالرحمن بن القاسم سے درس حدیث کیا۔ ان بزرگوں کے علاوہ ان کے ساتھ کی فہرست میں حسب ذیل حضرات بھی داخل ہیں:-

یحییٰ بن مضر، ابن القاسم، القاسم بن عبداللہ العمری، ابو ضمہ،

تلامذہ ان سے جن لوگوں نے روایت کی ان میں خود ان کے فرزند عبید اللہ، یحییٰ بن خالد، محمد بن واصل، محمد بن العباس، صلیح بن عبدالرحمن العقیقی وغیرہم داخل ہیں۔

علم کا شوق | وہ علم حاصل کرنے کے لئے جسے جس کی طرف وہ خواہ کتنی ہی دھچپ ہو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ امام مالک نے ان کا لقب "عاقل اہل اندلس" رکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ امام مالک حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے کہا "اے احمق! جتنے لوگ اس وقت درس میں شریک تھے سب احمق دیکھنے چلے گئے، لیکن تجھی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ امام مالک نے پوچھا "اندلس میں تو احمق ہوتا نہیں ہے، پھر تم احمق دیکھنے کیوں نہیں گئے؟" حضرت یحییٰ بولے "حضرت! میں یہاں آپ کا فیض صحبت اٹھانے اور آپ کے علم اور اسوہ سے کچھ حاصل کرنے آیا ہوں، اس لیے نہیں آیا کہ احمقوں کو دیکھتا پھروں" امام مالک کو ان کا یہ جواب پسند آیا، اور اس دن سے آپ نے ان کو "عاقل"

اہل اندلس کننا شروع کر دیا۔ حضرت یحییٰ کو امام مالک کے ساتھ بڑی خصوصیت تھی، ان کے موطا کا اندلس میں چرچا انہی کی وجہ سے ہوا۔

فتم | انہوں نے فقہ کی تحصیل بھی امام مالک سے اور دوسرے علماء مدینہ سے کی تھی۔ ابن العواد مہتمل لکھتے ہیں "اندلس میں امام مالک کے فقہ کی اشاعت حضرت یحییٰ کی بدولت ہی ہوئی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "وكان فقيها حسن الراي"۔

توی | وہ فتویٰ بھی دیتے تھے، اور اس معاملہ میں وہ اندلس کے سب سے بڑے امام سمجھے جاتے تھے۔ ابن خلکان لکھتے ہیں "یحییٰ بن یحییٰ اندلس واپس آئے تو یہاں علم کی ریاست انہی پر ختم تھی۔ انہی کی وجہ سے اس ملک میں "مالکی" مسلک کی اشاعت ہوئی۔ اور ان سے اتنی کثیر جماعت نے فقہ حاصل کیا کہ ان کا شمار بھی نہیں ہو سکتا" ابن عبد البر کا بیان ہے کہ "یہی بن دینار کے بعد اندلس کے سب سے بڑے مفتی یحییٰ بن یحییٰ ہی تھے۔ یہاں کے عوام اور خواص آپ کی ہی رائے کی طرف رجوع کرتے تھے"۔

ان کے فقہ کا ایک بچپنا فقہ | ان کو اپنے فقہ سے جو بات حق معلوم ہوتی تھی اس کے اظہار میں رعب و ہیبت سلطانی بھی مانع نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ اندلس کا حاکم امیر عبدالرحمن بن محمد الاموی باو

رمضان میں اپنی ایک محبوب لونڈی سے جماعت کر بیٹھا تھا۔ اس وقت تو بحالت اضطراب اس سے یہ حرکت سرزد ہو گئی لیکن بعد میں اس کو اپنے فعل پر بہت ندامت ہوئی، فتویٰ طلب کرنے کے لیے فقہاء شہر کو جمع کیا۔ ان میں حضرت یحییٰ بن یحییٰ بھی شامل تھے۔ ان سے کفارہ کی

نسبت پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، امیر کو پے بہ پے دو مہینوں کے روزے رکھنے چاہئیں
حضرت یحییٰ کی جلالتِ شانِ مسلم تھی۔ اُن کے اس فتویٰ کو سن کر دوسرے فقہاء خاموش ہو گئے
لیکن امیر کے پاس سے چلے آنے کے بعد انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ امام مالک تو
اس نفع کے مسائل میں خیار کے قائل ہیں۔ یعنی وہ یہ فرماتے ہیں کہ کفارہِ صوم میں روزہ دار
کو اختیار ہے، کوئی غلام آزاد کرے، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا دو ماہ کے مسلسل روزے
رکھے۔ پھر آپ نے اس سے انحراف کر کے صرف دو ماہ کے روزوں پر ہی کیوں اصرار کیا؟
آپ نے جواب دیا ”اگر ہم نے امیر کے لیے یہ دروازہ کھول دیا تو اُس کے لیے بہت آسان
ہو گا کہ روزِ جماعت کرے اور کفارہ میں کوئی غلام آزاد کر دے۔ یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا
دے۔ اس بنا پر میں نے صرف ایسی چیز بتائی ہے جو امیر کے لیے بہت مشکل ہے، تاکہ وہ
ایک مرتبہ ایسی حرکت کرنے کے بعد دوسری مرتبہ ایسا کرنے کی جسارت نہ کرے۔“

جامیت | حضرت یحییٰ کی ذات مختلف علمی، علی، اخلاقی، اور روحانی و نفسانی کمالات کا مجموعہ
تھی۔ ابنِ عساکر کہتے ہیں کہ ”وہ کثیر العلم، عظیم المرتبت، اور نہایت ہی محترم و موقر امام تھے
اُن کی عقل کامل تھی، ہنس بہت نیک اور اچھا تھا، فضل وافر رکھتے تھے۔ عبادت بہت کرتے
تھے۔“ احمد بن خالد کا بیان ہے ”جب سے اندلس میں اسلام داخل ہوا ہے۔ یہاں کے علماء
میں سے کسی کو وہ جاہ و جلال، عظمت و برتری نصیب نہیں ہوئی جو حضرت یحییٰ بن یحییٰ کو حاصل
ہوئی، وہ اپنی وضعِ قطع اور شہرت و بر خاست کے طور طریق میں بالکل امام مالک معلوم ہوتے

تھے۔ ابوالوید بن الفرغنی کہتے ہیں ”حضرت یحییٰ امام وقت اور اپنے ملک کے تنہا امام تھے پڑ
جلالتِ شان | ان گوناگوں کمالات کے باعث وہ جس طرح پبلک میں انتہائی عزت و احترام سے
دیکھے جاتے تھے، اسی طرح شاہی دربار میں بھی اُن کی بڑی توقیر کی جاتی تھی۔ سلطنت کی
جانب سے اُن کو عہدہ قضا پیش کیا گیا۔ لیکن اُنہوں نے اس کو منظور نہیں کیا۔ اس انکار
سے اُن کی وقعت و عزت دو چند ہو گئی۔ اور وہ سلطان کی نگاہ میں اس درجہ موثر ہو گئے کہ
اُن کے مشورہ کے بغیر ملک کا کوئی اہم معاملہ سرانجام نہیں پاتا تھا۔ یہاں تک کہ گورنروں کے
عزل و نصب میں بھی انہی کی رائے کو مقدم رکھا جاتا تھا۔ اسی بنا پر علامہ ابن حزم اندلسی پر
فرماتے ہیں کہ جس طرح امام ابوحنیفہ کے فقہ کی اشاعت حضرت قاضی ابو یوسف کے جیسے
جسٹس ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ کیونکہ اس بلند عہدہ اور مخصوص علی وقار کی وجہ سے اُن کو
خلافت عباسی کے دربار میں اتنا رسوخ حاصل تھا کہ اقصیٰ مشرق سے لے کر اقصیٰ افریقہ
تک صرف وہی لوگ گورنری ایسے بڑے مناصب پر مرفراز کیے جاتے تھے جو فقہی مسائل
میں قاضی ابو یوسف کے ہم خیال وہم رائے ہوتے تھے۔ اسی طرح بلاواندلس میں مالکی فقہ
کی اشاعت حضرت یحییٰ بن یحییٰ کے ذاتی اثر و رسوخ کی وجہ سے ہوئی۔ سلطان حکام کے
عزل و نصب میں انہی سے مشورہ کرتا تھا۔ اور وہ عہدوں کی تقرری کے لیے انہی علماء کو ترجیح
دیتے تھے جو امام مالک کے مسلک کے پابند ہوتے تھے۔ لیکن حضرت یحییٰ امام مالک کے
مقلد محض نہ تھے، بلکہ اُن کے مسائل میں آزادانہ رائے رکھتے تھے۔ چنانچہ کئی مسلوں میں اُنہوں

نے امام سے خلافت بھی کیا ہے
 تقویٰ و طہارت | اعلیٰ اعتبار سے وہ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ یہاں تک کہ ابن بشکوال کہتے
 ہیں کہ وہ مستجاب الدعوات تھے۔

وفات | ماہ رجب ۲۳۴ھ یا ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔

محمد بن عمر الواقدی

نام و نسب | محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت۔ ان کے دادا کا نام واقد تھا، انہی کی نسبت سے واقدی کہلاتے
 ہیں۔ بنو ہاشم، اور بعض کے نزدیک بنو سہم بن اسلم کے غلام تھے۔
 ولادت | ۱۳۸ھ میں غالباً مدینہ میں پیدا ہوئے۔

علم و تحقیق کا شوق | واقدی کی زیادہ تر شہرت ایک عالم مفاضی و سیر کی حیثیت سے ہے، انہیں واقفانہ
 غزوات کی تحقیق کا شوق اس درجہ تھا کہ مقامات غزوہ کا مشاہدہ خود وہاں جا کر کرتے تھے خود
 اُن کا بیان ہے کہ میں صحابہ کرام کی اولاد اور اُن کے موالی میں سے جس کسی سے ملتا اُس سے
 دریافت کرتا تھا کیا آپ نے فلاں واقعہ کی نسبت اپنے بزرگ سے کچھ سنا ہے کہ وہ کہاں
 پیش آیا۔ اور وہ کہاں قتل کیے گئے؟ جواب اثبات میں ملتا تو پھر میں خود اُس جگہ جا کر اپنی آنکھوں
 سے اُس کا مشاہدہ کرتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں میں مریض ہو گیا، اور اُس کو خوب اچھی طرح دیکھا۔

ہارون القردی نے ایک مرتبہ انہیں اس حالت میں دیکھا کہ پانی کا چھوٹا سا مشکیزہ ساتھ لیے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا ”آپ کہاں جا رہے ہیں“ بولے ”میں حنین جا رہا ہوں تاکہ غزوہ حنین کے مقام وقوع کا کچشم خود مائتہ کروں۔“

ان کا ذوق حبس و اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ جو بات معلوم نہیں ہوتی تھی اُسے بے تکلف اربابِ خبر سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ وہ اس وصفِ خاص میں اپنے ہم عصروں سے ممتاز تھے۔ ایک مرتبہ ابراہیم احرری سے پوچھا گیا کہ امام مالک کے مسائل کس سے معلوم کیے جائیں؟ تو انہوں نے علامہ واقدی ہی کا نام لیا، اور کہا: ”آج دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے جو یوں کہو کہ میں نے امام مالک، سفیان ثوری، ابن ابی ذئب، اور یعقوب وغیرہم سے سوال کیا البتہ ہاں واقدی اس سے مستثنیٰ ہیں۔“

علم و فضل | اُن کی اس جستجو اور تحقیق و تلاش کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علم و فضل کے اعتبار سے دور دور مشہور ہو گئے۔ علامہ بغدادی لکھتے ہیں ”واقدی اُن لوگوں میں سے تھے جن کے آواز و شہرت سے مشرق و مغرب مہمور تھے۔ اخبار و روایات کا علم رکھنے والوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اُن سے واقف نہ ہو۔ اُن کی کتابیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک اور اُس کے بعد کے سوانح و واقعات درج ہیں۔ اور اُن میں فقہ کے مسائل اور حدیث کے اختلافات بھی ہیں۔“ ابن العساکر نے انہیں علم کا ظرف بتاتے ہیں۔

۱۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۲ ص ۶ ۲۔ ایضاً ص ۷ ۳۔ ایضاً ص ۱

۴۔ شذرات اللہ ج ۲ ص ۱۸۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ وہ امام عالم اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے **والبہ علامہ ابن سعد** فرماتے ہیں **”واقدی مغازی، سیرت، فتوحات، احکام اور حدیثوں میں علماء کے اختلافات اور اُن کے متفقہ مسائل ان سب کے عالم تھے۔“** اُن کے علم و فضل کی دلیل یہی کیا کم ہو کہ محمد بن سعد صاحب طبقات ایسا علامہ یگانہ اُن کا کاتب اور تلمیذ تھا۔ البتہ انہیں عمدہ جاہلیت (عرب قبل اسلام) سے واقفیت بالکل نہیں تھی۔ حدیث میں درخور وافر رکھتے تھے۔ اور اپنے زمانہ کے اکابر محدثین سے حدیث کا سماع کیا تھا بعض لوگوں نے ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا ہے لیکن اس پر تفصیلی گفتگو آگے چل کر ہوگی۔

تصنیفات | جو کچھ منٹے تھے لکھتے جاتے تھے جس سے اُن کے پاس کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا کہ بیان کیا جاتا ہے جب وہ بغداد کی جانب شرقی سے جانب غربی کی طرف منتقل ہوئے تو اُن کی کتابوں کے ایک سو بیس ہنڈل باندھے گئے۔ ابو حذافہ کی روایت ہے کہ ان کے پاس کتابوں کی چھ سو ماریاں تھیں معلوم ہوتا ہے واقدی کو اپنے حافظہ پر بڑا ناز تھا۔ وہ کہا کرتے تھے ”دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کی کتابیں اُس کے محفوظات سے زیادہ نہ ہوں۔ لیکن میرا حال اس کے برعکس ہے۔“ اُن کی تصنیفات سیرۂ معنزی تو مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے ایک کتاب اُن بضعب السؤل کے حالات میں لکھی تھی جو عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو کر نعمتِ ایمان و سعادت سے محروم ہو گئے تھے۔ اس کتاب میں ان لوگوں اور صحابہ کرام کی

جنگ کا تفصیلی تذکرہ بھی کیا ہے۔ اس کتاب کا نام کتاب الرِّدۃ تھا۔

تضا اور دبا بر خلافت اعلیٰ شہرت و کمال کے باعث خراسان سے اپنی ماپسی پر مامون نے اُن کو کیستہ رافرائی

بغداد کے مشرقی حصہ کا ناضی بنادیا تھا، اور یوں بھی مامون اُن کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اُنہوں نے مامون کے پاس ایک عریضہ لکھا جس میں اپنی مالی پریشانیوں کا ذکر کیا تھا، اور لکھا تھا کہ مقروض ہو گیا ہوں، آپ مجھے اتنی رقم بھیج دیجیے۔ مامون نے جواب میں لکھا کہ ”آپ میں دو خصلتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک سخاوت، اور دوسری حیا، آپ کی سخاوت کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا اسب خرچ کر بیٹھے۔ اب رہی حیا، اس کا ثمر یہ ہے کہ آپ نے اپنی کل رقم قرض کا ذکر نہیں کیا بلکہ اُس کا صرف ایک حصہ بتایا ہے اس بنا پر میں نے حکم دیدیا کہ آپ کی معینہ مطلوبہ رقم سے دو چہرہ رقم آپ کو دے دی جائے۔ اب معلوم نہیں یہ رقم بھی آپ کے ادارہ قرض کے لیے کافی ہوگی یا نہیں؛ اگر کافی نہیں ہے تو اس کی ذمہ داری خود آپ پر عائد ہوتی ہے، اور اگر قرض کے ادا کرنے کے بعد بھی یہ مسئلہ رقم کچھ ہے، تو آپ حسب عادت اس کو فراخ دلی سے خرچ کیجیے، کیونکہ اللہ کے خزانے کھلے ہوئے ہیں اور اُس کے فیضانِ کرم کے لیے کوئی مانع نہیں ہے۔“

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ مامون نے اپنے اس خط کے اخیر میں لکھا ہے ”اور ہاں! ایک مرتبہ آپ ہی نے تو یہ روایت فعل کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر سے فرمایا اے زبیر! رزق کی کنجیاں عرش کے سامنے لٹکی ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اخراجات کے مطابق اُن کے رزق اتارتا رہتا ہے، جس کا خرچ زیادہ

ہوتا ہے لے زیادہ اور جس کا خرچ کم ہوتا ہے لے کم ملتا ہے" واقدی نے یہ روایت پڑھ کر کہا
 لکھیں اس کو بھول گیا تھا۔ اب مامون کے یاد دلانے سے یاد آئی ہے تو مجھ کو اس کی اس
 درجہ مسرت ہوئی کہ اُس کے عطیہ سے بھی نہیں ہوئی تھی

دربار خلافت کے علاوہ یحییٰ بن خالد البرکلی بھی واقدی کی بہت تعظیم و توقیر کرتا، اور
 اُن کی خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھتا تھا۔ خود اُن کا بیان ہے "ایک مرتبہ عیدِ قریب آگئی
 اور میرے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ میں اپنے بچوں کے لیے کپڑوں کا انتظام کر سکوں۔ کوئی اور
 تدبیر سمجھ میں نہیں آئی تو اپنے ایک تجارت پیشہ دوست کے پاس آیا اور اپنی ضرورت
 ظاہر کر کے اُس سے کچھ روپیہ قرض طلب کیا اُس نے کئی سرسبز تھیلیاں میرے سامنے
 لا کر رکھ دیں جن میں ایک لاکھ دوسو درہم تھے۔ میں انہیں لے کر گھر چلا آیا، لیکن ابھی
 یہاں لے ہوئے کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ میرا ایک ہاشمی دوست آیا، اور میری طبع
 اُس نے اپنی پریشانی اور ضرورت کا اظہار کر کے مجھ سے کچھ روپیہ بطور قرض طلب کیا۔ میں
 نے گھر میں آکر اپنی بیوی سے متورہ کیا کہنے لگیں "تو پھر تم نے کیا سوچا ہے؟" میں نے جواب
 دیا "میں تو یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ ہم دونوں اُس رقم کو آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیں
 میری بیوی بولیں "سبحان اللہ! آپ نے کیا سوچا ہے؟ ذرا یہ تو سوچئے کہ آپ ایک معمولی
 سے آدمی کے پاس گئے اور اُس نے آپ کی ضرورت کا حال معلوم کر کے فوراً ایک لاکھ روپیہ
 درہم کی تھیلی آپ کی خدمت میں پیش کر دی، لیکن یہاں آپ کے پاس ایک ایسا دوست

ابن خلکان ص ۶۰۶ علامہ بغدادی نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون کا عطیہ ایک لاکھ درہم تھا

آتا ہے جو ہاشمی ہونے کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ نسبت رکھتا ہے۔ آپ اُس کو نصف پرہی ماننا چاہتے ہیں، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ آپ کل قسم ہی اُس کے حوالہ کر دیجیے۔ میں نے بیوی کے مشورہ کے مطابق ایسا ہی کیا کہ جو کچھ فرض لایا تھا، سب کا سب ہاشمی دوست کے مذکر کر دیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ میرے تاجر دوست کو بھی فرض کی ضرورت پیش آگئی۔ کیونکہ اُس کے پاس جو کچھ تھا وہ مجھے دیکھا تھا، تو وہ میرے دوست ہاشمی کے ہی پاس آیا جو خود اُس کا بھی دوست تھا۔ ہاشمی نے اُس کی پریشانی کا حال سُن کر وہ سر بھر تھیلیاں جو اُس کی توں اُس کے حوالہ کر دیں۔ اب اُس نے تھیلیوں پر اپنی ہمدردی تو اُس کی جبرت کی کوئی اتہان نہ رہا فوراً میرے (واقعی) پاس آیا۔ میں نے اُسے سارا فقہ از اول تا آخر سنا دیا، اب رٹے یہ قرار پائی کہ چونکہ ہم تینوں حاجتمند ہیں اور ہمارے پاس ان تھیلیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے اس لیے ہم کو چاہیے کہ انہیں ہی آپس میں تقسیم کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی کر لیا گیا۔ شدہ شدہ اس واقعہ کی خبر بھی بن خالد برکی کو پہنچ گئی۔ اُس نے اپنا قاصد بھیج کر مجھ کو طلب کیا میں نے حاضر ہو کر جو واقعہ پیش آیا تھا تمام و کمال سنا دیا تو اُس نے اپنے خادم سے کہا ”میاں! ذرا وہ تھیلی اٹھا لانا“ خادم نے فوراً حکم کی تعمیل کی، اُسے کھولا گیا تو معلوم ہوا اُس میں دس ہزار دینار تھے۔ جن کو کھجلی نے اس طرح تقسیم کر دیا کہ دو دو ہزار دینار ہم تینوں دوستوں کو، اب بچے چار ہزار سب کے سب اُس نے میری بیوی کو یہ کہہ کر بطور عطیہ دے دیے کہ یہ نیک دل خاتون تم سب سے زیادہ کریمۃ النفس ہے۔

علامہ مسعودی نے بھی مروج الذهب میں اس واقعہ کا اسی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر فرق اتنا ہے کہ علامہ بغدادی یحییٰ بن خالد کا نام لیتے ہیں، اور مسعودی اس کو مامون کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بہر حال ان دونوں میں سے کوئی ہو، اسلامی تعلیم نے سوسائٹی میں جو اخلاق قائم پیدا کر دیے تھے اس واقعہ سے ان کی ایک جھلک ضرور نظر آ جاتی ہے۔ اور یہ معلوم کرنا دشوار نہیں رہتا کہ اسلام کے ابرکرم و فیض نے مرد، عورت، امیر، غریب، غلام اور آزاد غرض کہ انسانی جماعت کے ہر طبقہ اور ہر گروہ کو کس درجہ بلند اخلاق اور مثال سے آراستہ و پیراستہ بنا دیا تھا، کیا دنیا کی کوئی قوم اپنی تاریخ میں انسانی جماعتوں کے اجتماعی تہذیب و تربیت اخلاق کی زیادہ نہیں ایسی دو چار روشن نظائر بھی دکھا سکتی ہے؟

آئندہ مذہب معاش | علم و فضل میں یگانہ روزگار ہونے کے باوجود علامہ واقدی کی غیر تنفس نے کبھی یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ اپنے علم کو ذریعہ معاش بنا کر امراء و رؤساء کے عطیوں پر گزر بسر کریں، بلکہ وہ اپنی معاش اپنی قوت بازو سے پیدا کرتے تھے۔ وہ مدینہ میں لوگوں سے مضاربت کر کے گھوٹ بچھتے تھے یعنی سرمایہ دوسروں کا ہوتا تھا، اور کام خود کرتے تھے، اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ ان کے پاس ایک لاکھ درہم تھے۔ سو اتفاق سے وہ کہیں تلف ہو گئے۔ روپیہ والوں نے ان کو پریشان کیا، یہ بالکل خالی ہاتھ تھے، قرض کا معاملہ، جب سخت تنگ آ گئے تو مجبوراً یحییٰ بن خالد برکی سے ملنے بغداد آئے یحییٰ کے مکان پر پہنچ کر دہلیز میں ہی بیٹھ گئے یحییٰ کے نوکروں اور دربانوں نے کہا کہ آپ ذرا توقف کیجیے، کھانے کا وقت آجائے تو آپ ملاقات کر سکیں گے۔ کیونکہ یحییٰ کی

یہ عادت ہے کہ جو کوئی اُن سے ملنے آتا ہے اُس سے وہ دسترخوان پر ملاقات کرتے اور اپنے ساتھ اُسے بھی شریک طعام کرتے ہیں، صرف کھانے کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ اُس وقت کسی شخص کے لیے روک ٹوک نہیں ہوتی، علامہ واقدی بیان کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔ یحییٰ کے کھانے کا وقت آیا، تو ایک طویل دسترخوان بچھایا گیا اور دربانوں نے غصہ کو بھی دیں لیجا کر کھانا دیا۔ اثنائِ طعام میں یحییٰ کے استفسار پر میں نے اپنا قارف کرایا۔ کھانے سے فراغت اور اتھار منہ دھو لینے کے بعد میں آگے بڑھا اور (عربی تہذیب و تمدن کے مطابق) میں نے چائے آکر یحییٰ کے سر کو بوسہ دوں، لیکن یحییٰ نے اپنا سر ہٹا لیا اور مجھے اس کا موقع نہیں دیا۔ پھر میں رخصت ہو کر مکان کے باہر چوتروں تک پہنچا تھا، اور سوار ہو کر واپس جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ ایک خادم ایک ہزار دینار کی تھیلی لیے ہوئے آیا، اور مجھے دے کر کہنے لگا: "وزیرِ مآب کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آج ان کو اپنی ضرورتوں میں خرچ کیجیے اور کل پھر تشریف لائیے" حسبِ طلب میں دوسرے دن پہنچا تو یہی واقعہ پیش آیا۔ میں نے یحییٰ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اور جب چلنے لگا تو ایک خادم نے ایک ہزار دینار کی تھیلی لا کر دی اور وہی پیغام سنایا کہ وزیرِ مآب آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کل پھر تشریف لائیگا" میں نے اس پیغام کے مطابق ایسا ہی کیا تو پھر وہی صورت حال پیش آئی، یعنی میں نے گزشتہ دو دنوں کی طرح یحییٰ کے ساتھ ہر طعامی کی، اور روانگی کے وقت وہی ایک ہزار دینار کی تھیلی پیش کی گئی اور دوسرے روز آنے کی وہی دعوت بھی دی، چوتھو دن پھر یہی واقعہ پیش آیا لیکن اس دفعہ ایک نئی بات یہ ہوئی کہ میں یحییٰ کے بوسہ سر کے لیے آگے بڑھا تو انہوں نے حسبِ سابق ہزات

نہیں کی، اور مجھ کو بوسہ سے منع نہیں کیا۔ پھر اس کے بعد خود ہی فرمایا ”میں نے اس سے قبل آپ کو اپنے سر کا بوسہ نہیں لینے دیا۔ لیکن آج میں نے اس سے منع نہیں کیا۔ آپ کو اس پر تعجب ہو گا۔“ سُننے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے آج سے قبل تک آپ کے ساتھ کوئی ایسا احسان نہیں کیا تھا جس کے باعث آپ میرے سر کا بوسہ لے کر مجھے ممنون کرم کرتے۔ البتہ ہاں آج آپ کو میری طرف سے کچھ نفع پہنچ چکا ہے، تو اب آپ کا حق ہے کہ میرے ساتھ تعظیم و تکریم کا معاملہ کریں۔ یہ کہہ کر اپنے ملازم سے خطاب کیا اور کہا ”اے میاں! دیکھنا ان کو دو لاکھ درہم کی ایک تھیلی دیدو۔ پھر روئے سخن میری جانب کر کے فرمایا ”آپ ان میں سے ایک لاکھ درہم اپنے قرض میں دیدیتجھے، اور بقیہ ایک لاکھ اپنی ضرورتوں پر خرچ کر لیجئے۔ اس کے بعد مجھ سے باصرار کہا کہ اب آپ یہیں میرے پاس میرے مکان میں قیام فرمائیے۔ میں نے عرض کی ”اگر آپ بالفعل مجھ کو مدینہ واپس جانے کی اجازت دیدیں تو بہتر ہو۔ میں وہاں جا کر جن لوگوں کا رویہ میرے ذمہ واجب الادا ہے اُسے ادا کر دوں۔ پھر ایسا ہی ہر تو آپ کے پاس واپس چلا آؤں گا۔“ یحییٰ نے میری یہ درخواست منظور کر لی۔ اور حکم دیا کہ میرے لیے سفر مدینہ کا انتظام مکمل کر دیا جائے، چنانچہ میں مدینہ پہنچا۔ وہاں کے قرضخواہوں کا رویہ اُن کو ادا کیا، اور پھر حسب وعدہ بند اذ میں واپس آکر یحییٰ بن خالد کے زیر سایہ عاطفت زندگی بسر کرنے لگا۔

جود خدا اور کشادہ دلی | علامہ واقفی جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ احباب سے ثابت ہوتا ہے، نہایت

فراغ دل اور کشادہ دست تھے۔ وہ روپیہ کو تکمیل حاجات و ضروریات زندگی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔
 بخیلوں اور زر پرست لوگوں کی طرح اُسے جوڑ جوڑ کر رکھنا اور اصل مقصد ہالینا اُن کے نزدیک
 نہایت میوہ و مذموم تھا، علامہ بغدادی لکھتے ہیں: دکانِ جواد اگر بیٹا مشہور بااِسْماء خود
 مامون بھی اُن کی اس خصلت کا اعتراف کرتا تھا۔ اُن کے اپنے بیان کے مطابق انیس سلطان
 کی طرف سے چھ لاکھ درہم ملے، مگر کبھی اُن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔ انتہا یہ ہے کہ اُن کا انتقال
 ہوا تو بے سر دسامانی کا یہ عالم تھا کہ گفن تک کا انتظام کرنے کے لیے گھر میں روپیہ نہیں تھا مامون
 کو خبر ہوئی تو اُس نے گفن بھجوا دیا، اور طرفہ یہ ہے کہ انہوں نے عمدۂ قضا کی خدمات انجام دینے
 کے زمانہ میں وفات پائی تھی۔

واقعی پر جرح | یہ عجیب بات ہے کہ علامہ واقفی ایک طرف تاریخ و مغازی کے مسئلہ عالم
 تسلیم کیے جاتے ہیں، لیکن دوسری جانب علماء حدیث نے اُن پر نہایت سخت جرح کی
 ہے۔ امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، امام شافعی، اور امام نسائی ان سب میں پیش پیش ہیں
 انہوں نے ان کو صرف ضعیف کہنے پر ہی بس نہیں کی۔ بلکہ انہیں متروک الحدیث، کذاب
 لیس بشی، اور در ضلع ایسے الفاظ جو عموماً روادۃ کی جرح میں استعمال ہوئے ہیں، سب ہی کچھ
 کہہ دیے گئے ہیں۔ ان حضرات کے برخلاف بعض علماء حدیث ایسے بھی ہیں جنہوں نے اُن
 کی ثقاہت کو تسلیم کیا ہے۔ ابراہیم بن جابر الفقیہ کا بیان ہے کہ میں نے صفحانی سے سنا ہے
 فرماتے تھے۔ اگر واقفی ثقہ نہ ہوتے تو میں اُن سے کس طرح روایت کرتا؟ مصعب الزبیری

کہتے ہیں ”وہ ثقہ اور مامون ہیں“ ابن نمیر سے اُن کی نسبت دریافت کیا گیا تو بولے ”یہاں تو اُن کی احادیث صحیح ہی ہیں۔ رہے اہل مدینہ وہ اُن سے زیادہ واقف ہیں۔ ابو عبیدہؓ بھی اُن کو ثقہ مانتے تھے۔ مجاہد بن موسیٰ سے اُن کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ”مما کتبت عن احب احفظ عنہ“ اور دوسری نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ”واقدی حدیث میں امیر المؤمنین تھے“ ابراہیم الحمری انہیں ”امین الناس علی الاسلام“ بتاتے ہیں۔

جرع و تعدیل پر تبصرہ | اصل یہ ہے کہ علامہ واقدی کی وسعتِ معلومات۔ اور اُن کے علم و فضل میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ البتہ سوال صرف یہ ہے کہ روایات میں وہ قابلِ استناد بھی ہیں یا نہیں؟ اہل علم جانتے ہیں کہ علماء جرع و تعدیل نے روایت و درایت کے جو اصول قائم کیے ہیں وہ اس قدر سخت ہیں کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا عالم و فاضل ہو۔ اگر وہ اُس معیار پر پورا نہیں اُترتا ہے تو علماء حدیث کی نگاہِ نکتہ چین و دقیقہ رس میں اُسے پایۂ اعتبار حاصل نہیں ہو سکتا۔ مشہور محدث اسحاق بن راہویہ نے کسی جگہ فرمایا ہے کہ بعض وہ لوگ جن کو ہم کسی خامی کی وجہ سے ساقطِ الاعتبار قرار دے دیتے ہیں نیکی اور زہد و اتقار کی وجہ سے اُن کی رو میں جنت میں سبز پندوں کی شکل میں اُڑتی پھرتی ہوں گی، اور حق یہ ہے کہ جرع و تعدیل میں علماء حدیث کی سختی، اور تنقیدِ رواۃ میں اُن کی یہ غیر معمولی بیروتی اور دشمنی ہی اس بات کی ضامن ہے کہ جن رواۃ کو ان بزرگوں نے ثقہ، اور جن روایات حدیث کو انہوں نے صحیح و معتبر مانا ہے وہ یقیناً صحیح ہی ہوں گی۔ اس حقیقت کو ہمیں نظر رکھ کر اب اگر علامہ

واقدی کے معاملہ پر نظر کجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تو خود واقدی میں ایسی کمزوریاں پائی جاتی تھیں جن کی وجہ سے وہ اپنے علم و فضل کے باوجود اکابر محدثین کے نزدیک ثقہ راویوں کی صف میں شمار نہیں کیے گئے۔ اور کچھ انفرادی طور پر بعض ائمہ فن کو ان کے متعلق کسی خاص حدیث میں کوئی غلط فہمی ہو گئی اور اس بنا پر وہ ان کی توثیق نہیں کر سکے۔

پہلی شق کی تفصیل یہ ہے کہ راوی کی ثقاہت کے لیے جو شرطیں مقرر ہیں ان میں قوتِ حفظ کو بہت اہمیت حاصل ہے لیکن واقدی کے حالات کے متبع سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اگرچہ اپنے حافظہ پر ناز کرتے تھے لیکن ان کا حافظہ شروع سے کمزور تھا یا عمر کے تقاضے اور عوارض و امراض کی وجہ سے آخر میں کمزور ہو گیا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ علامہ بغدادی نے یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مامون نے واقدی سے کہا کہ آج جمعہ کی نماز آپ پڑھا انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ اے امیر المومنین مجھ کو سورہ جمعہ یاد نہیں ہے۔ مامون نے کہا ”اچھا! سورہ جمعہ میں آپ کو یاد کرا دوں گا۔ چنانچہ مامون نے سورہ نکوٹے کر کے پڑھنی شروع کی، اور واقدی سے کہا کہ آپ بھی پڑھیے۔ اس طرح انہوں نے نصف سورہ حفظ کر لی لیکن اس کے بعد بقیہ نصف سورہ یاد کی تو سورہ کا نصف اول بھول گئے۔ اب نصف اول پھر یاد کیا تو نصف ثانی بھول گئے۔ کئی مرتبہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ آخر کار مامون اکتا گیا، اس پر غصہ ہو گیا، طمانی تھی، سو گیا۔ اب واقدی نے ایک اور شخص جو اس وقت وہاں موجود تھے، اور جن کا نام علی بن صالح تھا ان سے کہا کہ آپ مجھ کو سورہ جمعہ یاد کرا دیجیے۔ انہوں نے سورہ یاد کرائی چاہی تو ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ اتنے میں مامون کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یہ واقعہ

معلوم ہوا تو کہا ”واقدی ایک ایسے شخص ہیں جو تاویل تو یاد رکھتے ہیں لیکن ستریل یاد نہیں رکھتے“

اس کے علاوہ اُن کے ضعفِ حافظہ کی تائید اُس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو اوپر مذکور ہو چکا اور جس میں مامون نے اپنے عطیہ کے ساتھ انہی کی روایت کی ہوئی انہیں ایک حدیث یاد دلائی۔ یاد ہو گا، علامہ واقدی نے اُسے سن کر بڑی مسرت کا اظہار کیا تھا کہ میں تو اسے فراموش ہی کر چکا تھا۔

ضعفِ حافظہ کے علاوہ وہ عام طور پر اپنی روایت کو ایسے راویوں کی طرف منسوب کر دیتے تھے جن سے خود اُن کو سماع حاصل نہیں تھا۔ اصول حدیث کی اصطلاح میں اس کو تملیس کہتے ہیں اور جو شخص ایسا کرتا ہو اُسے محدثین کی نگاہ میں کچھ زیادہ پایہ اعتبار حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ”واقدی تو اسانید گھڑتے ہیں، حضرت یحییٰ بن معین فرماتے تھے ”واقدی کو دیکھو وہ عاتکہ بنت عبد المطلب سے روایت کرتے ہیں اور محزو بن عبد المطلب سے بھی“۔

ان کی ان ذاتی کمزوریوں کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایتوں میں محدثین کو ان کی طرف سے مغلطہ پیدا ہو گیا تھا۔ مثلاً امام احمد بن حنبل کی واقدی کی طرف سے بدگمانی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن ابن کثوم والی مشہور حدیث حجاب اُن کے نزدیک صرف یونس سے مروی تھی اور واقدی اُس کو معمر سے روایت کرتے تھے، امام

احمد کی رائے میں واقعی کا یہ جرم اتنا شدید تھا کہ محض اس کی بنا پر اگر کوئی شخص اُن سے روایت کرنی بھی چاہتا تھا تو وہ اُسے سختی سے منع کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ علی بن المدینی نے ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل پر واقعی سے سماع کرنے کا اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اُنہوں نے بالکل صغنائی کے ساتھ فرمایا: "ایک ایسے شخص سے روایت کرنا کس طرح حلال ہو سکتا ہے جو عمر سے بہمان، مکاتیب ام سلمہ کی حدیث روایت کرتا ہے، حالانکہ اُس میں یونس متفرد ہیں لیکن رادی بیان کرتے ہیں میں علی بن مدینی کی زبان سے امام احمد بن حنبل کا یہ قول سننے کے بعد مصر آیا تو وہاں معلوم ہوا کہ ابن ابی مریم بھی نافع سے اس روایت کو نقل کرتے ہیں میں نے خود ابن ابی مریم کی زبان سے یہ روایت سنی تو میا ختہ ہنسی آگئی۔ ابن ابی مریم نے ہنسی کی وجہ دریافت کی تو میں نے اُن کو پورا واقعہ بتایا، اور کہا کہ یہاں آپ نافع سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں جو یونس سے بھی اعلیٰ ہیں۔ حالانکہ امام احمد بن حنبل کا یہ اذعان تھا کہ یونس کے علاوہ یہ روایت کسی اور سے منقول ہی نہیں ہے۔ ابن ابی مریم بولے "ہمارے شیوخ مصر کو امام زہری کی روایات کی طرف بڑی توجہ دیتے تھے" (یہ حدیث بہمان سے امام زہری نے روایت کی ہے اور اُن کی مرویات میں شامل ہے) رادی اس پورے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد آخین کہتے ہیں

هَذَا مِمَّا ظَلِمَ فِيهِ الْوَاقِدِيُّ اس واقعی میں ظلم کیا گیا ہے۔

ان سب چیزوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ یہ ہونا چاہیے کہ واقعی کی روایتوں کو مطلقاً مردود

لغیہ واقعی تفصیل کے ساتھ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۲ اقتابغی خلیف بغدادی ج ۳ ص ۱۸ میں مذکور ہے۔

نہ قرار دیا جائے۔ البتہ اگر ان کی بیان کردہ روایت کسی ایسی روایت سے معارض ہو جو ان سے زیادہ ثقہ اور معتدراوی کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے، تو اس وقت ان کی روایت ترک کر دینی چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کے سامنے ایک مرتبہ واقعہ کی ایک روایت نقل کی گئی تو انہوں نے اس کو شن کر اپنا سر جھکا لیا اور زبان سے کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔

وفات ۱۱۔ ذی الحجہ ۲۸۷ھ میں وفات پائی

محمد بن سعد الزہری

نام و نسب | محمد نام۔ ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام سعد تھا۔ حسین بن عبداللہ بن عبید اللہ بن عبد العباس بن عبد المطلب کے آزاد کردہ غلام تھے۔
ولادت و دیگر حالات | ۶۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اصل وطن بصرہ تھا، لیکن بغداد میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ انہوں نے مشیم، ولید بن مسلم، ابن عیینہ، ابن علیہ، ابو صمرہ، معن بن عیسیٰ۔ ابو الولید الطیالسی، اور دوسرے کثیر علماء سے روایت کی ہے۔ اور خود ان سے جن حضرات نے روایت کی ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں: احمد بن حنبلہ، ابن ابی الدینا، احمد بن یحییٰ، عمارت بن ابی اسامہ، حسین بن محمد بن اہنم۔

علم فضل | لیکن اُن کو سب سے زیادہ خصوصیتِ واقفیت سے رہی ہے، وہ اُن کے کاتب تھے، اور اس سلسلہ میں انہوں نے عرصہ تک اُن کی مصاحبت کی۔ عجیب بات یہ ہے کہ شاگرد ہونے کے باوجود علامہ ابن سعد استناد و اعتماد کے لحاظ سے اپنے استاد سے کہیں زیادہ فائق و برتر ہیں علامہ خلیب بغدادی لکھتے ہیں ”وہ اربابِ علم و فضل، اور اصحابِ فہم و عدالت میں سے تھے انہوں نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کے طبقات میں ایک بڑی کتاب لکھی ہے، اور حق یہ ہے کہ خوب اور بہت خوب لکھی ہے، پھر ایک اور موقع پر فرماتے ہیں ”محمد بن سعد ہلکے نزدیک اہل عدالت میں سے تھے۔ اُن کی بیان کردہ حدیثیں اُن کی سچائی کی دلیل ہیں، کیونکہ وہ اُن میں بہت چھان بین سے کام لیتے ہیں۔“ ابن عساکر نے بھی انہیں ”الامام المجتہد“ اور ابن خلکان انہیں ”أَحَدُ الْفَضَلَاءِ النَّبَلَاءِ الْأَجَلَاءِ“ لکھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں ”ابن سعد کثیر العلم اور کثیر الحدیث والروایہ تھے۔ انہوں نے غرائبِ حدیث اور فقہ پر بھی کتاب لکھی ہے۔“ حافظ دہبی انہیں حافظِ علامہ لکھتے ہیں۔

جلالتِ علم | اُن کی جلالتِ علم کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ امام احمد بن حنبل ایسا جلیل المرتبہ محدث ہر جمعہ کو ابن سعد کے پاس اپنا آدمی بھیج کر اُن کے ذخیرہ حدیث میں سے دو جزو منگواتا اور ایک ہفتہ تک اُن کا مطالعہ کرنے کے بعد انہیں واپس کر دیتا تھا۔ ابناہم انہوں نے کہیں کہا کہ اگر منگوا کر مطالعہ کرنے کے بجائے امام احمد خود علامہ ابن سعد کے پاس

باکرا احادیث کا سماع کرتے تو یہ اُن کے لیے زیادہ بہتر ہوتا۔

تصنیفات | علامہ ابن سعد کثیر التصانیف تھے اُن کی سب سے زیادہ مشہور اور اہم کتاب کتاب الطبقات ہے جو عموماً طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ علامہ ابن خلکان اور صاحب کشف الظنون نے اس کی پندرہ جلدیں بتائی ہیں لیکن مولانا شبلی نعمانی سیرۃ النبی کے مقدمہ میں اس کی بارہ جلدیں ہی بتاتے ہیں۔ صاحب کشف الظنون کہتے ہیں۔ علامہ ابن سعد نے یہ کتاب پندرہ جلدوں میں تصنیف کی تھی۔ مگر بعد میں خود ہی اس کا انتخاب کیا تھا۔ اس کے علاوہ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی طبقات کا انتخاب کیا جس کا نام ”انجاز الوعد المنقح من طبقات ابن سعد“ رکھا۔ اس کتاب میں سیرت نبوی، مغازی، بدیثیں، ہاجرین، اہل مدینہ، کوفیین، خواتین، انصار، صحابہ کرام، تابعین عظام وغیرہم سب کا ہی ذکر ہے۔ یہ کتاب تقریباً ناپید ہو چکی تھی۔ یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا مکمل نسخہ موجود نہیں تھا۔ سب سے پہلے شہنشاہ جرمن کو اسکی طباعت و اشاعت کا خیال پیدا ہوا۔ اور انہوں نے ایک لاکھ روپیہ جیب خاص سے دیے اور پروفیسر ساخو (ED. SACHAU) کو اس کام پر مامور کیا کہ جہاں کہیں اس کے اجزائیں وہ اُن کو فراہم کریں۔ چنانچہ پروفیسر ساخو نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ جا کر مختلف مقامات سے تمام جلدیں ہم پہنچائیں۔ اس کی طباعت و تصحیح میں جن مستشرقین نے پروفیسر ساخو کی رفاقت کی اُن کے نام یہ ہیں۔ ۱۔

جوزف ہورووٹز (JOSEPH HOROVITZ) جولیس لپپرٹ (JULIUS

LIPPERT کے۔ وی زٹرسٹین (K.V. ZETTERSTEN) اور بروکلن (CARL BROCKELMANN

حاجی غلیفہ نے الطبقات الکبریٰ کے جس انتخاب کا ذکر کیا ہے۔ غالباً یہ وہی ہے جس کو ابن النذیم الطبقات المصغریٰ کے نام سے یاد کرتے ہیں

علامہ ابن النذیم نے ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اور اُس کا نام کتاب اخبار لہنی صلی اللہ علیہ وسلم "بتلے ہیں۔ لیکن انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا فاضل مقالہ نگار لکھتا ہے اور غالباً یہ صحیح بھی ہے کہ حافظ ابن سعد نے اس نام سے کوئی مستقل کتاب تصنیف نہیں کی، بلکہ حیرت کتاب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے وہ دراصل کتاب الطبقات کا ہی جز اول ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدمہ کا تذکرہ ہے۔"

وفات | اتوار کے دن ۴ جمادی الثانیہ ۲۳۸ھ میں جبکہ آپ کی عمر ۶۲ سال تھی بغداد میں وفات پائی اور باب الشام کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

یحییٰ بن ابی زائدہ

نام و نسب | یحییٰ نام، ابو سعید کنیت، والد کا نام زکریا تھا۔ لیکن اپنے دادا ابو زائدہ کی نسبت سے مشہور ہیں۔ محمد بن ابی بشر الہمدانی کے غلام تھے۔

تعلیم و تربیت | حضرت یحییٰ کے والد زکریا بن ابی زائدہ خود بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ تھے اس لیے حضرت یحییٰ کو علم کے ساتھ ایک گھرانے میں پیدا ہونے کے باعث قدرتی

۱۳۵ ۱۳۶ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لفظ ابن سعد ۷۷ تا ۷۸ ج ۵ ص ۲۲۲

مناسبت تھی۔ پھر ان کے والد کو بھی شروع سے ہی اپنے بیٹے کی تعلیم کا بڑا خیال تھا، عیسیٰ بن یونس بیان کرتے ہیں ”میں نے زکریا بن ابی زائدہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے صغیر اس بچہ کو محبت سے دیکھتا تھا۔ عجلہ بن سعید کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تھے اور ان سے کہتے تھے ”بیٹے ان حدیثوں کو یاد کرو۔ مزید براں طرفہ یہ ہوا کہ حضرت یحییٰ کو فدہ کے رہنے والے تھے جو اُس زمانہ میں اسلامی علوم و فنون کا گوارہ تھا۔ آپ نے ان قدر ترقی و ترقی سے پورا فائدہ اٹھایا۔ علم و فضل | چنانچہ آپ نے حدیث کا سماع اپنے والد ماجد زکریا بن ابی زائدہ کے علاوہ ہشام

بن عروہ، اسماعیل بن ابی خالد، سلیمان الاعمش، عبد اللہ بن عمر العمری، حجاج بن ارطاة، ابن عون، اور ماہم الاحول وغیرہم سے کیا۔ اور اپنے ذوق و شوق اور شیوخ کے فیض التفات سے علم و فضل میں وہ مرتبہ بلند حاصل کیا کہ سرآمد علماء روزگار بن گئے۔ ان کی فضیلت کی دلیل یہی کیا کم ہے کہ امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، یحییٰ بن آدم، قتیبہ بن سعید، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ ایسے جلیل المرتبت ائمہ اسلام ان کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہیں۔ علی بن المدینی کی جلالتِ شان سے علم حدیث کا کوئی طالب علم ناواقف نہیں آپ فرماتے ہیں ”حضرت ابن عباس اپنے زمانہ میں علم کے منتہی تھے۔ ان کے بعد حضرت شعبی اپنے عہد میں علم کے مرکز قرار پائے۔ پھر حضرت سفیان ثوری کا عہد آیا تو وہ امام وقت ہوئے، اسی طرح حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ اپنے زمانہ میں علم کے منتہی تھے“ ایک مقولہ میں اس پر اور اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ امام ثوری کے بعد حضرت یحییٰ سے بڑھ کر کوئی شخص معتبر

فی الحدیث نہیں تھا حضرت یحییٰ بن سعید القطان مشہور امام جرح و تعدیل ہیں لیکن وہ بھی حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ کی علمی وجاہت و جلالت سے اس درجہ مرعوب تھے کہ فرمایا کرتے تھے "کو ذمہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کی مخالفت میرے لیے یحییٰ بن ابی زائدہ کی مخالفت سے زیادہ صبر آزما اور شدید ہو" حضرت یحییٰ بن یمن سے پوچھا گیا "آپ کو اسماعیل بن زکریا زیادہ پسند ہیں یا یحییٰ بن ابی زائدہ؟" فرمایا "یحییٰ بن ابی زائدہ" سائل نے پھر بات بدلنے کے لیے دریافت کیا "تو آپ کے نزدیک یہ دونوں بھائی ہیں؟" ارشاد ہوا "نہیں" حدیث اُن کا خاص فن حدیث تھا جس میں وہ سلسلہ روزگار امام کی حیثیت رکھتے تھے ابو جعفر الاحمر بیان کرتے ہیں "کان یحییٰ جیدا لاخذ للحدیث" حضرت یحییٰ کو حدیث کے انتخاب میں بڑی بصیرت حاصل تھی حضرت یحییٰ میں خاص کمال یہ تھا کہ وہ عموماً کتاب دیکھے بغیر اپنے حافظہ سے روایت کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود کیا مجال تھی کہ کہیں خطا ہو جائے حضرت یحییٰ بن یمن نقد و جرح میں نہایت تشدد ہیں لیکن وہ بھی ایک حدیث میں حضرت یحییٰ کی غلطی کا اوجہ کر سکے۔ فرماتے ہیں "یحییٰ بن ابی زائدہ نہایت فہیم و عقل مند تھے۔ مجھ کو نہیں معلوم کہ ایک حدیث کے علاوہ انہوں نے کوئی اور خطا کی ہے۔ اسماعیل بن حماد کہتے تھے یحییٰ بن ابی زائدہ حدیث میں ایک خوشبوؤں میں بسی ہوئی دہن کی مانند ہیں" حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں "عبداللہ بن مبارک اور یحییٰ بن ابی زائدہ دو ایسی شخصیتیں ہیں کہ ہم نے ان کا مثل دیکھا

۱۔ شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۹۸ ۲۔ کتاب الانساب للسمعانی ص ۹۲ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲

۴۔ ایضاً ص ۲۰۹ ۵۔ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۱۷ ۶۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۰۹

ہی نہیں ہے۔

دارِ اسناد [حضرت یحییٰ اپنے زمانہ میں اسناد کے سب سے بڑے مدار تھے۔ علی بن المدینی بیان کرتے ہیں "اسناد کا دار و مدار پہلے زمانہ میں چھ بزرگوں پر تھا آپ نے ان کے اسماء گرامی بھی شمار کرائے پھر ان چھ ارباب علم و فضل کا علم ایسے مختلف اصحاب کی طرف منتقل ہو گیا جنہوں نے علم کی مختلف شاخوں میں کمال پیدا کیا (حضرت علی بن المدینی نے اس موقع پر بھی ان بزرگوں کا نام لیا) پھر ان سب کا علم دو بزرگوں پر آکر مٹتی ہو گیا۔ ایک ابو سعید یحییٰ بن سعید جو بنو تمیم کے غلام تھے اور جنہوں نے صفر ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ اور دوسرے بزرگ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ہیں کیا عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح یہ دونوں بزرگ نام اور کنیت میں ایک ہیں علم کی جامعیت و مرکزیت میں بھی ایک ہی ہیں۔"

ثقاہت | ثقاہت و ثبوت کے لحاظ سے بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ تمام ائمہ حدیث ان کی ثقاہت پر متفق ہیں، حضرت یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا "آپ کو ابن مسرر زیادہ محبوب ہیں یا یحییٰ بن ابی زائدہ" بولے "دونوں ثقہ اور قابل وثوق ہیں" امام نسائی اور عبدی انہیں ثقہ بتاتے ہیں۔ ابن نمیر، اتقان کے لحاظ سے ان کو امام شافعی سے بھی فائق مانتے ہیں۔ ابو حاتم فرماتے ہیں "مستقیم الحدیث ثقہ صدوق" حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "یحییٰ بن ابی زائدہ کا شمار کوفہ کے حفاظ حدیث میں ہوتا ہے، وہ متقن، ثبوت، اور صاحب سنت تھے۔"

لے تاریخ خلیف بغدادی ج ۱ ص ۱۳ "لے ایضاً ص ۱۶، ۱۵، ۱۶، ۱۷ لے تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۱۱ لے ایضاً

ابن عمار کھنبلی بھی شذرات الذہب میں یہی لکھتے ہیں :-

حدیث میں تصنیف | حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ کو علم حدیث میں ایک نمایاں خصوصیت یہ حاصل ہے کہ یہ کوفہ کے سب سے پہلے امام فن ہیں جس میں انہوں نے تصنیف کی۔ علامہ بغدادی، علامہ سمعانی، اور حافظ ابن حجر تینوں لکھتے ہیں ”وہو اول من صنف الكتب بالكوفة ان كان اثر تصنیف اتنا مقبول ہوا کہ ان کے بعد بعض اور اماموں نے تصنیف کی طرف توجہ کی تو انہیں ان کے ہی نقش قدم پر چلنا پڑا۔ چنانچہ حضرت وکیع نے اپنی کتابوں میں حضرت یحییٰ کی کتابوں کی ہی پیروی کی ہے۔“

نفس | حدیث کی طرح ان کو فقہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ چنانچہ ان کا شمار کوفہ کے فقہاء محدثین میں ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ کے سامنے یحییٰ بن ابی زائدہ کا ذکر آگیا تو انہوں نے فرمایا ”حضرت یحییٰ کے والد زکریا بن ابی زائدہ ثقہ تھے۔ ان کے فرزند یحییٰ بھی ثقہ ہیں اور یہ دونوں باپ بیٹے ان کا براست میں سے ہیں جو حدیث اور فقہ دونوں کے جامع تھے۔ یہ چمن بن ثابت ایک مرتبہ حضرت یحییٰ سے ملاقات کرنے کے بعد واپس لوٹے تو انہوں نے بیان کیا کہ میں کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ یحییٰ بن ابی زائدہ کے پاس مہمان تھا۔“

افتاء | فقہی کمال کے ساتھ وہ صاحب افتاء بھی تھے۔ ابن عمار کھنبلی انہیں امام ابو حنیفہ

۱ ج ۱ ص ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

۱ ج ۱ ص ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

کے اصحاب میں شمار کرتے ہیں۔

عہد قضا اور وفات | کمال تفسیر اور ثبت فی العلم کی وجہ سے ان کو وفات چار ماہ پیش مردان کی قضا کا عہدہ پیش کیا گیا جس کو انہوں نے منظور کر لیا۔ یہ زمانہ ہارون کی حکومت کا تھا لیکن عمر نے وفا نہیں کی اور اسی عہدہ قضا پر مامور ہونے کی حالت میں بجاہ حمادی الاولیٰ ۱۸۳ھ مردان میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔

قتیبہ بن سعید ثقفی

نام و نسب | بعض کے نزدیک ان کا نام بھی اور بعض کے نزدیک علی تھا، اور قتیبہ لقب لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ قتیبہ نام تھا اور ابوہریرہ کنیت تھی۔ ان کے دادا جمیل بن طریف مشہور اموی گورنر عراق حجاج بن یوسف ثقفی کے غلام تھے۔ حجاج انتہائی ظالم و جاہل اور تہذیب مزاج ہونے کے باوجود جمیل کی بڑی تکریم کرتا تھا، انتہا یہ ہے کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھتا تھا تو حضرت قتیبہ کے دادا کو اپنے دائیں جانب ایک الگ کرسی پر بٹھایا کرتا تھا۔ بنو ثقیف کے ساتھ اس علاقہ غلامی کے باعث حضرت قتیبہ ثقفی کہلاتے ہیں۔ وطن اور ولادت | ان کا وطن بلخ کا ایک گاؤں بغلان تھا لیکن عراق میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ کبھی اپنے وطن جاتے بھی تھے تو وہاں داخل، ایک دو دن رہے اور چلے آئے

چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں

مَا كَانَ مِثْلِي فِي بَنَاتِنِ مَسْكَةٍ وَلَا يَمُوتُ بَعْدَ إِذَا عَلِيٌّ مَضَىٰ

ترجمہ۔ میری طرح بنات میں کوئی بھی ایسا نہ ہو گا جس کا وطن ہو تو بناتِ گمراہ وہاں جا
سافر کی طرح۔

خود اپنے بیان کے مطابق اُن کی پیدائش ^{۳۵}سنہ میں ہوئی تھی لیکن ایک روایت یہ بھی
ہے کہ وہ ^{۳۵}سنہ میں پیدا ہوئے تھے۔

تعلیم و تربیت | حضرت قتیبہ کے والد سعید بن جبیل نہایت نیک تھے۔ ایک مرتبہ انہوں
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے دستِ مبارک میں ایک
جربر (صحیفہ) ہے۔ سعید نے پوچھا "یا رسول اللہ کیا ہے؟" ارشاد ہوا "اس میں علماء کے نام
درج ہیں" انہوں نے عرض کی "حضرت! ذرا یہ جربر مجھ کو مرحمت فرما دیجیے تاکہ میں یہ دیکھ
لوں کہ اس میں میرے فرزند کا بھی نام درج ہے یا نہیں" اس درخواست کے بموجب
اُن کو جربر دے دیا گیا۔ انہوں نے کھول کر دیکھا تو اُس میں ان کے فرزند قتیبہ کا اسم
گرامی بھی شامل تھا۔ ایک ایسے نیک نیت اور حوصلہ مند باپ کے فرزند ہونے کے باعث
اُن کو اسلامی علوم و فنون کے ساتھ قلبی لگاؤ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس ذوقِ شوق میں
وطن سے نکل کر عراق، مدینہ، مکہ، شام اور مصر وغیرہ کا سفر کیا اور ان مقامات کے ائمہ کبار سے
حدیث کے سماع کا شرف حاصل کیا، جن میں سے چند نام یہ ہیں۔ امام مالک بن انس

لیث بن سعد، عبد اللہ بن لہیعہ، بکر بن مضر، حماد بن زید، ابو عوانہ، اسماعیل بن جعفر، سفیان بن عیینہ وغیرہم۔ انہوں نے یہ سفر نو عمری میں ہی شروع کر دیا تھا، خود اُن کا بیان ہے کہ میں سب سے پہلے ۲۱ سالہ میں عراق آیا تو میری عمر ۲۳ سال تھی۔

علم فضل طلب علم میں اُن کے شہر بشیر پھرنے اور اکابر امت کے فیض التفات نے انہیں علم فضل کا دریا بنا دیا۔ حافظ ذہبی انہیں ”الشیخ الحافظ محدث خراسان“ لکھتے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں ”وہ ثقہ عالم، صاحب حدیث، اور کثرت سے سفر کرنے والے تھے۔“ ابن عماد کنجلی فرماتے ہیں ”الیہ المنتہی فی الثقۃ“ ثقاہت اُن پر ختم ہو۔ تلاذہ اُن کی عظمت و بزرگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اُن کے حلقہ تلاذہ میں اُس عہد کے بڑے بڑے ائمہ حدیث داخل ہیں، مثلاً امام احمد بن حنبل، ابو غنیہ، زہیر بن حرب، ابو بکر بن ابی شیبہ، یحییٰ بن یزید، داؤد السجستانی، ابراہیم الحارثی، ابو حاتم الرازی، ان کے علاوہ امام بخاری نے ان کی روایت کی ہوئی تین سو آٹھ اور امام مسلم نے چھ سو اڑسٹھ احادیث صحیحین میں درج کی ہیں۔

حضرت قتیبہ نے امام احمد بن حنبل اور حضرت یحییٰ بن معین کی روایتوں کے لیے اپنے صحیفہ میں الگ الگ علامتیں مقرر کر رکھی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے احمد بن محمد بن زیاد الکوفی سے ایک دفعہ فرمایا ”تم کو میری جن روایتوں پر سرخ نشان ملے

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۷۰ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۰ ۳۔ شذرات الذہب ج ۲

ص ۹۵ ۴۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۶۱۔

سمجھنا کہ میں نے وہ روایتیں امام احمد بن حنبل کے سامنے روایت کی ہیں، اور جن بڑیوں پر بزر نشان ہے ویحییٰ بن معین سے روایت کی ہوئی ہیں لیکن ابوالعباس السراج کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں دو قسم کی نہیں بلکہ سات قسم کی تھیں۔ سات میں سے دو تو امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے لیے ہی مخصوص تھیں۔ باقی پانچ نشانیاں ابو خثیمہ، ابو بکر بن ابی شیبہ، یحییٰ الحمائی، ابو زرہ، عبید اللہ بن عبد اللہ بن الرزاز اور ابو اکین مسلم بن الحجاج النیشاپوری کے لیے مخصوص تھیں۔ عبداللہ بن محمد بن سیار بیان کرتے ہیں "عراق میں کوئی بڑا امام ایسا نہیں ہے جس نے قتیبہ بن سعید سے روایت نہ کی ہو، اور وہ بڑے سچے تھے۔"

درس حدیث | حضرت قتیبہ جہاں کہیں تشریف لے جاتے تھے، علم و فضل کا دفتر کھل جاتا تھا۔ چنانچہ بغداد میں تشریف فرما ہوئے تو امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ایسی ائمہ روزگار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث کا درس لیا۔ اور جو لوگ اُن سے استفادہ کے موقع کو ضائع کر دیتے تھے وہ موقع کھل جانے پر کھٹ افسوس ملتے تھے۔ عمرو بن علی الفلاس بیان کرتے ہیں "میں ایک مرتبہ منیٰ میں حضرت قتیبہ کے پاس گزرا تو دیکھا عباس الغبری اُن کے پاس بیٹھے ہوئے حدیث لکھ رہے ہیں۔ میں اُس وقت گزرا ہوا چلا گیا اور اُن سے احادیث کا سماع نہیں کیا لیکن بعد میں مجھ کو اپنے تساہل پر بڑی ندامت ہوئی۔"

حضرتِ حدیث | جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے حضرت قتیبہ بن سعید نے حدیث کی جستجو میں ان تمام ملکوں کا سفر کیا تھا جہاں سے انہیں ان جواہر ریزوں کے ملنے کی امید ہو سکتی تھی ان بہیم سفروں میں انہوں نے احادیث کا اثنا بڑا ذخیرہ فراہم کر لیا کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا ”تم اس موسمِ سرما میں میرے پاس قیام کرو تو میں تم کو پانچ شخصوں کی روایت کی ہوئی ایک لاکھ حدیثیں سناؤں گا۔ شاگرد نے کہا ”غالباً ان میں سے ایک بزرگ تو عمر بن ہارون ہونگے“ فرمایا ”نہیں۔ عمر بن ہارون سے تو میں نے تیس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ یہ ایک لاکھ احادیث تو کعب بن الجراح، عبد الوہاب الشعمی، جریر الرازی، محمد بن بکر البرسانی سے منقول ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ قتیبہ بن سعید نے پانچویں بزرگ کا بھی نام لیا تھا لیکن میں اُس کو بھول گیا۔“

ایک عجیب واقعہ | حضرت قتیبہ کی علمی زندگی کا ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ وہ شروع شروع میں قیاسی مسائل کی جستجو میں زیادہ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک توشہ دان لٹک رہا ہے، لوگ اُس کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن اُس تک پہنچنے سے عاجز ہیں۔ پھر میں نے اُس کو لینا چاہا تو میں اپنی سعی میں کامیاب ہو گیا۔ اب میں نے اُس میں جھانک کر دیکھا تو مجھے مشرق و مغرب کے درمیان کی کل کائنات نظر آگئی، صبح کے وقت میں ایک بزرگ کی خدمت میں

حاضر ہوا جو خواب کی تفسیر بتانے میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ میں نے اُن سے اپنا خواب بیان کیا، اُنہوں نے سُن کر فرمایا ”بیٹے! اب تم روایات و آثار کی طلب میں مشغول ہو جاؤ کیونکہ صرف روایات و آثار ہی مشرق و مغرب تک پہنچ سکتی ہیں۔ قیاسی مسائل میں اس درجہ وسعت پیمائی کہاں ہے؟“

تو اہل علم کے برخلاف حضرت قتیبہ بڑے مالدار بھی تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں ”دکان غنیاً ممتولاً“ اُن کے پاس اونٹ، بکریاں، گائیں، اور گھوڑے وغیرہ بڑی کثرت سے تھے۔“

علیہ اُن کا حلیہ یہ تھا میانہ قد و قامت، سر کے بال آگے سے غائب، پر رونق چہرہ، خوش وضع و اطہی، اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی بڑے مہمان نواز اور خوش خلق تھے۔“

وفات | شبانہ ۲۴ سنہ میں اپنے وطن بغلان میں وفات پائی۔ اس وقت اُن کی عمر ۹۰ سال تھی۔“

علم فضل | علم فضل کے لحاظ سے ان کا شمار اپنے عہد کے ائمہ کبار میں ہوتا تھا۔ علامہ خطیب
بغدادی فرماتے ہیں: ”وكان اماماً ربانياً متقناً حافظاً مكثراً صادقاً - حافظ ذہبی نیز
الإمام حافظ العصر لکھتے ہیں: ”ابن عداد الخبلی کا ارشاد ہے ”وہ حافظ تھے اور
بلند رتبہ امام تھے۔“

علم حدیث | اُن کا خاص فن علم حدیث تھا۔ اُنہوں نے جن محدثین سے سماع کیا اُن کی فرست طویل ہے۔ ان میں سے چند نام یہ ہیں :- ابو نعیم، قبیسہ، خلاد بن یحییٰ، مسلم بن ابی اییم، قسبنی، محمد بن سابق، ابوالولید الطیالسی، یحییٰ بن بکیر المصری، ان بزرگوں کے علاوہ انہوں نے امام احمد بن حنبل کے ساتھ بھی مجالست کی تھی۔ اُن سے حدیث پر مذاکرہ رہتا تھا اور اُن سے حدیث کی روایت بھی کی ہے۔

۱. تاریخ خطیب بغدادی ج ۱۰ ص ۳۲۶ ۲. تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲۴۔

۳۔ تذرات الذهب ج ۲ ص ۱۳۸ لکھ بغدادی ج ۱۰ ص ۳۲۶۔

طلب علم میں سفر | وہ اپنے شوق و ذوق کی تشنگی بھانے کے لیے شہر شہر اور ملک ملک پھر کر علوم و فنون کے چشموں سے سیراب ہوتے تھے چنانچہ انہوں نے حرمین شریفین، عراق، شام، جزیرہ، خراسان اور مصر کا سفر کیا۔

قوتِ حافظہ اور ذکاوت | کسی علم و فن میں کمال پیدا کرنے کے لیے ذکاوت اور قوتِ حافظہ کی مضبوطی شرط اولیں کا مرتبہ رکھتی ہے۔ قدرت نے اُن کو یہ دونوں نعمتیں عطا فرمائے ہیں بڑی فیاضی سے کام لیا تھا۔ حافظ ذہبی تحریر فرماتے ہیں ”ابوزرہ قوتِ حافظہ اور ذکاوت کے لحاظ سے زمانہ کے نمایاں ترین افراد میں سے تھے۔ وہ اپنے حافظہ میں ایسے ضرب المثل تھے کہ لوگ بے خوف و تردد اُس کی قسم کھا لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا ”میں نے قسم کھا کر یہ کہا ہے کہ اگر ابوزرہ کو ایک لاکھ حدیثیں یاد نہ ہوں تو میری بیوی پر طلاق“ آپ نے یہ سُن کر فرمایا ”تو تم اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو یعنی واقعی مجھ کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں، بہ ظاہر ایک لاکھ احادیث کا یاد کرنا عادت و شوار معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے اس موقع پر یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ حضرت ابوزرہ اس سے کیا مراد لیتے تھے، اس کی توضیح روایت ذیل سے ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ابوذرؓ نے کسی شخص سے بیان کیا کہ مجھ کو ایک لاکھ حدیثیں ابو بکر بن ابی شیبہ سے سُنی ہوئی یاد ہیں، اُس شخص نے پوچھا ”تو آپ انہیں مجھے اِلا کر سکتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا ”نہیں لیکن اُن میں اُن کو سُناؤ گا تو پہچان جاؤ گا“

ابوبکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں ”میں نے ابو زرہ سے بڑا حافظ کوئی نہیں دیکھا ہے“
صنائی کا بیان ہے ”قوتِ حافظہ کے لحاظ سے حضرت ابو زرہ ہمارے نزدیک امام
احمد بن حنبل سے مشابہ تھے۔“

اُن کا حافظہ اس بلا کا تھا کہ جو سنتے تھے دماغ میں مرسم ہو جاتا تھا، خود ان کا
بیان ہے ”علم کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہو اور میرے
دل نے اُس کو محفوظ نہ کر لیا ہو میں بغداد کے بازاروں سے گزرتا تھا اور بالا خانوں سے
گلنے والی عورتوں کے سرود کی آواز آتی تھی تو میں اپنی انگلیوں سے کان بند کر لیتا تھا کہ
کہیں میرا قلب اُس گلنے کو محفوظ نہ کر لے“ ابو بکر الموصلی کا بیان ہے ”ہم نے جس کسی
شخص کی قوتِ حافظہ کی شہرت سنی ملاقات کرنے پر معلوم ہوا کہ اُس کے متعلق جیسی کچھ
شہرت تھی وہ خود ایسا نہیں تھا۔ لیکن حضرت ابو زرہ کی ذات اس سے مستثنیٰ ہوا
کہ ہم نے دیکھا تو وہ اپنی شہرت سے کہیں زیادہ ثابت ہوئے۔“

کنات حدیث | اس غیر معمولی قوتِ حفظ کے باوجود وہ محض اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں کرتے
تھے، بلکہ جو کچھ سنتے تھے اُسے لکھ لیتے تھے۔ اور پھر ضرورت کے وقت اُس سے کام لیتے
تھے لُن کے سامنے اگر کوئی غلط روایت بھی کرتا تو وہ اپنے حافظہ پر اعتماد کر کے اُس کی غلطی
کی جرات نہ کرتے۔ بلکہ کتابوں کی مراجعت کرتے تھے۔

احتیاط | ایک طرف حافظہ کا یہ عالم کہ پچاس پچاس سال کی لکھی ہوئی حدیث اُن کی

یادداشتوں میں موجود تھیں۔ اور ان کو اس مدت میں انہیں دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان کو خوب یاد تھا کہ کونسی حدیث کس یادداشت (کتاب) میں کس صفحہ میں اور کس سطر میں ہے۔ اور پھر احتیاط کا یہ حال کہ کتاب دیکھے بغیر کسی راوی کی تخلیط نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ محمد بن مسلم اور فضل بن العباس جو صالح کے لقب سے مشہور ہیں یہ دونوں اپنے ایک نزاع کا فیصلہ کرانے ابو زر ع کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی روایت کو منکر اور اپنی روایت کو صحیح قرار دیتا تھا، محمد بن مسلم نے حضرت ابو زر ع سے دریافت کیا ”فرمائیے! ہم میں کون خطا پر ہے اور کون صواب پر؟“ آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش بیٹھے رہے۔ محمد بن مسلم نے پھر دوبارہ کہا ”حضرت! آپ کلام کیوں نہیں فرماتے؟ کچھ تو ارشاد ہوا“ حضرت ابو زر ع نے اس دفعہ بھی بات ٹٹلنے کے انداز سے قافل برتا لیکن محمد بن مسلم نے بیدار کیا اور کہنے لگے آپ کے سکوت کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ بات بالکل صاف ہونی چاہیے، اگر میں خطا پر ہوں تو مجھ کو میری خطا بتا دیجیے، اور اگر یہ فضل بن العباس خطا پر ہیں تو ان سے فرما دیجیے کہ تم معطل ہو“ یہ سن کر آپ نے فرمایا ”اچھا میرے بھتیجے ابو القاسم کو بلاؤ، فوراً حکم کی تعمیل کی گئی، آپ نے ابو القاسم سے فرمایا ”تم میرے کتب خانہ میں جاؤ اور پہلی دوسری اور تیسری الماری کو چھوڑ کر چوتھی الماری دیکھو، اُس میں سے ستر ہواں جز نکال کر لے آؤ۔“ ارشاد کے مطابق مطلوبہ جز حاضر خدمت کیا گیا تو آپ نے جھٹ جھٹ اوراق گردانی

کر کے حدیث متنازع فیہ نکالی اور محمد بن مسلم کے سامنے رکھ دی۔ محمد بن مسلم نے اُس کی قرأت کی تو انہیں معلوم ہوا کہ دونوں غلطی پر تھے۔

محفوظات ابو زرعہ کی تعداد غیر معمولی قوت حافظہ اور پھر شب و روز کی سرگرم توجہ اور طلب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی محفوظات کی تعداد حیرت انگیز طور پر بہت زیادہ ہے۔ اس معاملہ میں امام احمد بن حنبل سے زیادہ اور کس امام کا اندازہ درست ہو سکتا ہے، وہ فرماتے ہیں ”کل صحیح حدیثوں کی تعداد سات لاکھ سو بھی کچھ زائد ہو۔ ان میں سے چھ لاکھ حدیثیں اس نوجوان یعنی ابو زرعہ کو یاد ہیں“ امام سیوطی فرماتے ہیں ”امام احمد کی مراد یہ ہے کہ چھ لاکھ میں وہ حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور صحابہ کرام کے اقوال، اور تابعین کے فتاویٰ یہ سب شامل ہیں۔“

علماء کا اعتراف اُن کی جلالتِ شان پر تمام علماء کا اتفاق ہے، ابن جان فرماتے ہیں۔ ”وہ فقہ تھے، حدیث کے علم، تدین، ورع، علمی مذاکرہ، اور علمی مصروفیت و انہماک اور ترک دنیا وافیہا کے اعتبار سے حضرت ابو زرعہ دنیا کے اماموں میں سے تھے“ ابو حاتم کا بیان ہے ”حضرت ابو زرعہ کی وفات ہو گئی اور انہوں نے علم، فقہ، سچائی اور طہارت پاکیزگی کے لحاظ سے اپنا کوئی قائم مقام نہیں چھوڑا، ان کی یہ صفات ایسی ہیں کہ ان میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا، اور مجھے نہیں معلوم کہ مشرق و مغرب میں کوئی اُن کا ہمسرہ ہو اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے ”جو حدیث ابو زرعہ کو محفوظ ہو اُس کی کوئی اصل ہی

نہیں ہے محمد بن یحییٰ فرماتے تھے ”جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ابو زرعہ ایسے ائمہ، کبار زندہ رکھیگا وہ خیر و برکت کے ساتھ رہینگے۔“

امام ابو زرعہ اپنی جلالتِ شان کی وجہ سے دور دراز کے طلبہٴ علوم کے لیے مرکز کا حکم رکھتے تھے۔ ان کے بعض شاگرد کسی بڑے امام کے پاس استفادہ کے لیے جاتے تھے تو وہ حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے، اور پھر ان کو حضرت ابو زرعہ کی خدمت میں ہی رہنے کا مشورہ دیتے تھے۔ چنانچہ فضلک الرازی بیان کرتے ہیں ”میں مدینہ گیا تو وہاں حضرت ابو مصعب کے دو لنگدہ پر حاضر ہوا، دروازہ سے ایک شیخ نکلے جن کی ڈاڑھی اور سر کے بالوں پر خضاب لگا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا ”تم کہاں سے آئے ہو؟“ میں نے عرض کیا ”میں رے سے آ رہا ہوں اور ابو زرعہ کا تلمیذ ہوں“ یہ سن کر ابو مصعب بولے ”اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح کرے۔ کیا تم ابو زرعہ کو چھوڑ کر میرے پاس آئے ہو؟“ پھر فرمایا ”میں امام مالک بن انس اور دوسرے شیوخِ وقت سے بھی ملا ہوں لیکن میری آنکھوں نے ابو زرعہ کا مثل نہیں دیکھا۔“

فضلک الرازی اسی طرح کا ایک اور اپنا واقعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں مصر میں حضرت ربیع کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ ان سے سماعِ حدیث کروں۔ انہوں نے پوچھا ”کہاں سے آ رہے ہو؟“ میں نے کہا ”رے سے“ یہ سن کر فرمایا ”اللہ تمہاری اصلاح کرے، بھلا تم ابو زرعہ کو چھوڑ کر میرے پاس آئے ہو؟ ابو زرعہ تو اللہ کی ایک

نشانی ہیں اور اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو آیۃ (نشانی) بنا تا ہے تو اُس کی شکل سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اسی طرح کا ایک مقولہ یونس بن عبد اللہ علی کا ہے، اُن کے سامنے ایک مرتبہ حضرت ابو زرعہ کا ذکر آیا تو اُنہوں نے فرمایا "ابو زرعہ اللہ کی ایک آیۃ ہیں اور اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کسی انسان کو اپنی آیۃ بنا کر بھیج دیتا ہے۔"

عبدالواحد بن غیاث کہتے تھے "ابو زرعہ نے اپنا جیسا کوئی نہیں دیکھا۔"

درس حدیث | حضرت ابو زرعہ کی مقبولیت اور اُن کے باکمال ہونے کی دلیل اس سو بڑھ کر کیا ہوگی کہ ابھی وہ صرف ستائیس برس کے ہی تھے کہ اُنہوں نے حدیث کا درس شروع کر دیا تھا جس میں بڑے بڑے افاضل روزگار شوق و ذوق سے شریک ہوتے تھے۔

ابو حفص عمر بن مقلص بیان کرتے ہیں "حضرت ابو زرعہ مصر میں ۲۲۹ھ میں تشریف لائے یہاں جب وہ ابن بکیر، عمرو بن خالد اور دوسرے شیوخ سے سماع حدیث کر چکے تو اُن کے پاس اصحاب حدیث جمع ہو گئے۔ ابو زرعہ نے ان سب کو حدیث کی املا کرائی۔

اس وقت ان کی عمر ستائیس برس تھی۔ یزید بن عبد الصمد کہتے ہیں "حضرت ابو زرعہ ہمارے شہر میں تشریف لائے تو ان کے ارد گرد مستفیدین کا ایک وسیع حلقہ قائم ہو گیا۔ جب آپ یہاں سے تشریف لیجانے لگے تو میں نے کہا۔ حضرت! اب یہاں کے حلقہ کے لئے آپ مجھے اپنا قائم مقام بنا دیجیے۔" آپ نے اس کو منظور فرمایا اور مجھ کو اپنا جانشین

بنادیا۔

حضرت ابوذرؓ کی وسعتِ علم، ثقاہت، اور شہرت و مرکزیت کا یہ عالم تھا کہ اکابرِ امت بھی ان کے ہوتے ہوئے کسی اور محدث سے احادیث کا سماع کرنے میں پہلو تہی کرتے تھے۔ حضرت قتیبہ بن سعید مشہور محدث ہیں۔ ایک دفعہ یہ رے میں تشریف لائے تو لوگوں نے درخواست کی کہ حدیث کا درس دیجیے، انہوں نے فرمایا: میں تم لوگوں کے سامنے اس وقت احادیث کی روایت کروں گا جبکہ میری مجلسوں میں احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، اور ابو بکر بن ابی شیبہ شریک ہونگے۔ ان حضرات کو قتیبہ کے اس قول کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا: ”ہیں قتیبہ کی روایتوں کی کوئی ضرورت نہیں، ہمارے پاس ایک ایسا نوجوان ہے جو ان تمام روایتوں کو نقل کرتا ہے جنہیں قتیبہ نے مختلف مجالس میں روایت کیا ہے۔“

ہر بوسنیری ان کمالات نے ان کو عوام و خواص کے ہر ایک طبقہ میں اتنا محبوب و عزیز بنا دیا تھا کہ اگر کوئی شخص ان کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہتا تو لوگ اُسے نہایت برا سمجھتے تھے۔ ابو حاتم کہتے ہیں: ”میں رازی سے امام ابوذرؓ کی شان میں تنقیص کے کلمات سُنا تھا۔ تو میں یقین کر لیتا تھا کہ رازی بقی ہے۔“ حضرت اسحاق بن راہویہ نے ایک دفعہ انہیں خط لکھا جس میں آپ نے تحریر فرمایا: ”انی اذداد بک کل یوم مہر دلیس ہر روز آپ کی یاد سے اپنے آپ کو بیش از بیش مسرت پہنچاتا ہوں۔“

تقویٰ طہارت اور علم و فضل میں جس طرح یگانہ روزگار تھے، تقویٰ اور طہارت میں بھی اُن کو امتیاز خاص حاصل تھا۔ ایک مرتبہ ابو بکر المقرئؓ نے حضرت ابو زرعہؓ کا تذکرہ کیا کسی شخص نے جو اُس وقت مجلس میں حاضر تھا دریافت کیا ”ابو بکر! کیا ابو زرعہ ان حفاظ حدیث میں سے تھے جن کو آپؐ نے دیکھا ہے؟“ مسائل نے یہ کہہ کر اُن حفاظ کا نام بھی لیا، ابو بکر نے جواب دیا ”ابو زرعہ تو اُن سب حفاظ سے اعلیٰ تھے۔ کیونکہ وہ حفظ حدیث کے ساتھ تقویٰ اور طہارت کے بھی جامع تھے۔ اور اس لحاظ سے وہ امام احمد بن حنبل کے مشابہ تھے۔“

اس سلسلہ میں ایک یہ عجیب واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک دفعہ حمدون البرزعیؓ حضرت ابو زرعہؓ کے پاس حدیث لکھنے کے لیے آئے لیکن جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے وہاں عمدہ عمدہ قیمتی برتن اور فرش فروش دیکھے۔ یہ سب چیزیں دراصل حضرت ابو زرعہؓ کے بھائی کی ملکیت تھیں لیکن حمدون نے غلطی سے ان کو خود انہی کی ملک سمجھا اور اس سے اس درجہ اثر پذیر ہوئے کہ حدیث کا سماع کیے بغیر ہی گھر سے واپس لوٹ آئے اور وطن کی مراجعت کا ارادہ کر لیا۔ رات کو انہیں خواب میں نظر آیا کہ گویا وہ ایک حوض کے کنارے پر بیٹھے ہیں، اور پانی میں کسی انسان کا عکس پڑ رہا ہے۔ اس عکس سے آواز آئی ”اے حمدون! تم ابو زرعہؓ سے کنارہ کشی کرتے ہو؟ کیا تم کو معلوم نہیں کہ امام احمد بن حنبل ابدال میں سے تھے جب اُن کی وفات ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے منصب و مقام پر ابو زرعہؓ کو فائز کر دیا۔“ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں ”ابو زرعہ حفظ، ذکا، دین، اخلاص اور

علم و عمل کے اعتبار سے زمانہ کے یکتا بزرگوں میں سے تھے۔

عبادت | حضرت ابو زرعہ پر خشیت ربانی کا جو علما و ربانین کا خاص شعار ہے، بڑا غلبہ تھا۔ اور اس لیے وہ عبادت بھی بہت کرتے تھے۔ اور اس میں ان کو اس درجہ اہماک ہوتا تھا کہ گرد و پیش کی تمام چیزوں سے بے خبر رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے وطن رے کی ایک مسجد میں بیس سال تک نماز پڑھی تھی۔ اس مسجد کی محراب میں کوئی عبارت لکھی ہوئی تھی لیکن انہوں نے بیس سال تک اس مسجد میں نماز پڑھنے کے باوجود کبھی آنکھ اٹھا کر اس عبارت کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ ایک دفعہ علماء حدیث کی ایک جماعت مسجد میں آپ سر ملنے آئی۔ اور اس نے محراب میں یہ عبارت لکھی دیکھی تو آپ سے سوال کیا ”محرابوں میں کچھ لکھنے کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟“ آپ نے فرمایا ”ہم اے اسلاف کی ایک جماعت اس کو مکروہ سمجھتی تھی“ یہ لوگ بولے ”تو پھر آپ کی مسجد میں یہ عبارت کیوں لکھی ہوئی ہے کیا آپ کو اس کی خبر نہیں؟“ فرمایا ”سبحان اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مسجد میں اللہ کے حضور میں حاضر ہوا اور پھر وہ اپنے سامنے کی چیزوں کو بھی جائے۔“

مروجہ ظائق | دن بھران کے پاس مستفسرین اور طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ چنانچہ انہیں اگر کسی ساتھ مذاکرہ کرنا ہوتا تھا تو وہ اُسے علی الصبح بلاتے تھے۔ ابن خُراش خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ میں اور حضرت ابو زرعہ میں طے ہوا کہ میں علی الصبح ان کی خدمت میں مذاکرہ کے لیے حاضر ہوں گا، اس قرار داد کے مطابق میں بہت سویرے

بیدار ہو کر اپنے گھر سے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ابو حاتم کا مکان پڑتا تھا۔ وہ اُس وقت گھر میں تنہا تھے۔ انہوں نے مجھ کو بلالیا، باتیں ہونے لگیں۔ اس میں کچھ دیر ہو گئی، پھر مجھ کو حضرت ابو زرعہ کے ساتھ عہد و پیمان کا خیال آیا تو میں لپکا، لیکن ابو زرعہ کے مکان پر پہنچ کر دیکھا کہ لوگوں کا زبردست ہجوم ہے اور وہ سب اُن پر فرط اشتیاق و عقیدت سے گرے پڑے ہیں۔

حضرت ابو زرعہ کی محبوبیت اور فضیلت کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہوگی کہ ایک مرتبہ حضرت ابو زرعہ امام احمد بن حنبل کے مکان پر قیام پذیر ہوئے تو امام عالی مقام نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ سے فرمایا بیٹے! میں صرف فرض نماز پر اکتفا کرتا ہوں اور نوافل کے عوض میں نے اس شیخ (ابو زرعہ) کے ساتھ مذاکرہ کو قبول کر لیا ہے۔ کمالِ محبت کی وجہ سے محدثین اُن کی درازی عمر کے لیے غائبانہ دعائیں کرتے تھے۔ علم و خطا پوشی [وہ اپنی ذاتی سیرت اور اخلاق کے اعتبار سے بے انتہا حلیم اور بردبار تھے۔ انہیں اگر کسی شخص کا کوئی عیب معلوم ہوتا تھا تو درپردہ اُس کی اصلاح کی کوشش کرتے اور لوگوں میں اُس کو بنام کرنے سے اجتناب فرماتے تھے، خود انہوں نے ایک مرتبہ بیان فرمایا۔ "میں نے بعض مشائخ سے کچھ حدیثیں سنی تھیں اور اُن کو ایک کتاب میں لکھ لیا تھا۔ چند روز کے بعد اصحاب حدیث میں سے ایک شخص نے مجھ سے اُس کتاب کو طلب کیا، میں نے وہ اُسے دے دی۔ چھ ماہ کے بعد اُس نے کتاب مجھ کو واپس کر دی۔ لیکن میں نے اب

اُس کو الٹ پلٹ کر دیکھا تو یہ دریافت کر کے بیدافنوس ہوا کہ اس شخص نے کتاب میں سات جگہ تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ میں اس کتب کو لے کر اُس شخص کے مکان پر آیا اور اُس سے کہا کیا ایسا تغیر و تبدل کرتے ہوئے تجھ کو خدا کا خوف نہیں آیا؟ اُس کے بعد میں نے اس کو وہ سات مقامات دکھائے جہاں اُس نے شدید تغیرات کیے تھے۔ اور اس سلسلہ میں بتایا کہ دیکھو یہ روایت ابو عمر سے مشہور ہے، لیکن تم نے اس کو ابن ابی فذیک کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اسی طرح اس روایت میں فلاں راوی تھا، اور تم نے اُس کی جگہ فلاں کا نام درج کر دیا، لکھا کہ اذالہ۔ وہ تو خیر یہ ہوئی کہ میں نے اپنے شیوخ سے یہ روایتیں جس طرح سنی تھیں مجھ کو یاد تھیں، ورنہ میں سخت التباس میں مبتلا ہو جاتا۔ پس اُس شخص تو توبہ کر اور خدا سے ڈر، اس واقعہ کو سن کر آپ کے بعض تلامذہ نے بیدافنوس کیا کہ اُس شخص کا نام بتا دیجیے لیکن آپ نے نام لینے سے انکار کر دیا۔

وفات اُن کی وفات بھی ایسے اچھے طریقہ پر ہوئی کہ خدا ہر مسلمان کو نصیب کرے۔ ابو جعفر القسری بیان کرتے ہیں "حضرت ابو زرہ رے کے قریب ایک مقام مامشران میں فروکش تھے کہ وہاں مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ ہم چند آدمی جن میں ابو حاتم محمد بن مسلم منذر بن شاماں اور چند اور علماء و عمد شامل تھے اُن کے مکان پر عیادت کے لیے حاضر ہوئے۔ مکان پر پہنچ کر دیکھا تو حضرت ابو زرہ پر عالم نزع طاری تھا۔ ہم سب اُن قریب بیٹھ گئے، اور ہم نے آپس میں کہنا شروع کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "تم اپنے

مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کروٹے کے مطابق اس وقت حضرت ابو زرعہ کو کلمہ شہادت کی تلقین کرنی چاہیے۔ ہم آپس میں یہ گفتگو کر رہے تھے لیکن ”مرنے والے“ کی جلالتِ شان و عظمتِ مرتبت کے باعث تلقین کرتے ہوئے شرم آتی تھی۔ آخر کار تدبیر یہ ہوئی کہ اسی حدیث کا ذکر کریں۔ اس طرح خود بخود انہیں تلقین ہو جائیگی چنانچہ ان علماء نے حدیث کی اسناد پڑھنی شروع کی لیکن کوئی اسے تمام نہ کر سکا، کوئی کسی راوی تک پہنچ کر رہ گیا اور کسی نے کسی راوی کے نام پر ہی اسناد کو ختم کر دیا۔ اس پر حضرت ابو زرعہ نے اسی عالم نزع میں پوری اسناد پڑھ کر سنائی اور اس کے بعد حدیث پڑھی عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان اخرا كلاهما لا اله الا الله فمات من الجنة“ سہان اللہ! آپ نے اس حدیث کو ختم ہی کیا تھا کہ آخری ہچکی آئی اور مرغِ روح قفسِ عسری سے آزاد ہو کر مقامِ علین کی طرف پرواز کر گیا۔ یہ واقعہ وفات ۲۹ ذی الحجہ ۲۶۳ھ کو پیش آیا۔ دوسرے دن تدفین کی گئی۔ وفات کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا تو بہت عمدہ حالت میں نظر آئے جنس بن عبد اللہ نے دیکھا کہ آسمان پر فرشتوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً علیہ

شعبہ بن الحجاج بن الورڈ

نام و نسب شعبہ نام ابو بسلام کنیت، والد کا نام حجاج تھا قبیلہ ازد کے ایک شخص جضم بن العتیک کے غلام تھے۔ اسی نسبت سے ازدی اور عتکی کہلاتے ہیں۔

وطن اور سکونت اصل وطن شہر واسط تھا۔ یہیں ۸۳ھ میں پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔ پھر بصرہ میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کے دو بھائی تھے ایک کا نام بشار اور دوسرے کا نام حماد تھا۔ یہ مصرافہ کا کام کرتے تھے، اور حضرت شعبہ کے تمام اخراجات انہی کے ذمہ تھے۔

طلب حدیث حضرت شعبہ کو شروع سے ہی شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا۔ وہ خود بیان

کرتے ہیں ”میں مشہور عربی شاعر طراح کے پاس بیٹھا رہتا، اور اس سے شعر و شاعری سے

متعلق سوالات کرتا رہتا تھا۔ ایک روز میرا گدڑ حکم بن عتبہ کے پاس سے ہوا، وہ حد ثنا

کہہ کر ایک اسناد بیان کر رہے تھے۔ اسے سن کر میں نے دل میں کہا یہ اُس چیز سے بد بھلا

بہتر ہے جس کو میں طلب کرتا ہوں یعنی شعر و شاعری۔ میرا یہ خیال نچتہ ہو گیا اور اُس روز

سے میں نے شعر ترک کر کے حدیث کی طلب شروع کر دی۔“

۱۔ ترتیب کے لحاظ سے حضرت شعبہ کا ذکر اب سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ مصنف کو اپنی

کو تاہ خیالی کی وجہ سے حضرت شعبہ کا تذکرہ لکھنے کا خیال اُس وقت آیا جبکہ اُس سے پہلے تک کے تمام اجزاء طباعت

کے عمل سے بھی گزر چکے تھے۔ مصنف کو اس بے ترتیبی پر شدید مذمت ہے۔ تاہم ہم ذکر سے ذکر بہتر ہے۔ اگرچہ بے ترتیبی کے

ساتھ ہی اسی سلسلے علامہ نووی انہیں عبد بن لاغر کا غلام بتاتے ہیں جو خود یزید بن المطلب کا غلام تھا۔ تاریخ بغدادی

علم فضل اس زمانہ میں کبار تابعین حیات تھے۔ حضرت شعبہ کو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سماع حدیث کا موقع ملا۔ حصول علم کی استعداد فطری اور وہی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علم حدیث و اسما و الرجال کے آسمان پر چڑھ جاں تاب بن کر نمودار ہوئے۔ حافظ ذہبی انہیں "الحجة المحفوظ شیخ الاسلام" لکھتے ہیں۔ علامہ نووی فرماتے ہیں "وہ اتباع تابعین اور بزرگ ترین محدثین اور عظیم المرتبت محققین میں سے تھے۔" ان کی امامت فی الحدیث، جلالت شان اصیاط، اور اتقان پر سب کا اتفاق ہے۔

حدیث حضرت شعبہ نے جن شیوخ حدیث سے سماع کیا ان میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ قتادہ، یونس بن عبید، ایوب، خالد الخزاز، عبد الملک بن عمیر، ابو اسحاق السبسی، طلحہ بن مضرف، عمرو بن مرة، منصور بن المعتمر، سلمہ بن کھیل، اسماعیل بن ابی خالد، سلیمان الاعمش، حبیب بن ابی ثابت، حکم بن عقیبة، عمرو بن دینار، سعد بن ابراہیم رحمہم اللہ، ان کے علاوہ حضرت حسن بصری اور محمد بن سیرین کو ان کا دیکھنا ثابت ہے۔ حاکم کا بیان ہے کہ حضرت شعبہ نے حضرت انس بن مالک اور عمرو بن سلمہ کو بھی دیکھا تھا۔ اور انہوں نے چار سوتابعین سے سماع حدیث کیا، پھر خود ان سے روایت کرنے والوں میں بھی متعدد تابعین شامل ہیں۔ مثلاً سعد بن ابراہیم، منصور بن المعتمر، اعمش، ایوب، اور داؤد بن ابی ہند۔

تلاذہ خود حضرت شعبہ سے جن حضرات نے استفادہ کیا، ان کی فہرست طویل ہے اور

اُس میں بڑے بڑے اکابرِ اُمت شامل ہیں۔ مثلاً ایوب السختمانی، الاعمش، محمد بن اسحاق،
ابراہیم بن سعد، سفیان الثوری، شریک بن عبداللہ، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید،
عبدالرحمن بن ہمدی، عبداللہ بن مبارک، اسماعیل بن علیہ، وکیع، ابو داؤد الطیالسی
رحمہم اللہ

علماء کا اقرار ہے حضرت شعبہ کے تبحر اور امامت فی الحدیث پر سب کا اتفاق ہے حضرت
سفیان ثوری انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہتے تھے۔ عراق میں حدیث کا چرچا انہی کے
دم سے ہوا۔ امام شافعی فرماتے ہیں ”اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا جاننے والا
کوئی نہ ہوتا“ ابو الولید الطیالسی بیان کرتے ہیں ”میں حضرت حماد بن سلمہ کے پاس آتا
جاتا تھا، وہ فرماتے تھے کہ ”اگر تم حدیث کا علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو حضرت شعبہ کے پاس
جاؤ“ یزید بن دریع کہتے ہیں ”شعبہ حدیث کے باب میں سب لوگوں سے زیادہ سچے محقق
حفظ کردہ حدیثوں کی کتابت کم کرتے تھے، زیادہ تر انہیں محفوظ رکھتے اور اپنے حفظ سے
روایت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علی بن المدینی نے حضرت یحییٰ القطان سے دریافت
کیا: ”آپ کے نزدیک طویل حدیثوں کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والا کون ہے، سفیان
یا شعبہ؟“ انہوں نے جواب دیا ”شعبہ تو اس معاملہ میں بہت بڑے ہوئے ہیں“

علم حدیث میں سب سے زیادہ دشوار مرحلہ رجال و رواۃ کا ہے حضرت شعبہ کو اس

لے تذکرہ اختلاف ج ۱ ص ۱۸۲ ۲۵ تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۲۴۵

۲۶ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۶۰ ۲۷ ایضاً ص ۲۶۳

میں خاص کمال حاصل تھا۔ چنانچہ حضرت یحییٰ اپنے ایک بیان میں سفیان اور شعبہ دونوں کافرق و امتیاز یہ بتاتے ہیں کہ سفیان ابواب کے بڑے عالم تھے اور شعبہ رجال کی معرفت میں کیاتا تھے۔ خود تو خود انہیں رجال کے معاملہ میں اتنا اہتمام تھا کہ اگر کسی شخص کی نسبت انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ حدیث کا اہل نہ ہونے کے باوجود روایت کرتا ہے تو وہ اُس سے جا کر فرماتے تھے: ”تم حدیثیں بیان مت کرو، ورنہ میں بادشاہ سے تمہاری شکایت کر دینگا۔“ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ”شعبہ کے زمانہ میں کوئی شخص اُن سے بڑھ کر اور اُن سے زیادہ اچھا عالم باحدیث نہیں تھا۔“

جامعیت | علم حدیث میں ہمارے پیدا کرنے کے جو شرائط ہیں، حضرت شعبہ اُن سب پر حاوی تھے۔ امام احمد بن حنبل ایک دوسرے نقول میں فرماتے ہیں ”شعبہ اس معاملہ میں ایک پوری قوم کے برابر تھے یعنی رجال کی معرفت میں، حدیث کی بصیرت میں، ثبوت اور اتقان میں اور راویوں کی تتبع و تحقیق میں۔“

جلالت شان | اُن کے اس غیر معمولی تجر اور کمال کی وجہ سے اُس عہد کے تمام علماء و اعیان اُن کا نام بڑی عزت و احترام سے لیتے تھے، اور دوسروں کو اُن کے احترام کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ حماد بن زید بیان کرتے ہیں ”ہم سے حضرت ایوب نے فرمایا۔ تم لوگوں کے پاس واسطے سے ایک شخص آئیگا جو حدیث کا شہسوار ہے۔ تم اُس سے حدیثیں قبول کرو۔ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری سے سلم بن قتیبہ نے تو انہیں

نے مسلم سے پوچھا "کیسے! ہمارے اُستاد حضرت شعبہ کا کیا حال ہے؟" انکی مہارت و مہارت
 فی الحدیث کی وجہ سے محدثین اُن کی مخالفت سے ڈرتے تھے، حماد بن زید بیان کرتے
 ہیں "جو شخص چاہے میری مخالفت کرے۔ مجھ کو اس کی پروا نہیں ہے بشرطیکہ شعبہ میرے
 موافق ہوں، لیکن اگر شعبہ ہی کسی چیز میں میرے مخالف ہو جائیں تو پھر میں اُس کو ترک
 کر دوں گا۔"

ابو بکر بن منجویہ کہتے ہیں "حضرت شعبہ حفظ، اتقان، ورع، اور فضل میں اپنے
 عہد کے سرداروں میں سے تھے۔ اور یہ عراق کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے محدثین
 کے معاملہ کی تحقیق کی۔ ضعیف راویوں کو ترک کیا۔ اور وہ قابل اقتداء سردار بن گئے بعد
 میں اہل عراق انہی کے نقش قدم پر چلے، حافظ ابن حجر اس کلام کو نقل کرنے کے بعد
 لکھتے ہیں "ابن منجویہ نے یہ جو کچھ کہا ہے بعینہ یہی ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا
 ہے ابن منجویہ نے یہ الفاظ وہیں سے اُڑائے ہیں لیکن انہوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا
 احتیاطاً حضرت شعبہ کو کثرت مزاولت اور فطری استعداد و صلاحیت کی وجہ سے حدیث
 کے باب میں ایک ایسا ملکہ حاصل ہو گیا تھا کہ جن روایتوں کو انہوں نے نہیں سنا تھا وہ
 اُن کے بھی عالم سمجھے جلتے تھے۔ علی بن مدینی بیان کرتے ہیں "قائدہ کے شاگرد
 تین ہیں۔ سعید، ہشام، اور شعبہ۔ سعید تو ان سب سے زیادہ متقن تھے، ہشام کا علم کثیر تھا
 رہے شعبہ تو وہ سُنی اور غیر سُنی دونوں قسم کی حدیثوں کے علم میں ان سب سے بڑے

ہوئے تھے لیکن اس فطری ملک کے باوصف اُن کی احتیاط کا عالم یہ تھا کہ ایک روایت کو کئی کئی بار سنتے تھے۔ ایک محدث کا بیان ہے: ”حضرت شعبہ جب تک ایک روایت کو دو مرتبہ نہیں سُن لیتے تھے وہ اُس پر بھروسہ نہیں کرتے تھے، اور ایسا کرنا اُن کے ضبط اور اتقان کی دلیل ہے۔“

پھر خواہ کوئی حدیث کیسی ہی جید ہو لیکن اگر اُس میں بھی کوئی شک پیدا ہو جاتا تھا تو وہ اُسے ترک کر دیتے تھے۔ ”سمعت“ (میں نے سنا) اُس وقت تک نہیں کہتے تھے۔ جب تک اُن کو واقعی طوطی پر سماع حاصل نہ ہو۔

حضرت سفیان ثوری اُن کے اس وسع و اتقار کی داد اس طرح دیتے ہیں۔
 فرماتے ہیں ”میں نے شعبہ سے زیادہ حدیث میں تقویٰ اور وسع اختیار کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔“ ابو نوح کہتے ہیں ”میں عبد اللہ بن عثمان کے پاس آکر جو حضرت شعبہ کے شاگرد تھے، اور اُن کی حدیثیں لکھتے تھے۔ حضرت شعبہ کی احادیث کا مطالعہ کرتا تھا اور اُن کو لکھ لیتا تھا، اس کے بعد میں حضرت شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ مجھ سے انہی روایتوں کو بیان کرتے لیکن املا کی ہوئی روایتوں میں اور اُن میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں ہوتا تھا۔“

حماد بن زید جلیل القدر محدث ہیں، وہ فرماتے ہیں ”شعبہ اگر کسی روایت میں میرے

مخالف ہو جاتے ہیں تو میں اُن کا ابداع کر لیتا ہوں، کیونکہ وہ ایک حدیث کو میں میں مرتبہ
 سن کر بھی بس نہیں کرتے۔ اور میں تو صرف ایک مرتبہ سن لینے پر ہی قناعت کر لیتا
 ہوں۔ ابو زید المرادی بیان کرتے ہیں "میں نے خود حضرت شعبہ سے سنا ہے۔ ایک مرتبہ
 فرما رہے تھے "میں آسمان سے گر پڑوں، یہ مجھ کو زیادہ پسند ہے نسبت اس کے کہ
 میں روایت میں کسی قسم کی تدلیس کروں۔"

محدثین کی نسبت رائے | وہ محدثین و رواۃ کی نسبت جو رائے ظاہر کرتے تھے اُس کے لیے
 نہایت لطیف الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ابنِ عوف کی نسبت اُن
 سے دریافت کیا تو فرمایا "وہ تو گھمی اور شہد ہیں" پھر اس شخص نے ابو بکر المذلی کے بارے
 میں اُن کی رائے معلوم کی تو آپ نے فرمایا "رہنے بھی دو! کہیں مجھ کو قے نہ ہو جائے"
 حدیث میں غیر معمولی احتیاط اور رواۃ کی تحقیق و تنقیح کے باب میں اُن کی اس
 لطیف جدوجہد کا ثمرہ یہ ہوا کہ احادیث صحیحہ و غیر صحیحہ میں متن اقیار ہو گیا اور جو روایتیں بالکل
 غلط طریقہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہو چکی تھیں اُن کے قابل اعتبار ہونے
 کا پردہ چاک ہو گیا۔ چنانچہ حضرت وکیع فرماتے ہیں "میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ
 جنت میں حضرت شعبہ کے مراتب و درجات بلند کرے گا۔ کیونکہ اُنہوں نے آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم سے مدافعت کی ہے۔"

حضرت شعبہ کے لیے دلیل افتخار اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ صلح بن محمد کے

بیان کے مطابق رجال میں جس شخص نے سب سے پہلے کلام کیا جو وہ شعبہ ہیں پھر انکی پیروی
یجی القطان نے کی ان کے بعد امام احمد بن حنبل اور حضرت یحییٰ بن عیین ان کے نقش قدم
پہنچے۔

عربیت | وہ جس طرح علم حدیث میں امامت کا مرتبہ رکھتے تھے۔ انہیں عربیت میں بھی بڑا
کمال حاصل تھا۔ خود ان کا مقولہ ہے ”تم عربیت سیکو کہ اس سے عقل میں زیادتی ہوتی ہے“
علم شعر | عربیت میں کمال پیدا کرنے کے لئے عربی شعر و شاعری سے پورے طور پر
واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت شعبہ کو بھی عربی کے اشعار کثرت سے
یاد تھے اور وہ اس کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے اجمعی عربی لغت کا مشہور امام ہے۔ خود
اُس کا بیان ہے۔ ایک مرتبہ ابو عمرو بن العلاء نے مجھ کو یہ شعر سنایا۔

فما جنبا انا نشد علیہم ولكن ما انا سرائم تحس وتلفع

میں نے یہ شعر حضرت شعبہ کو سنایا تو فرمائے گئے ”افس! شعر اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ ہے

فما جنبا انا نشد علیہم ولكن ما انا سرائم تحس وتلفع

اجمعی اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ”شعبہ نے بالکل صحیح فرمایا، اور ابو عمرو بن
العلاء نے خطا کی“ پھر اجمعی کا بیان ہے ”میں نے شعر کا عالم حضرت شعبہ سے بڑھ کر
کوئی شخص نہیں دیکھا“

الوزیر الہدی کہتے ہیں، ”حضرت شیعہ عربیت میں اور شعر میں امت کا درجہ رکھتے تھے۔“

عبادت | ان ملی خوبیوں کے ساتھ اُن میں عملی کمالات بھی کم نہیں تھے۔ وہ سید عبادت گزار اور تقویٰ و طہارت کی زندگی بسر کرنے والے تھے۔ عبادت کرتے کرتے اُن کے جسم کا گوشت سولہ گیتا تھا۔ اور ہڈیاں نکل آئی تھیں اور رنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔ وہ رکوع و سجود میں اتنی طوالت کرتے تھے کہ اُن پر بھول جانے کا شبہ ہوتا تھا۔ ابو بکر البکرا دی بیان کرتے ہیں: ”میں نے حضرت شعبہ سے بڑا کوئی عبادت گزار نہیں دیکھا۔“

تقویٰ | ان کے تقویٰ و مہارت کا یہ عالم تھا کہ حضرت یحییٰ بن معین ان کو امام المتقین فرماتے تھے۔ عبد الرحمن بن ہدی کا بیان جو ”میں نے بنی تہلب میں کوئی شخص شعبہ سے افضل و برتر نہیں پایا“

رحم و کرم | ان کا دل نہایت رقیق تھا۔ ایک معمولی سے ستم زدہ انسان کی داستان مصیبت سن کر تڑپ اُٹھتے تھے۔ اگرچہ زندگی طول اور وفا ہیت سے بسر نہیں کرتے تھے۔ تاہم کوئی سائل ان کے بابِ کرم سے محروم نہ ہوتا۔ نضر بن نبیل بیان کرتے ہیں۔ میں نے حضرت شعبہ سے بڑھ کر مسکینوں پر رحم کھانے والا کوئی نہیں دیکھا۔ ان کے سامنے کوئی مسکین آتا تو وہ ازراہ بے التفاتی اس کی طرف سے اپنا رخ پھرتے نہیں تھے۔ بلکہ جب تک

لے تذکرۃ الخاتج ص ۱۸۳

له نذرات الذهب ج ١ ص ٢٢٤

۲۴۵ گہ تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۲۴۵

٣٤- تذكرة الحفاظ ج ١ ص ١٨٢

شہ خلیب بغدادی ج ۹ ص ۲۶۳-۲۶۲

وہ نظروں سے غائب ہوتا۔ اپنی نگاہوں سے برابر اس کا تقاب کرتے رہتے تھے ان کی یہ عادت تھی کہ اثنائے درس میں اگر کوئی سائل آجاتا تو وہ اُس کے سوال کو پورا کرنے کے لئے درس بند کر دیتے تھے۔ ان کے تلامذہ کو یہ عادت معلوم تھی۔ اس لئے درس میں غلط پیدا ہونے کے ڈر سے وہ اس کا اہتمام کرتے تھے کہ سائل کے آتے ہی اُس کا سوال پورا کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک گداگر آیا۔ حضرت شعبہ درس دے رہے تھے سائل آکر ذرا کھڑا ہوا ہی تھا کہ پھر بیٹھ گیا۔ آپ نے پوچھا کیا حال ہے؟ شاگردوں نے کہا ”عبدالرحمن بن جندی نے اس کو ایک درہم دینے کا ذمہ لے لیا ہے“

حضرت شعبہ کے پڑوس میں ایک غریب بڈھا رہتا تھا ایک دن وہ آیا۔ اور کسی چیز کا سوال کیا۔ حضرت شعبہ نے فرمایا ”تم نے مجھ سے کیوں سوال کیا ہے؟ کیا میرے پاس کوئی چیز موجود ہے؟“ بڈھا یہ سنکر جانے لگا تو آپ نے اُس سے فرمایا ”لو! تم میرا یہ گدھا لے جاؤ۔ یہ اب تمہارا ہے“ بڈھا بولا ”مجھ کو اس گدھے کی ضرورت نہیں“ آپ نے فرمایا ”تم اسے لے جاؤ۔ اسی سے اپنا کام نکالو“ اتفاق ایسا ہوا کہ بڈھا اس گدھے کو لئے ہوئے حضرت شعبہ کے تلامذہ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا یہ لوگ معاملہ کی نوعیت کو سمجھ گئے۔ انہوں نے فوراً اس گدھے کو بڈھے سے پانچ درہم میں خرید کر لیا۔ اور پھر اُسے بطور تحفہ حضرت شعبہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت شعبہ اپنے گدھے پر کہیں تشریف لجا رہے تھے

راہ میں سلیمان بن المغیرہ مل گئے۔ اور شعبہ سے مفرد فاقہ کی شکایت کرنے لگے۔ حضرت شعبہ نے فرمایا: ”خدا کی قسم! اس دقت اس گدھے کے علاوہ میرے پاس کوئی اور چیز نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر آپ گدھے سے اترے اور اسے سلیمان بن المغیرہ کے حوالہ کر دیا۔ انہیں فقرار کی محبت طبعاً نہایت مرغوب تھی۔ وہ بہا اوقات فرماتے تھے: ”اگر یہ فقرار نہ ہوتے تو میں تمہاری محبت میں نہ بیٹھتا۔“ مسلم بن ابراہیم نے حضرت شعبہ کی اس صفت کو نہایت بلیغ پیرایہ میں بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں: ”حضرت شعبہ فقیروں کے ماں باپ تھے حضرت یحییٰ بن سعید کا بیان ہے: ”میں نے حضرت شعبہ سے زیادہ کسی کو غریبوں اور مسکینوں سے محبت کرنے والا نہیں دیکھا وہ خود فرماتے تھے: ”اگر میرے گھر میں آٹا اور ایک بانس ہو تب بھی میں اسے مسکینوں کو دیدینے میں پس و پیش نہیں کروں گا۔“

لباس میں سادگی | اس قدر سیر حشیم اور کشادہ دست ہونے کے باوجود اپنے ذاتی اخراجات میں وہ سید سادگی پسند کرتے تھے، سلیمان بن حرب بیان کرتے ہیں: ”حضرت شعبہ جو کپڑے پہنتے تھے۔ ان کا تہ بند چادر اور کرتہ سب ملا کر بھی دس درہم کی قیمت کے نہیں ہوتے تھے۔ وہ صرف اپنے لئے ہی نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی لباس کی سادگی کو پسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے ابونوح کے بدن پر ایک قیمتی کرتہ دیکھا تو پوچھا: ”تم نے یہ کرتہ کتنے میں بنوایا ہے۔“ ابونوح نے کہا آٹھ درہم میں حضرت شعبہ بولے: ”تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو خدا سے

۱۔ تاریخ بغدادی ج ۹ ص ۲۶۱ ۲۔ تاریخ بغدادی ج ۹ ص ۲۶۱ ۳۔ تاریخ بغدادی ج ۹ ص ۲۶۱

۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً

نہیں ڈرتا۔ تو نے ایسا کیوں نہیں کیا کہ چار درہم میں کرتہ بناتا اور باقی چار درہم کا صدقہ کر دیتا؟ ابو نوح نے جواب دیا: ”میں ایک ایسی جماعت کے ساتھ رہتا ہوں جس کے ہاں شانِ فُروخت سے رہنا پڑتا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”آخر یہ زیب و زینت کس لئے ہے؟“ حضرت شعبہ کی وفات کے بعد اُن کا اثاثہ بیت جس میں ایک گدھا۔ اُس کی لگام، زین اُن کے بدن کے کپڑے موزہ۔ اور جو تکمل یہ چیزیں تھیں، فروخت کی گئیں تو اُن کی مجموعی قیمت سولہ درہم ہوئی۔

دینیوی ساز و سامان سے نفرت | حضرت شعبہ کو دینیوی جاہ و جلال اور مال و متاع سے دلی بے رغبتی تھی۔ اُن کے نزدیک علم کا ذائقہ دنیا کی تمام لذتوں سے بے پردا و کر دینے کے لئے کافی تھا۔ اُن کا قول تھا جو شخص حدیث طلب کرتا ہے وہ مفلس ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنی ماں کا ایک طشت سات دینار میں فروخت کیا تھا۔ خلیفہ ہمدی کو اُن کی ذات سے بڑی عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ اُس نے تیس ہزار درہم حضرت شعبہ کو نذر کئے۔ لیکن آپ نے اُن سب کو تقسیم کر دیا۔ اسی طرح بصرہ میں ایک ہزار جریب زمین آپ کو دی تو آپ نے اُس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں لی اور اس جائداد سے دست بردار ہو گئے۔

مغفارین ان کی عورت و احترام | حضرت شعبہ اپنے ان علمی و علمی کمالات کی وجہ سے دربارِ خلافت میں نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے کسی شخص کے حق میں انکی مغفالت بے چون و چرا منظور کر لی جاتی۔ ایک مرتبہ آپ کے بھائی کسی معاملہ میں گرفتار ہو کر قید خانہ

لے تہذیب النہدیج ج ۲ ص ۲۴۴-۲۴۵ لے تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۶۲

لے تذکرہ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۳ لے تذکرہ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۴

میں بند کر دئے گئے۔ حضرت شعبہ کو اس کی خبر ہوئی تو بھائی کی سفارش کے لئے بغداد تشریف لائے۔ اور یہاں خلیفہ ہمدانی کے پاس جا کر یہ اشعار پڑھے۔

۱۲ اذکر حاجتی امر قد کفانی حیاءک انت شیمتک الحمیاء
کریمہ لا یعطلہ صباح عن الخلق الکراہیم ولا مساء
فارسک ارض ملکوتہ بنتھا بنویم وانت لھم سماء
ترجمہ:- میں اپنی حاجت بیان کر دوں۔ یا آپ کی حیا ہی کافی ہے۔ بے شبہ حیا آپ کی
عادت خاص ہے۔ آپ ایسے کریم ہیں جس کو نہ تو صبح اور نہ شام کراہتہ اخلاق کو
باز نہیں رکھ سکتے۔ آپ کی زمین بزرگی کی زمین ہے جس کو بنو تیم نے بنایا ہے
اور آپ ان کے لئے آسمان ہیں۔

خلیفہ نے یہ اشعار سن کر کہا: "ہیں! اے ابوبطام، آپ اپنی اس حاجت کا ذکر نہ کیجئے
ہم اسے پہچان گئے ہیں اور وہ ہم نے پوری بھی کر دی ہے" یہ کہہ کر خلیفہ نے حضرت شعبہ
کے بھائی کو رہا کر دینے کا حکم صادر کر دیا۔

مکمل تصویر | ابو زید المرادی نے حضرت شعبہ کی مکمل تصویر اس طرح کھینچی ہے جس میں ان کے
چہرہ فضل و کمال کا ایک ایک خط و خال نمایاں نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں: "میں نے حضرت شعبہ
کو دیکھا ہے وہ ناز پڑھتے تھے تو اس میں اتنی لطافت کر دیتے تھے کہ ان کے پاؤں پر درم
آجاتا تھا۔ وہ علم، زہد، قناعت، رحمتی اور خیر کی صفات سے متصف تھے۔" عربیت

اور شعر میں سردار کا مکمل رکھتے تھے، امام نسائی نے اُن کی شان میں ایک اور عظیم الشان جملہ لکھا ہے، فرماتے ہیں: ”اللہ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے امین تین بزرگ ہیں۔ شجرۃ بن الحجاج، یحییٰ بن سعید القطان، اور امام مالک بن انسؒ،

متوَلے | ان کے متوَلے نہایت یکساں اور پُر اثر نصیحت ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا: ”لوگ بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی عقل اُن کے ساتھ رہتی ہے۔ اور بعض کو حال یہ ہوتا ہے کہ اُن کی عقل گھر کے صحن میں رہتی ہے۔ ان کے علاوہ بعض بر نصیب ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس عقل ہی نہیں ہوتی۔ ان میں پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو بات کہتے ہیں تو بولنے سے پہلے غور کر لیتے ہیں کہ انہیں کیا کہنا چاہیے؟“ آپؐ علم حدیث کی ذمہ داریوں سے عمدہ برآ ہونا کس درجہ مشکل سمجھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا: ”اے کاش! میں حام گرم کرنے والا ہوتا اور حدیث کی معرفت مجھ کو حاصل نہ ہوتی۔ ایک دفعہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”مجھ کو دخولِ نار سے ڈرانے والی کوئی چیز حدیث سے بڑھ کر نہیں ہے۔“

وفات | ۷۷ برس کی عمر میں ^{۱۱۸۵ھ} میں وفات پائی۔ حضرت سفیان کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا: ”آج حدیث کا علم مردہ ہو گیا۔“

۱۸۳ تذکرۃ الخفا وج اص

۲۴۷ لہ فذرات الذهب ج اص

۱۸۵ لہ تاریخ خلیب بغدادی ج اص

۱۸۵ لہ تذکرۃ الخفا وج اص



اسماعیل بن علیہ الہروی

نام و نسب | اسماعیل نام ابوبکر کنیت، والد ماجد کا نام ابراہیم تھا، مگر یہ بجائے باپ کے ماں

کی نسبت سے زیادہ مشہور ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ابراہیم بن مقسم عبد الرحمن بن قبطۃ الاسدی کے غلام تھے۔ ان کے والد مقسم خراسان اور زابلستان کے درمیان ایک جنگ میں پکڑ گئے اور غلام بنائے گئے تھے۔ خود ابراہیم کوفہ میں تجارت کرتے تھے لیکن حضرت اسماعیل کی والدہ علیہ جو بنو شیبان کی باندی تھیں۔ نہایت شریف طبع، عقلمند، اور فاضلہ تھیں۔

صالح المری اور بصروہ کے دوسرے بڑے علماء اور فقہاء ان کے مکان پر آکر ان سے علمی اور فقہی مسائل میں گفتگو کرتے تھے۔ والدہ کے اس فضل و کمال کی وجہ سے حضرت اسماعیل انہیں کی طرف منسوب ہو کر ابن علیہ کی کنیت سے مشہور ہو گئے۔ لیکن خود حضرت اسماعیل فرط غیرت و حیا سے اپنے لئے اس کنیت کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے۔

من قال ابن علیہ فقد اغتابنی جو کوئی مجھ کو ابن علیہ کہتا ہے وہ گویا میری
غیبت کرتا ہے۔

ولادت | حضرت اسماعیل کے والد ابراہیم بن المقسم کوفہ میں تجارت کرتے تھے۔ اور اسی
سلسلہ میں ان کی آمد و رفت بصروہ میں بھی رہتی تھی۔ یہیں انہوں نے علیہ سے نکاح کیا۔

مسلمہ میں حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔ اس کی وجہ سے ان کا قیام بصرہ میں رہا۔ ان کے ایک بھائی ربیع بن ابراہیم تھے۔

علم و فضل | ان کے علم و فضل پر سب کا اتفاق ہے۔ حافظ ذہبی انھیں العلامۃ اور أحد الأعلام کہتے ہیں۔ ان کی تعلیم کا اہتمام ان کی والدہ ماجدہ نے ہی کیا تھا۔

عبدالوارث جلودی جو اس زمانہ کے مشہور محدث تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک نعلیۃ اپنے بچے اسماعیل کو لیکر میرے پاس آئیں اور کہا۔ یہ میرا بیٹا ہے، اس کو اپنے ساتھ رکھا کیجئے۔ تاکہ یہ آپ کی سی خوب پیدا کر لے۔ عبدالوارث کہتے ہیں۔ اسماعیل بصرہ کے خوبصورت بچوں میں سے تھے۔ میں ان کو لئے ہوئے جب چند بیٹھے ہوئے آدمیوں کے پاس سے گزرتا تھا تو ان سے کہہ دیتا تھا۔ آگے ہو جاؤ، پھر میں ان کو کسی محدث کی خدمت میں حاضر کر دیتا تھا، ابراہیم الحرمی جو اس روایت کے ناقل ہیں بیان کرتے ہیں۔ ابن علیہ بڑے ہوئے تو اہل بصرہ کو اس میں شک نہیں تھا کہ وہ عبدالوارث سے زیادہ ثبت اور ثقہ فی الحدیث ہیں۔

علم حدیث | ان کو حدیث میں خاص کمال حاصل تھا۔ بخاری جو مشہور امام حدیث ہیں بیان کرتے ہیں۔ میری نشو و نما علم حدیث کی فضا میں ہوئی ہے، اس علم میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کو ابن علیہ پر فضیلت حاصل ہو۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے خطائے کی ہو۔ البتہ ابن علیہ اور بشر بن الفضل اس کلمہ سے مستثنیٰ ہیں۔

ابن المدینی فرماتے ہیں: ”میں نہیں کتا کہ کوئی شخص حدیث میں ابن علیہ سے زیادہ ثبت ہے۔“

ہشتم بن خالد کا بیان ہے: ”ایک مرتبہ بصرہ کے چند حافظ حدیث جمع ہوئے۔ تو ان سے کوفہ کے محدثین نے کہا: ”تم اسماعیل کو ہمارے سامنے سے ہٹا دو پھر جس کسی کو تم لانا چاہو لے آؤ۔“ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ”بصرہ میں ان پر ثبت کی نہایت ہے“ حضرت فضیہ انہیں سید الحدیث کہتے تھے۔ ابن ناصر الدین کہتے ہیں وہ ثبت اور متقن تھے۔ ان کی روایات میں کوئی خطا نہیں پائی گئی“ یزید بن اردن فرماتے ہیں: ”میں بصرہ گیا تو مجھ کو وہاں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جس کو حدیث کے باب میں ابن علیہ سے افضل سمجھا جاتا ہو۔ حضرت قتیبہ بیان کرتے ہیں: ”مام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ حافظ حدیث چار ہیں: اسماعیل بن علیہ، عبدالوارث، یزید بن زریع، اور وہیب۔ حضرت یحییٰ بن عیین جو مشہور امام جرح و تعدیل ہیں فرماتے ہیں: ”کان ثقة ماموناً صمداً و قاضیاً و عاملاً و مآفتیاً۔“

جلالت شان | ان کی جلالت شان کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے محدثین ان کی مخالفت سے خائف رہتے تھے۔ عثمان بیان کرتے ہیں: ”ایک مرتبہ ہم حماد بن سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے کوئی حدیث پڑھی اور اس میں ان سے ایک خطا ہو گئی کسی شخص نے ان سے

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۶

۲۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۶

۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۳۳

۴۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۳۳

۵۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۶

۶۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۶

کہا۔ اس حدیث میں تو آپ کی مخالفت کی گئی ہے۔ انہوں نے پوچھا۔ کس نے مخالفت کی ہے۔ جواب ملا۔ حماد بن زید نے۔ آپ نے یہ سن کر اس قول کی طرف کچھ التفات نہیں کیا۔ ادویوں بھی اُن کی عادت تھی کہ کسی کے قول کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد ایک شخص نے کہا۔ حضرت ابن علیہ بھی تو اس حدیث میں آپ کے مخالف ہیں۔ یہ سن کر ہی حضرت حماد کھڑے ہو گئے، اور گھر میں تشریف لے گئے۔ پھر باہر آئے اور فرمانے لگے۔ تو بس قول تو اس حدیث میں حضرت اسماعیل بن علیہ کا ہی معتبر ہے۔ امام احمد بن حنبل کا ارشاد ہے، حضرت مالک کی وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ان کا قائم مقام حضرت سفیان کو بنادیا۔ پھر حضرت حماد بن زید کا انتقال ہوا تو خدا نے ان کا قائم مقام میرے لئے ابن علیہ کو کر دیا۔ ایک مرتبہ یزید بن ہارون نے اپنے حلقہ میں ایک حدیث نقل کی اور سلسلہ اسناد نقل کرنے کے بعد کہا کہ اس روایت کی تخریج علی نے کی ہے۔ ایک شخص نے لے کہا۔ ابن علیہ تو اس کو مجاہد سے مروی مانتے تھے۔ یزید بن ہارون نے یہ سن کر کچھ التفات نہیں کیا اور انہوں نے پھر وہی خراجہ علیٰ کہا۔ یزید بن ہارون کو غلط فہمی یہ ہوئی تھی کہ وہ ابن علیہ کو ابن عینیہ سمجھتے تھے۔ اس لئے اس شخص نے پھر ذرا زور سے کہا۔ ”ابن علیہ“ اب یزید بن ہارون نے ابن علیہ کا نام سنا تو سخت پریشان ہوئے اور دو مرتبہ ابن علیہ۔ ابن علیہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

خط اور رقم حدیث | حضرت اسماعیل طلب علم کے زمانہ سے ہی اپنے ساتھیوں میں

فہم حدیث کے لحاظ سے متنازع تھے، حاتم بن وردان کا بیان ہے کہ یحییٰ بن اسماعیل - وہیب اور عبدالوہاب یہ چاروں ایک ساتھ حضرت ایوب کی مجلس درس میں شریک ہوتے تھے۔ درس سے فارغ ہو کر جب یہ اٹھتے تھے تو سب حضرت اسماعیل کے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے اور اُن سے سوال کرتے تھے، ایوب نے کیا کہا اور اُس سے اُن کی مراد کیا تھی؟ اسماعیل ان سب کو جواب دیتے تھے۔

خط | حضرت اسماعیل کا تمام ذخیرہ احادیث اُن کے سینہ میں محفوظ تھا۔ وہ لکھے نہیں تھے وہیب کا قول ہے کہ اسماعیل بن ابراہیم کا حفظ اور عبدالوہاب کی کتاب دونوں برابر ہیں۔ مزید یاد بن ایوب کہتے ہیں، میں نے ابن عقیلہ کی کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی، لیکن اس کے باوجود مثبت اور ثقاہت کا یہ عالم تھا کہ اُن سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی تھی۔ علی بن المدینی جو مشہور امام حدیث ہیں، فرماتے ہیں، محدثین سے تصحیف بھی ہوئی ہے اور خطائیں بھی، لیکن چار محدثین ایسے ہیں جن سے کوئی خطا یا تصحیف نہیں ہوئی، انہیں چار میں ایک ابن عقیلہ بھی ہیں۔

شیرخ | انھوں نے جن شیوخ سے حدیث کا سماع کیا اُن میں چند بزرگوں کے نام یہ ہیں:-
ایوب السختمانی، علی بن جرمان، محمد بن المنکدر، عبداللہ بن ابی یحییٰ، حریری، عطاء بن رستم
تاندہ | اور خود ان سے جن حضرات نے احادیث کا سماع کیا اُن میں بڑے بڑے محدثین شامل ہیں مثلاً شعبہ - جلال بن عبدی - علی بن المدینی - احمد اسحاق - بندار وغیرہم۔

نقۃ | حدیث کی طرح انھیں فقہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ حضرت شعبہ انھیں مدرسۃ الفقہاء

یعنی فقہاء کے گل تر، کہتے تھے۔

تضا | اس نعمتی مہارت و تبحر کی وجہ سے اُن کو پہلے پہل بصرہ کے صدقات کا انتظام سپرد کیا گیا پھر بغداد میں فوجداری کے مقدمات کا فیصلہ ان سے کرایا جانے لگا اور اخیر میں انھیں بغداد کا جج بنادیا گیا لیکن ایک عجیب واقعہ ایسا پیش آیا کہ انھیں اس عہدہ سے مستعفی ہو جانا پڑا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک تجارت کرتے تھے اور اس میں انھیں بہت کافی نفع تھا۔ لیکن یہ تجارت خود سرمایہ دار بننے کے لئے نہ تھی۔ بلکہ علماء اور طلبہ کی خدمت اور ان کو دینی ضرورتوں سے بے پروا کر دینے کے لئے تھی، چنانچہ وہ خود فراتے تھے، ”اگر سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، فضیل، ابن الساک اور ابن علیہ یہ پانچ حضرات نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔“ حضرت ابن علیہ کے عہد قضا میں پہلی مرتبہ حضرت عبداللہ بن مبارک بغداد آئے اور انھیں جب اس واقعہ کا علم ہوا تو نہایت آزر و خاطر ہوئے۔ یہاں تک کہ دستور کے مطابق حضرت ابن علیہ کو ٹرے پر سوار ہو کر حضرت عبداللہ بن مبارک کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن سے گفتگو کرنے کے لئے سر بھی نہیں اٹھایا، ابن علیہ کو ٹری ویر بیٹھ کر گھرواپس چلے آئے۔ اور دوسرے دن ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا، ”میں آپ کے احسان و کرم کا منتظر تھا، اور آپ کی خدمت میں حاضر بھی ہوا تھا لیکن آپ نے مجھ سے کلام نہیں کیا۔ معلوم نہیں جناب کو میری کون سی حرکت ایسی ناگوار ہوئی ہے؟“ حضرت عبداللہ بن مبارک نے اس خط کو پڑھنے کے بعد فرمایا

”یہ شخص (ابن علیہ) بال کی کمال ہی نکالنا چاہتا ہے، اور پھر جواب میں یہ اشارہ کر ارسال فرمائے۔

یا جاعل الدین لہ بانسیا یصطاد اموال المساکین
 اخلت للدين ولذا اتمها بحيلة تذهب بالدين
 فصرت بمنزلة ما کنت دواء للجانين
 ابن مرداویاتک فی سردھا لغوث الزواب السلاطین
 ان تلت اکبرت فذا باطل نزل حمار العلم فی الطین

ترجمہ:- اے دین کو فریبوں کے اموال کا نثار کرنے والا باز بنائے دالے تو نے دنیا اور اس کی لذتوں کو حاصل کرنے کے لئے ایک ایسا جیلہ اختیار کر لیا ہے جو دین کو تباہ کر کے رہے گا پہلے تو تو پاگلوں کے لئے دوا کا حکم رکھتا تھا لیکن اب تو خود دنیا کی محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ اب بادشاہوں کے دروازوں سے بے پردہ ہو کر تیرا وہ احادیث و روایات میں مشغول رہنا کہاں ہے؟ اگر تو یہ کہے کہ مجھ کو عمدہ قضا کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا تو یہ غدر سراسر باطل ہے، اب تو ہر حال ظلم کا گدھا کیچڑا میں مہل گیا ہے۔

ابن علیہ کے پاس یہ خط پہنچا تو آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آپ اسے پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ خط پڑھ لینے کے بعد آپ فوراً مجلس قضا سے اٹھے اور ہارون رشید کے پاس جا کر اپنا استغفیٰ پیش کرتے ہوئے فرمایا خدا کے لئے آپ میری بڑی چالے

پر رحم فرمائے۔ کیونکہ میں اب خطا پر زیادہ صبر نہیں کر سکتا۔ ہارون رشید نے کہا: معلوم ہوتا ہے اس مجنون (عبد اللہ ابن مبارک) نے آپ کو بھکا دیا ہے، حضرت ابن علیہؑ نے یہ بھکایا نہیں، بلکہ انہوں نے تو مجھ کو (ایک مصیبت غلطی سے) نجات دلا دی ہے، اور میں تو دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اس سے رستگاری عطا فرمائے۔ ہارون الرشید نے آپ کا استعفا منظور کر کے آپ کو خدمت قضا سے سبکدوش کر دیا، حضرت عبد اللہ بن مبارک کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔ اور حسب سابق ایک قبیلہ ابن علیہؑ کی خدمت میں بھیج دی۔

زہد و اتقا | علی اعتبار سے بھی اُن کا پایہ ہم مصروفوں میں بہت ممتاز تھا اُن پر خشیہ ربانی کا ہر وقت ایسا غلبہ رہتا تھا کہ وہ نہتے بھی نہیں تھے ابن عمرو بن زرارہؓ کہتے ہیں میں چودہ برس تک حضرت ابن علیہؑ کے ساتھ رہا ہوں۔ لیکن اس مدت میں ان کو کبھی نہتے ہوئے اور سات سال تک انہیں سُکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔

احمد بن ابراہیم بیان کرتے ہیں میں نے اپنے بعض دوستوں سے سنا ہے کہ ابن علیہؑ بیس سال سے نہیں نہتے تھے۔

تلاوت قرآن | انہیں تلاوت قرآن مجید کا بحد شوق تھا ابن مہنی نے ایک رات اُن کے ساتھ بسر کی تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابن علیہؑ اسی شب میں ایک تمثالی قرآن مجید

کی تلاوت کی۔

وہ کبھی کبھی نبیذ کا استعمال کرتے تھے بعض لوگوں کو ان کا یہ عمل احتیاط اور ورع کے خلاف نظر آتا تھا۔ لیکن حضرت وکیع کے سامنے ایک مرتبہ اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا: ”تم اگر کسی بصری شخص کو نبیذ پیتے دیکھو تو اسے متمم کر سکتے ہو۔ لیکن اگر کسی کو فی کو دیکھو تو اسے متمم نہ کرو۔“ سائل نے دریافت کیا ”یہ کیونکر؟“ فرمایا: ”اس لئے کہ کوئی نبیذ ازراہ تدین پیتے ہیں اور اسی طرح اہل بصرہ اسے ازراہ تدین ترک کرتے ہیں۔“

عبادت | وہ عبادت بھی بہت کرتے تھے۔ عفان کا بیان ہے کہ حضرت ابن علیہ کا شمار ان کے عہد شباب سے ہی بصرہ کے عبادت گزاروں میں ہوتا تھا۔

خلق قرآن کا فتنہ اور ابن علیہ | بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن علیہ خلق قرآن کو قائل تھے۔ اور اگرچہ ان کے کسی قول سے اس کی مراحت نہیں ملتی لیکن ان کے بعض ملفوظات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ ایک دن ابن علیہ ہارون رشید کے بیٹے محمد امین کے پاس گئے تو امین نے آپ کو برا بھلا کہا، اور پھر پوچھا کیا آپ خلق قرآن کے قائل ہیں؟ ابن علیہ نے اس پر زہامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”میں آپ پر سر بان جاؤں، یہ ایک عالم کی لغزش ہے۔“ اس واقعہ کی شہرت نے ابن علیہ کے بعض خاص متعذرین کے دل میں بھی ان کی طرف سے تکرر پیدا کر دیا تھا۔

لیکن علامہ خطیب بغدادی اس واقعہ کی تردید میں لکھتے ہیں کہ ابن علیہ سے خلق قرآن

کے قول کو منسوب کرنا ان پر سراسر بہتان و افتراء ہے اجداد الصمد بن یزید مرویہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن علیؑ سے خود سنا ہے فرماتے تھے: "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" ^{یعنی} لفظ ذہبی کا رجحان بھی ادھر ہی معلوم ہوتا ہے۔ اوپر کا واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ابن علیؑ سے تبصر میں غلطی ہوگئی اور جو کچھ انھوں نے فرمایا تھا، اُس سے تو بہ کر لی تھی

وفات | جمعرات کے دن ۲۴ یا ۲۵ ذیقعدہ ۱۹۳ھ کو وفات پائی اور بغداد میں دفن ہوئے

یحییٰ بن محمد بن صاعد

ام و نسب | یحییٰ نام۔ ابو محمد کنیت۔ والد کا نام محمد تھا۔ ابو جعفر المنصور کے غلام تھے۔

علم و فضل | ۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ علم و فضل کا شوق شروع سے تھا۔ چنانچہ ۲۳۹ھ میں جبکہ ان کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی۔ انھوں نے حدیثیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔ ادا اس شوق و ذوق میں انھوں نے شام، عراق، مصر اور حجاز کے طویل سفر کئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شیوخ و اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے جس میں سے چند نام یہ ہیں:-

حسن بن علی بن ماسرجس، محمد بن سلیمان لونیا، یحییٰ بن سلیمان بن فضالہ الخزامی، سوار بن عبد اللہ الغنبری، احمد بن منیع البغوری، حسین بن الحسن المروزی، ابوالہیثم بن سیدہ البغوی

۱۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۶

۱۱ تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۵

۱۲ شذرات الذهب ج ۲ ص ۲۸۰

۱۳ تاریخ طیب بغداد ج ۱ ص ۲۳۱

ابوہشام الرفاعی۔ یوسف بن موسیٰ القطان۔ محمد بن اسماعیل البخاری

جلالت شان | اُن کی محنت اور طلبِ صادق ثمر آور ہوئی۔ اُسی کا نتیجہ ہے کہ ان کا شمار

عظیم المرتبت حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے۔ علامہ بغدادی فرماتے ہیں، "حضرت یحییٰ حدیث

کے حافظ تھے۔ انہوں نے اس کے ساتھ بڑا اعتنا کیا اور اس کی طلب میں سفر کئے۔ ابن

عماد الغنبلی انہیں، "الحافظ الثقة النجدة" کہتے ہیں۔

"اس خانہ ہرہ آفتابست" کے مطابق حضرت یحییٰ تین بھائی تھے۔ ایک کا نام یوسف

تھا جو سب سے بڑے تھے۔ منجملہ بھائی کا نام احمد تھا۔ حضرت یحییٰ سب سے چھوٹے تھے

یہ تینوں بھائی علم حدیث کا ذوق رکھتے تھے۔ یوسف نے خلا دین یحییٰ سے روایات کی

ہیں اور احمد نے ابو بکر و عثمان ابن ابی شیبہ سے لیکن حضرت یحییٰ برادر خورد ہونے کے

باوصف دونوں بھائیوں سے اعلم اور اُثبت تھے۔

درایت | جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے حضرت یحییٰ کا شمار حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے لیکن ان

کی شہرت حفظ سے زیادہ درایت میں تھی۔ ابو علی الفیثا پوری کہتے ہیں، "حضرت یحییٰ کے

ہم معصروں میں تمام عراق میں کوئی ایسا نہیں تھا جو ہم کے لحاظ سے اُن کے برابر ہو،"

پھر کہتے ہیں، "اور ہم ہمارے نزدیک حفظ سے زیادہ اہم ہے،" ابن الجلابی سے کسی

نے پوچھا، "کیا آپ کے نزدیک ابنِ صاعد حافظ تھے،" وہ مسکرائے۔ اور کہنے لگے۔

"ابو محمد کو حافظ تو نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ وہ صاحبِ درایت تھے،" ابو بکر بن عبدان سے کسی نے

پوچھا، ”خط اور روایت میں فرق کیا ہے؟“ بولے ”الدرایۃ فوق الحفظ“، روایت کا مرتبہ خط سے بڑا ہے۔

قالہ بن عبدان الشیرازی کا بیان ہے کہ یحییٰ بن محمد ماعد محمد بن مسدد ابانغدی سے زیادہ حدیث جانتے تھے اور روایت میں کوئی شخص ان پر فوقیت نہیں رکھتا۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ کے خط حدیث سے متعلق بعض لوگوں کو شبہ تھا اور اس لئے وہ ان کا مختلف طریقوں سے امتحان لیتے تھے۔ لیکن امتحان میں ان لوگوں کو ناکامی ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ ایک اچھی شکل و صورت والا شخص حضرت یحییٰ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں آپ کی ہی روایت کردہ بعض حدیثیں آپ کے سامنے پڑھنی چاہتا ہوں، انہوں نے اجازت دیدی۔ لیکن اس شخص نے ان کی روایتوں کی بجائے ابوالقاسم البغوی کی روایتیں پڑھ ڈالیں۔ حضرت یحییٰ کمال توجہ سنتے رہے، قرارت کے اختتام پر اس شخص نے کہا، میں نے غلطی سے آپ کے سامنے اس جز کی قرارت کر دی ہے، یہ سب روایتیں تو ابوالقاسم البغوی کی تھیں۔ حضرت یحییٰ بولے، تم نے میرے سامنے جن روایتوں کی قرارت کی ہے۔ وہ سب انہی شیوخ کی زبانی جن سے تم نے سماع کیا ہے خود میری بھی سنی ہوئی ہیں، مزید توثیق کے لئے آپ اپنا صحیفہ نکال لائے۔ اور

درقی اُلٹ اُلٹ کر دکھاتے رہے کہ دیکھو یہ سب اس میں موجود ہیں اور انہی اسانید کیساتھ
 فقہ | حدیث کی طرح انھیں فقہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ لیکن وہ حتی الوسع خود فتویٰ دینے سے
 احتراز کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے پاس ایک عورت آئی۔ اور پوچھنے لگی۔ اگر کنوئیں میں غی
 گر پڑے تو اس کا حکم کیا ہے؟ پانی پاک رہتا ہے یا ناپاک ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا
 بھلا غی کنوئیں میں کس طرح گر سکتی ہے؟ عورت بولی۔ کنوئیں کا منہ کھلا ہوا تھا۔ آپ نے
 جواب دیا۔ تو پھر تم نے کنوئیں کو ڈھانک کیوں نہیں کھاتھا کہ اس میں کوئی چیز گرتی ہی نہیں
 ابو بکر ابھری اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد بیان کرتے ہیں کہ دراصل یحییٰ کے پاس اس
 سوال کا کوئی جواب ہی نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ادھر ادھر کی باتیں کہہ کے
 عورت کو ٹال دیا۔ لیکن ملائم ہندادی ابو بکر ابھری کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں
 ”یہ ابھری کا بعض خیال باطل ہے۔ ورنہ یحییٰ ایک جلیل القدر عالم تھے۔ سنن اور ان کے
 احکام کی ترتیب میں ان کی متعدد تصانیف ہیں جن سے ان کی فقیہی مارت کا ثبوت ملتا ہو
 رہا عورت کو جواب نہ دینا تو غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مسئلہ میں علماء باہم مختلف ہیں۔ اس
 لئے حضرت یحییٰ نے کسی ایک امام کی رائے نقل کر دینا درج کے خلاف سمجھا۔ اور اسی کے
 ساتھ انھوں نے یہ بھی پسند نہیں کیا کہ خود منصب اقلہ بنحال کر اپنی طرف سے کوئی
 جواب دیں۔

وفات | ذوالقعدہ ۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ اور باب کو فہ میں دفن ہوئے۔

ارباب کشف و کرامات اولیاء اللہ

اسلام میں علم اور عمل دونوں کا ساتھ رہنا عظیم ظاہری اور علم باطنی کی تقسیم کوئی حقیقی تقسیم نہیں ہے۔ اسلئے جو اُس عہد کے علماء تھے عمل کے اعتبار سے بھی وہ ابنا عصر میں ممتاز ہوتے تھے لیکن یہاں تک تابعین اور تبع تابعین وغیرہم کے زیر عنوان صرف اُنہی اکابر امت کا ذکر کیا گیا ہے جن کا وصف غالب علم و فضل میں امتیاز تھا۔ اور اس بنا پر اُن کا شمار محدثین و فقہاء کی صف میں ہوتا ہے۔ اب ہم یہاں چند اُن بزرگوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو اگرچہ علم و فضل کے لحاظ سے زیادہ نمایاں نہ تھے لیکن اُن کا شمار امت مسلمہ کے اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا تھا۔ اور جو اپنے روحانی کمالات کے اعتبار سے ارباب کشف و شہود سمجھے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں بھی اگر استیعاب سے کام لیا جائے تو اس کثرت سے نام ملتے ہیں کہ ان کے حالات میں ایک مستقل ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن ہماری کتاب کی تنگ دامانی مجبور کرتی ہے کہ بطور مشتمل نمونہ انہی وارے۔ اس باب میں بھی صرف چند بزرگوں کا ہی ذکر کیا جائے اور وہ بھی اختصار کے ساتھ۔

ابوبیہ مالک بن دینار البصری

نام و نسب | مالک نام، ابوبیہ کنیت۔ والد کا نام دینار تھا بصرہ کے رہنے والے اور فزاسی بن لوی بن غالب کی ایک عورت کے غلام تھے۔ ان کے والد سحبتان یا کابل کے قیدیوں میں سے تھے۔

علم و فضل | انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ، اخف، شہر بن حوشب، حسن بصری، ابن سیرین، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت کی اور ان سے جن حضرات نے روایت کی ان میں ان کے بھائی عثمان، ابان بن یزید، حارث بن وحیہ، بسطام بن مسلم العوزی، سعید بن ابی عروبہ، عبد اللہ بن شاذب وغیرہم شامل ہیں۔ امام نسائی، اور ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

ولایت و کرامت | لیکن علم و فضل سے کہیں زیادہ ان کی شہرت بحیثیت ایک عظیم المرتبت علیؓ اور بزرگ دین کے ہے۔ چنانچہ ابن العبادؒ نے لکھتے ہیں ”وہ بڑے سردار اور مشہور ولی تھے، علما ابن خلکان فرماتے ہیں ”وہ عالم اور زاہد اور کثیر الودع و التقویٰ تھے۔“ امام نووی بھی ان کو الزاهد التامی لکھتے ہیں۔

۱۔ یہ حالات حسب ذیل کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۵۱، ۱۵۲۔ تہذیب الاسما ج ۲ ص ۸۰، ۸۱ ابن خلکان ج ۱ ص ۳۲۰، ۳۲۱۔ صفحہ ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷۔ ذخرات الذہب ج ۱ ص ۱۷۳۔

تقی و طہارت | اُن کے زہد و وسوسہ کا یہ عالم تھا کہ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کی کتابت کرتے اور اُس سے اپنی معاش حاصل کرتے تھے۔ وہ خود فرماتے تھے ”میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ جو شخص اپنے ہاتھ سے کام کرے، وہ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں نیک نجت اور سعادت مند ہے“

ایک مرتبہ ایک مجلس وعظ میں تشریف رکھتے تھے۔ اس میں واعظ نے ایک قصہ بیان کیا جسے سُن کر لوگوں کی آنکھوں سے میساخۂ آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد بہت کافی مقدار میں کھانا آیا۔ سب لوگ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ حضرت مالک بن دینار سے بھی کہا گیا کہ کھانا تناول فرمایا لیجیے۔ آپ نے انکار کر دیا، اور فرمایا ”اس کھانے کے کھانے کا حق صرف اُن لوگوں کو ہے جو مجلس وعظ میں درپڑے تھے، اور چونکہ میں نہیں رویا اس لیے مجھ کو اس کا حق بھی نہیں ہے۔“

دنیا سے بے تعلقی | جمال خداوندی نے جس خوش نصیب انسان کے دل کو اپنا آشیانہ بنالیا ہو اُس میں دنیا اور اہل دنیا کی محبت والفت کو تھوڑی سی جگہ بھی نہیں مل سکتی۔ حضرت مالک کا حال بھی یہی تھا، انہوں نے کھلے بندوں اعلان کر رکھا تھا کہ ”میرے گھر میں داخل ہو کر کوئی شخص اگر کوئی چیز لینی چاہے تو وہ بے تکلف لے سکتا ہے، وہ اُس کے لیے حلال ہے، مجھ کو نہ اب قفل کی ضرورت ہے اور نہ کنجی کی۔“ آپ بسا اوقات مسجدیں و کنکریاں اٹھا کر فرماتے ”کیا اچھا ہوتا اگر تمام دنیوی ضرورتوں کے لیے صرف یہ کنکریاں میرے لیے کافی ہوتیں اور میں کھانے پینے کی چیزوں سے مستغنی ہو کر ان پر ہی اتکا کر سکتا، کبھی کبھی آپ

عالم جذب میں یہی فرماتے کہ اگر میرے لیے ریت کا پھانکنا یا مٹی کا کھانا درست ہوتا تو میں اس پر ہی قناعت کر لیتا، ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک ساتھی سے فرمائش کی کہ خالص دودھ اور روٹی لائے، اُس نے فوراً قمیص کی حضرت مالک نے دودھ روٹی پر ڈال لیا اور اُسے ہاتھ میں لیکر الٹ پلٹ کرنے لگے۔ پھر زبان گرامی سے روٹی کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا "میں چالیس سال سے اب تک برابر اپنے فتنے کو تجھ سے روکتا رہا ہوں اور خدا کا شکر ہے اس مدت میں اپنے غم میں کامیاب رہا، لیکن افسوس آج تو میرے قریب آگئی ہے اور چاہتی ہے کہ مجھ پر غالب آجائے۔ چل، ہٹ، دودھ ہو، یہ فرما کر آپ نے روٹی ہٹا دی اور اُسے تناول نہیں فرمایا۔

علاوہ ازیں آپ باہر فرماتے تھے "بدن جب بیمار ہوتا ہے تو اُس وقت نہ کھانا اچھا معلوم ہوتا ہے اور نہ پینا، نہ کوئی راحت رہتی ہے، اور نہ نیند کا مزہ حاصل ہوتا ہے پس یہی حال دل کا ہے۔ اُس میں دنیا کی محبت جڑ بکری لیتی ہے تو لاکھ وعظ کیے جائیں کسی کا مطلق اثر نہیں ہوتا، آپ یہ بھی فرماتے رہتے تھے "تم دنیا کے لیے جتنے غمگین ہو گے اُسی قدر آخرت کا غم دل سے کم ہو جائیگا اور تم آخرت کے لیے جتنا غم محسوس کرو گے اتنا ہی دنیا کا غم تمہارے دل سے کم ہو جائیگا۔"

عبدالغزیز بن سلمان کہتے ہیں "میں نے ایک مرتبہ حضرت مالک سے سنا فرمایا ہے مجھے جو شخص پہ جانتا ہے کہ اُس کا انجام موت ہے، اور قبر اُس کا ٹھکانہ مجھے نوحب ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی اس شخص کی آنکھیں دنیوی لذائذ سے کس طرح شاد کام ہو سکتی

ہیں، اور اس دنیا میں اُس کی زندگی کس طرح خوشگوار بن سکتی ہے، یہ فرما کر آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور آپ زار زار رونے لگتے تھے۔ یہاں تک کہ بیوش ہو کر زمین پر گر پڑتے تھے۔ وہ اگر کسی شخص کو دنیوی آسائشوں اور نعمتوں پر سرور دیکھتے تھے تو انہیں رنج اور افسوس ہوتا تھا، اور فرماتے تھے ”خدا کی قسم! آخرت کا غم اور دنیا کی خوشی دونوں کسی ایک شخص کے دل میں جمع نہیں ہو سکتیں“ ابو الحسن البصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت مالک بن دینار جلیانہ کا معائنہ کرنے گئے، وہاں انہوں نے ایک ایسا شخص دیکھا جو ٹیکس (خراج) کی رقم میں خیانت کرنے کے الزام میں محبوس تھا، اور اُس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اس قیدی نے حضرت مالک کو دیکھ کر کہا:-
 حضرت! کیا آپ کو میری اس تکلیف پر رحم نہیں آتا؟ اتنے میں حضرت مالک نے اپنا سر اٹھایا تو انہیں کٹڈی لنگی ہوئی نظر آئی۔ پوچھا ”کس کی ہے“ قیدی نے کہا ”میری ہے“ آپ نے اُس کو نیچے اتر کر دیکھا تو معلوم ہوا اُس میں دبھنے ہوئے مُرغ اور حلوی رکھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے قیدی سے فرمایا ”میاں یہی تو وہ چیزیں ہیں جنہوں نے تمہارے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوائی ہیں، تو پھر غم کس بات کا ہے؟“ آپ نے یہ فرمایا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔

بھوکے بازاروں میں چلتے پھرتے آپ کو مرغوب چیزیں نظر آتیں تو گھر واپس آ کر اپنے نفس سے خطاب کر کے فرماتے تھے ”اے نفس تو خوش رہ کیونکہ میں نے یہ چیزیں تجھ پر حرام نہیں کی ہیں، بلکہ میں تجھ کو صرف اس لیے ان سے روکتا ہوں کہ تیری حرمت

عزت باقی ہے۔

وہ بسا اوقات یہ بھی فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو محبوب بنانا ہر
تو دنیا میں سے اُس کا حق کم کر دیتا ہے تاکہ وہ اُس سے فارغ القلب ہو کر ہمہ تن اللہ
کی طرف متوجہ رہے۔ اور اگر وہ کسی کو ناپسند کرتا ہے تو دنیا کے کسی مشغلہ کا طوق اُس
کی گردن میں ڈال کر فرماتا ہے ”چل ہٹ میرے سامنے سے دور ہو۔ اب میں تجھ
کو سامنے نہ دیکھوں۔“

دنیا سے اس درجہ بے تعلق رہنے کی وجہ سے وہ مال و متاع جہاں میں سے
صرف چند چیزیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ بصرہ میں اُن کے گھر میں آگ لگ گئی۔ آپ
اپنی چادر کا ایک کونہ پکڑے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے۔ لوگوں نے کہا ”حضرت ابگر
کی تو خبر لیجیے، فرمایا ”گھر میں اور رکھا ہی کیا ہے، جو لوگ بھاری بھاری سامان رکھتے
ہیں اُنکے لیے ہلاکت ہے۔ ایک دفعہ آپ کسی سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے سفر
بحری تھا، کشتی گھاٹ کے قریب پہنچی تو ٹیکس وصول کرنے والا کشتی میں آیا اور کہا ”تم
میں سے کوئی شخص اپنی جگہ سے نہلے“ حضرت مالک بن دینار نے یہ سنا تو آپ نے
اپنے کپڑے کا رخسے پر ڈالے اور پھر ایک چھلانگ لگائی تو سید سے زمین پر تھے ٹیکس
وصول کرنے والے نے پوچھا ”یہ کیا، آپ کشتی چھوڑ کر کیوں چلے آئے“ ارشاد ہوا ”میرے
ساتھ کوئی چیز ہی نہ تھی“ وہ بولا ”اچھا تو جائیے“ حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں
”اس وقت میں نے اپنے دل میں کہا کہ بس آخرت کا معاملہ بھی اسی طرح ہوگا۔“

ایک مرتبہ چند ارادتمندوں کی ایک جماعت آپ سے شرف زیارت حاصل کرنے کے لیے رات کے وقت مکان پر حاضر ہوئی، دیکھا کہ گھر میں چراغ نثار رہے۔ اور آپ ایک روٹی کو ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑے رہے ہیں۔ ان لوگوں نے پوچھا ”حضرت! کیا خوب! چراغ بھی موجود نہیں ہے، اور روٹی کھانے کے لیے کوئی سالن بھی نہیں ہے؟“ فرمایا ”بس مجھ کو چھوڑو بھی! خدا کی قسم میں تو ان چیزوں پر ہی نادم ہوں جو میرے پاس پہلے تھیں۔“

خوب خدا | تمام فضائل اعمال اور محاسن اخلاق کی جڑ اور بنیاد خوفِ خدا ہے۔ اس خاص وصف میں حضرت مالک بن دینار کا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ کسی قاری نے آپ کے سامنے آیت اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا تلاوت کی تو اُسے سُنتے ہی آپ پر لرزہ طاری ہو گیا اور زار و قطار رونے لگے۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر تمام اہل مجلس بھی اپنے آپ سے باہر ہو گئے۔ اور انہوں نے بھی رونا پینا اور چھینا چلانا شروع کر دیا، یہاں تک کہ قاری آخری آیت ”فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ“ پہنچا تو آپ کی حالت بالکل ہی دگرگوں ہو گئی اور آپ کے ہوش و حواس جلتے رہے۔ اسی ہی لمحہ کے عالم میں آپ کو گھر پہنچا گیا۔

عبد اللہ بن مرزوق بیان کرتے ہیں ”ایک روز حضرت مالک بن دینار قبرستان میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک جازہ دیکھا جسے دفن کیا جا رہا تھا۔ آپ بھی قبر کے کنارے پر گرا کر ٹھہرے ہو گئے۔ اور جازہ کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر اپنے نفس سے مخاطب ہو کر یوں

ارشاد فرمایا "اے مالک! دیکھ لے، کل تجھ کو بھی ہمیں آنا ہے اور یہاں قبر میں ٹیک لگانے کے لیے تجھے کوئی تکیہ بھی نہیں ملیگا" آپ دیر تک بار بار بھی غم لاتے رہے، یہاں تک کہ بیہوش ہو کر قبر کی آغوش میں گر پڑے۔ لوگوں نے بڑی مشکل سے قبر سے باہر نکالا اور اسی حالت میں آپ کو گھر لے کر گئے۔

خوف خدا کی زیادتی کی وجہ سے خود تو کیا ہنستے، دوسروں کو بھی اگر ہنستے ہوئے دیکھتے تو اُن کی عاقبت فراموشی پر آپ کو قلبی صدمہ اور سنج محسوس ہوتا تھا۔ ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کو خندہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا "اگر مجھ کو بصرہ کے تمام اموال اور بار دیدیے جائیں اور اس کے عوض مجھ سے ہنسنے کا مطالبہ کیا جائے تو میں اُس وقت بھی اسے پسند نہ کروں گا" میرا دل ہنسنے کے لیے فارغ ہو سکے۔

ابو صلح مغیرہ بن ابی جیب حضرت مالک بن دینار کے داماد تھے، ایک مرتبہ ان کو خیال ہوا کہ حضرت مالک کا انتقال ہو جائیگا۔ اور میں اُن کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود ان کے خاص خاص اعمال سے بھی واقف نہیں ہوں گا۔ یہ تو بڑی افسوس کی بات ہوگی اس لیے آج رات کو چھپ کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ حضرت مالک گھر میں رات کے وقت تشریف لائے۔ کھانا اُن کی خدمت میں پیش کیا گیا وہ انہوں نے تناول فرمایا، پھر نازِ طبعی شروع کی۔ اسی حالت میں ان پر حد سے زیادہ رقت طاری ہو گئی۔ اور انہوں نے اپنی داڑھی پکڑ کر کہنا شروع کیا "اے خدا! قیامت کے دن جب تو انگوٹوں اور پھلوں کو جمع کریگا تو اُس وقت مالک بن دینار کے

بڑھاپے کو دوزخ پر حرام کر دیکھو ابو مصلح بیان کرتے ہیں "حضرت مالک اسی جملہ کو بار بار کہتے جلتے تھے، یہاں تک کہ میری آنکھ لگ گئی کچھ دیر کے بعد میں بیدار ہوا تو دیکھا حضرت مالک اسی حالت میں کھڑے ہیں اور اسی جملہ کو بار بار دہرتے جلتے ہیں اور اب شدتِ جزع و فزع سے اس حالت میں اتنا اضافہ اور ہو گیا ہے کہ وہ ایک قدم آگے رکھتے ہیں اور ایک پیچھے۔ ابو مصلح کہتے ہیں "طلوع فجر تک اُن کی یہی حالت رہی۔

ایک دفعہ آسمان پر بادل چھلے ہوئے تھے لیکن بارش ہوتی نہیں تھی لوگ یحییٰ سے بارش کا انتظار کر رہے تھے حضرت مالک نے یہ دیکھ کر فرمایا "تم سب تو بارش کی آس لگائے بیٹھے ہو، لیکن مجھ کو خوف ہے کہ کہیں ان بادلوں سے پتھر نہ برسے لگیں۔ اگر پتھر نہ برسے تو سمجھو بڑی خیر ہوئی اور خدا نے بڑا فضل و کرم کیا"

علم بے عمل کی مذمت حضرت مالک بن دینار کے ارشادات گرامی میں علم بے عمل کی مذمت میں متحدہ جہت انگیز مقولے ملتے ہیں، ایک موقع پر آپ فرماتے ہیں "عالم جب اپنے علم پر عمل نہیں کرتا تو اُس کا وعظ دلوں سے ایسا ہی پھسل جاتا ہے (یعنی کوئی اثر نہیں کرتا) جس طرح بارش کا قطرہ پتھر کی چٹان سے ایک جگہ بے عمل قاریوں کی تمثیل میں آپ فرماتے ہیں۔

اس زمانہ کے قاریوں کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے ایک جال بچھا رکھا ہو اور جال میں گیموں کا کوئی دانہ اُس نے ڈال دیا ہو۔ پھر کوئی چڑیا اُن کے جال کے پاس آئے اور پوچھے "اے جال! تجھ کو زمیں میں کس چیز نے غائب کر دیا ہے" جال جواب دیتا ہے

”تو شخص نے پھر چڑیا پوچھتی ہے ”اچھا تو دہلا کیوں ہو رہا ہے“ کہتا ہے ”زیادہ عبادت کرنے کی وجہ سے“ چڑیا سوال کرتی ہے ”اور تو نے یہ گیہوں کا دانہ کیوں ہلکا رکھا ہے“ جال کہتا ہے ”یہ روزہ داروں کے لیے ہے“ اب چڑیا اس کے حکم میں آکر کہتی ہے ”بیشک تو بہت اچھا چڑیسی ہے“ اس گفتگو کے بعد مغرب کا وقت ہوتا ہے اور چڑیا روزہ انظار کرنے کے لیے جال کے پاس آتی ہے اور جو نہی وہ افطاری لینے کے لیے آگے بڑھتی ہے جال اُس کا گلہ خنڈی لگتا ہے۔ اب غریب چڑیا کہتی ہے ”اگر دنیا میں عبادت کرنے والے سب ایسے ہی ہوتے ہیں تو یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ یہ عبادت گنہگار خیر اور بھلائی سے بالکل محروم ہیں ایک موقع پر آپ نے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ لعلہ یدکما و یخشی :-

”اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارِ فرار (بھاگ جانے کی جگہ) اور آخرت کو دارِ قرار (ٹھہرنے کی جگہ) بنایا ہے پس اے لوگو تم اپنے مقر کے لیے مفر سے توشہ لیتے جاؤ اور قبل اس کے کہ تمہارے بدن دنیا سے نکلیں تم دنیا کو اپنے دلوں سے نکال باہر کرو اور دیکھو تم خود اپنی پردہ ہدی اس ذاتِ مستمع الصفات کے سامنے نہ کرو جو تمہارے تمام بھیدوں سے واقف ہے۔ تم اگرچہ دنیا میں زندگی بسر کرتے ہو لیکن تمہاری تخلیق اس دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا کے لیے کی گئی ہے۔ بس سمجھ لو دنیا کی مثال زہر کی سی ہے جو اُسے جانتا ہے نہیں کھاتا۔ اور جو نہیں پہچانتا وہ اُسے کھا لیتا ہے۔ یایوں کہ وہ دنیا ایک خوبصورت سانپ کی مثال ہے کہ طرح طرح کی دھاریوں اور لکیروں کی وجہ سے حسین معلوم ہوتا ہے لیکن اُس کے

اندھ ہر پوشیدہ ہوتا ہے عقل مند اُس سے بچتے ہیں لیکن بچے سانپ کی جلد پر اُتل ہو کر اُسے اپنے ہاتھ سے پکڑنے لگتے ہیں۔

معرفتِ نفس | معرفتِ نفس عرفانِ ایزدی کا زینہ ہے، اور معرفتِ نفس کی علامت یہ ہے کہ انسان کو کسی مدح سے مسرت ہو اور نہ کسی کی مذمت پر وہ رنج و قلق محسوس کرے حضرت مالک بن دینار کا یہی حال تھا۔ وہ فرماتے تھے ”جب سے میں نے لوگوں کو پہچانا، اس وقت سے میں نے اُن کی مدح پر خوش ہوتا ہوں اور نہ اُن کی مذمت سے بددلی محسوس کرتا ہوں۔ کیونکہ جو شخص مدح کرتا ہے وہ افراط سے کام لیتا ہے اور جو مذمت کرتا ہے وہ تفریط کرتا ہے ثلثت اور غلوں | اُن کا کوئی کام ایسا نہیں ہوتا تھا جس سے وہ تقرب الی اللہ کی توقع نہ کرتے ہوں۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا ”میں دیکھتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے کا آرزو مند رہتا ہے جو خوبصورت ہو۔ اور جس کو اُس کے والدین نے کھلایا کر خوب فریاد اُٹھایا اور گدا زبنا دیا ہو۔ یہ لڑکی اپنے جسم کی موزونیت اور دلکشی کے باعث اس شخص کے دل پر پوری طرح قبضہ چاہتی ہے اور وہ اس کا اطاعت گزار بن کر اُس کی قسم کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے ہمہ اوقات کمر بستہ رہتا ہے لیکن اس کے برخلاف وہ شخص کس قدر خوش نصیب ہے جو ایک کمزور اور یتیم لڑکی سے نکاح کرے، اُس کو کپڑے پہنائے تو اجر ملے۔ اور اُس کے لیے سامانِ زینت و آرائش مہیا کرے تو اُس پر بھی اُس کو اجر و ثواب ملے۔

امر بالمعروف | جن آنکھوں میں جلال و جمال خداوندی بسا ہوا نہیں دنیا کے کسی امیر کو بسا

والی سلطنت و حاکم کی شان و شوکت ایک لمحہ کے لیے خیر نہیں کر سکتی۔ حضرت مالک بن دینار نشہ توحید سے ہر وقت غمور رہتے تھے۔ انہیں کسی کی کوئی حرکت خلاف شریعت نظر آتی تھی تو اُسے اُس کے سامنے برملا کہہ گذرتے اور انجامِ نتیجہ کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بصرہ کا گورنر آپ کے سامنے سے گزرا، دولت و حکومت کے نشہ میں مائل تھا اور اکڑا ہوا۔ حضرت مالک نے یہ دیکھ کر فوراً فرمایا: "اپنی اس طرزِ رفتار کو بدل دو" حاکم بصرہ کے نوکر حضرت مالک کی طرف پکے کہ انہیں اس گستاخی کی سزا دیں لیکن گورنر نے نوکروں کو منع کر دیا۔ اور خود حضرت مالک کی طرف رخ کر کے کہنے لگا: "میں سمجھتا ہوں کہ آپ مجھ کو پہچانتے نہیں ہیں،" آپ نے جواب دیا: "اور جناب! مجھ سے زیادہ آپ کو جانتی والا ہے کون؟ تیرا آغاز ایک نسل پیدا کرنے والا نطفہ ہے اور تیرا انجام ایک بدبودار مردہ جسم ہے، اور آغاز و انجام کا درمیانی زمانہ تیرے کام کرنے کا زمانہ ہے، جیسا کریگا پائیگا، گورنر نے یہ سن کر سر جھکا لیا اور اپنی راہ لی۔

وفات ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔ وفات کا واقعہ بھی نہایت عبرت انگیز ہے۔ انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ ایک شخص نے اصرار کیا کہ خواب سنا دیجیے۔ آپ نے بیان کرنا شروع کیا۔ بیان کرتے کرتے انتہا درجہ کی رقت طاری ہو گئی، زار و قطار رونے لگے، ہمنہ سے چیخیں نکلتے لگیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہو جگر پھٹ گیا ہے۔ اسی عالم میں انہیں گھر پہنچایا گیا، کچھ دنوں تک بیمار رہے۔ دوست احباب اور عقیدت مند حیات کے لیے آتے تھے۔ آخر کار اسی مرض میں انتقال ہو گیا۔

مرتے وقت خدا کا خوف اس درجہ غالب تھا کہ وفات سے چند لمحے پیشتر فرمایا
 اگر مجھ کو بدعت طرازی کے جرم کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اپنے متعلقین کو ہدایت کرتا کہ مرنے
 کے بعد وہ میرے ہاتھ پاؤں میں زنجیر ڈالیں اور میرے ہاتھوں کو گردن کے پیچھے لجا کر
 باندھ دیں۔ پھر اسی حالت میں مجھ کو دفن کر دیا جائے تاکہ میں قیامت کے دن خدا کے
 سامنے حاضر ہوں تو ایک بھگوڑے غلام کی طرح حاضر ہوں۔

ابو محفوظ معروف بن فیروز الکرخیؒ

نام و نسب | معروف نام، ابو محفوظ کنیت، والد کا نام فیروز یا فیروزان تھا۔ بغداد میں ایک
 محلہ ہے کرخ وہاں کے باشندہ تھے، اس لیے کرخی کہلاتے ہیں۔

عام حالات | حضرت معروف کا شمار اگرچہ علماء اور محدثین میں نہیں ہے، لیکن درحقیقت
 وہ بجز ناپید انکار روحانیت و معرفت کے ایسے کامیاب شاعر تھے کہ ان کی اس صفت
 کے سامنے علم ظاہر کے کمال کی کمی کچھ زیادہ محسوس نہیں ہوئی۔ ان کا شمار کبار اولیاء اللہ
 میں ہوتا ہے۔ ان کی نظر حقیقت آشنائی، مجاز کے حجابات راہ میں حائل نہیں ہو سکتے تھے
 ان کا علم قیاس و تخمین کی حد بندیوں سے بہت بلند، ایمان و یقین کی طمانیت غشیوں سے

لے یہ سب حالات تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۴۲ اور تاریخ خطیب بغدادی ج ۱۳ از صفحہ ۱۵۹ تا صفحہ ۲۰۸ اور
 صفحہ الصفحہ ج ۲ از صفحہ ۱۵۹ تا صفحہ ۱۸۳ سے ماخوذ ہیں۔ علامہ ابن جزری لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت معروف
 کرخی کے حالات میں اب تک ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔

صد آفتاب در کنار تھا۔ حضرت علی بن موسی الرضا کے غلام تھے۔

بچپن [بچپن سے ہی ایسے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آگے چل کر زمانہ کی ایک نادر شخصیت بننے والے ہیں۔ ان کے والدین عیسائی تھے اپنے دستور کے مطابق انہوں نے حضرت معروف کو ایک عیسائی معلم کے پاس پڑھنے کے لیے بٹھا دیا۔ ان کا استاد کہتا "کو، خدا تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے" لیکن فرماتے "نہیں بلکہ وہ ایک ہی ہے" معلم عیسائی تھا، اور سخت متعصب۔ ایک بچہ سے اپنے عقیدہ کے خلاف یہ جملہ کس طرح سن سکتا تھا، غضبناک ہو کر وہ انہیں سخت زد و کوب کرتا، کٹکٹر زیادہ بڑھی تو حضرت معروف اپنا گھر چھوڑ کر نکل بھاگے۔ ماں باپ کو اور خصوصاً ماں کو یہ محبت تھی۔ فرقت پسرنا قابل برداشت ہو گئی تو دونوں نے کہنا شروع کیا اے کاش معروف واپس تو آجائے، ہم بھی وہی دین اختیار کر لینگے جسے وہ اختیار کر چکا ہے۔ اور اس معاملہ میں اس کا اتباع کرینگے۔" چنانچہ معروف کئی سال تک وادیِ عنبت میں دشتِ پیائی کتے رہے۔ توفیق خداوندی نے اچھ پکڑا۔ تبلیغ اسلام کے جوش نے حوصلہ دلایا، گھر کی اصلاح کے جذب نے ہمت کو ابھارا، پہلے خود حضرت علی بن موسی الرضا کے دست مبارک پر اقاعدہ مشرف باسلام ہوئے، پھر والدین کے گھر کا رخ کیا۔ دروازہ پڑھنے پر گندمی کھٹکھٹائی۔ اندر سے آواز آئی "کون ہے؟" انہوں نے جواب دیا "میں ہوں معروف" پوچھا گیا "کس دین پر؟" بولے "علی الاسلام" اسلام پر یہ سنتے ہی ماں باپ اپنے قول کے مطابق اسلام لے آئے۔ اس طرح یہ کتب سے بھاگا ہوا بچہ دو سنجیدہ اور عقل فہیم بوڑھوں کی

رجوع کرے۔ اور اُس کے ماسوا کسی اور سے اپنی کوئی حاجت متعلق نہ سمجھے حضرت معروف ایک دفعہ کوفہ کے بازار سے گزر رہے تھے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ اُس عہد کے مشہور واعظ ابن السہاک وعظا کھڑے ہیں۔ یہ بھی سننے کھڑے ہو گئے۔ اُس وقت ابن السہاک کہہ رہے تھے جو شخص اللہ سے بالکل اعراض کرتا ہے۔ اللہ اُس سے بالکل اعراض کر لیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی طرف اپنے دل سے متوجہ ہوتا ہے۔ اللہ بھی اُس کی جانب کامل التفات فرماتا ہے۔ اور جو شخص کبھی کبھی اللہ کو یاد کر لیتا ہے۔ اللہ بھی اُسے کبھی کبھی یاد کرتا ہے۔ حضرت معروف کرخ کا بیان ہے ”میں اس وعظ سے بے انتہا متاثر ہوا۔ اور میں نے آئندہ کے لیے عزم باجزم کر لیا کہ اب اپنے مولیٰ حضرت علی بن موسیٰ الرضا کی خدمت کے علاوہ دنیا کی کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کروں گا اور ہمہ تن خدا کی طرف ہی متوجہ رہوں گا یہاں سے روانہ ہو کر میں حضرت علی بن موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن کو یہ پوری سرگذشت سنائی تو انہوں نے فرمایا ”اگر آپ نصیحت پذیر ہونا چاہیں تو یہی ایک نصیحت آپ کے لیے بہت کافی ہے“ واقعات سے ثابت ہے کہ حضرت معروف کی تمام زندگی اس اثر سے آخر دم تک روشن رہی اور وہ فنا فی التوحید کے جام جاں نواز سے ایسے سرشار دست ہوئے کہ غیر اللہ سے انہیں کوئی علاقہ ہی نہیں رہا۔

ایک شخص نے اُن سے کسی نصیحت کی درخواست کی، آپ نے فرمایا ”اللہ پر توکل کرو، یہاں تک کہ وہ تمہارا مجلسِ مزامیس بن جائے۔ اور وہی تمہاری شکایتوں کا مرجع ہو۔ اور تم موت کا ذکر زیادہ کرو جس کی وجہ سے تمہارا مجلسِ سوائے خدا کے کوئی اور ہو ہی نہ سکے

اور ہاں یہ سمجھ لو کہ لوگ تم کو نہ فسخ پہنھا سکتے ہیں نہ ضرر۔ وہ تم کو کوئی چیز دے سکتے ہیں اور نہ کسی چیز سے منہ کر سکتے ہیں۔

رحمتِ خداوندی پر بھروسہ اس ننانا فی التوحید کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ خدا کی رحمت کے تصور سے بار بار اپنے دل کو تسکین دیتے اور یاس و ناامیدی کو غالب نہیں ہونے دیتے تھے وہ بسا اوقات علی الصبح اٹھ کر یہ شعر پڑھتے تھے۔

ای شیء ترید منی الذنوب شفقت بی فلیس عنی تعیب
ما یضر الذنوب لو اعتقتنی رحمتی لی فقد علانی اللشیب
ترجمہ: ان گناہوں نے تو میرے تعلق ارادہ کس چیز کا کیا ہے۔ یہ مجھ سے چھٹ گئے
ہیں اور غالب نہیں ہوتے، اچھا! اگر اللہ کی رحمت نے مجھ کو آزاد کر دیا تو اب جبکہ مجھ پر بڑھاپا
غالب ہو گیا ہے، یہ گناہ مجھ کو کیا نقصان پہنچا سکیں گے۔

دعا بخیر اور دوسروں کو اگر بُرے کاموں میں مبتلا دیکھتے تو ان کے حق میں دعا بد نہیں بلکہ ہمیشہ دعا بخیر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ سانسے سے چند رنگین مزاج نوجوان ایک کشتی میں بیٹھے ہوئے گاتے بجاتے اور شراب کے جام چھلکاتے ہوئے گزر رہے تھے۔ یہ منظر اندوہیں دیکھ کر آپ کے ساتھیوں نے کہا حضرت! آپ ملاحظہ نہیں فرماتے، یہ لوگ پانی میں اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ آپ ان کے حق میں دعا بد کیجیے، حضرت معروف کرخیؒ نے آسمان کی جانب ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی
سوائے میرے معبود، اے میرے آقا و مولا، میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو ان کو جنت کی

سرسنیں بھی اسی طرح عنایت فرما جس طرح تو نے ان کے لیے دنیا کی ستریں ارزاں کر رکھی ہیں آپ کے ساتھیوں نے کہا ”ہم نے تو آپ سے عرض کی تھی ان کم بختوں کے لیے دعا بربد کیجیے۔“ آپ نے ارشاد فرمایا ”اللہ تعالیٰ جب آخرت میں ان کے لیے سامانِ فرحت پہنچا دے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اُس نے دنیا میں اُن کے گناہ معاف کر دیے ہیں (اس سے ان غریبوں کا بھلا ہو جائیگا) اور تمہیں کوئی نقصان پہنچایا نہیں۔“

عبادت کا اخلا شب روز عبادتِ الہی میں مصروف رہتے تھے لیکن اُس کا اظہار نہ کرتے تھے اور حتیٰ الوسع کسے غفی رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ واقعی طور پر صائم النہار اور قائم اللیل تھے۔ اُن کے مرضِ وفات میں ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے پوچھا ”آپ اپنے روزوں کی نسبت مجھ سے کچھ بیان فرمائیے“ کہنے لگے ”حضرت عیسیٰؑ ایسا ایسا روزہ رکھتے تھے“ سائل بولا ”میں آپ کے روزہ سے متعلق سوال کرتا ہوں“ فرمایا ”حضرت داؤدؑ اس طرح روزہ رکھتے تھے“ پھر سائل نے وہی کہا کہ میں تو آپ کے روزوں کی نسبت پوچھ رہا ہوں۔ آپ نے جواب دیا ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح روزہ رکھتے تھے“ اس مرتبہ سائل نے پھر اسی سوال کا اعادہ کیا تو آپ نے فرمایا ”راہیں! تو ہمیشہ روزہ سے رہتا تھا، لیکن اگر کوئی شخص میری دعوت کرتا تو میں کھانا کھا لیتا تھا اور یہ نہیں کتنا تھا کہ میں روزہ سے ہوں۔“

محمد بن منصور کی روایت ہے کہ میں نے ایک دن حضرت معروف کی خدمت میں حاضر ہو کر دیکھا کہ اُن کے چہرہ پر زخم کا کوئی نشان ہے، میں نے پوچھا کہ اُن سے اس کی وجہ

صیافت کہیں لیکن اُن کے رعب و جلال کی وجہ سے ہمت نہ ہوئی۔ اُن کے پاس ایک اور شخص بھی بیٹھا ہوا تھا جو مجھ سے زیادہ جری تھا، اُس سے نہ رہا گیا اور اس زخم کا سبب پوچھ ہی بیٹھا۔ حضرت معروف نے بات کو ٹلنے کے لیے فرمایا: ”بھائی تم اپنا کام کرو۔ اس نوع کے سوالات سے تم کو کیا فائدہ پہنچے گا؟“ اُس نے دوبارہ پھر اصرار کیا۔ اس مرتبہ بھی حضرت معروف نے وہی جواب دیا۔ مگر جب تیسری مرتبہ اُس نے سوال کیا اور زیادہ اصرار کے ساتھ تو اب آپ کو فرما پڑا: ”میں گزشتہ رات بیت اللہ احوال چلا گیا تھا۔ جب بیر زمرم پر پانی پینے کے لیے حاضر ہوا تو وہاں میرا دُوس پھسل گیا اور میرا چہرہ دروازہ سے ٹکرا گیا۔ یہ نشان اُسی وجہ سے ہے۔“ اس واقعہ سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معروف صاحبِ کرامت بزرگ تھے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے احوال و مزایا کا اخفا بہت کرتے تھے۔

مقبوریت دعار | وہ مستجاب الدعاء تھے۔ اُن کے زمانہ میں ایک شخص خلیل الصیاد نامی تھے۔ اُن کا بیٹا ایک دفعہ گھر سے نکل کر انبار پہنچ گیا۔ ماں بہت پریشان تھی۔ خلیل نے حضرت معروف کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا ماجرا سنایا اور لڑکے کی واپسی کے لیے دعار کی درخواست پیش کی۔ آپ نے دعار کی ”اے اللہ! کوئی مشبہ نہیں آسمان، تیرا آسمان ہے، اور زمین تیری زمین ہے، اور جو کچھ زمین و آسمان کے درمیان ہے وہ بھی تیرا ہی ہے، تو اس لڑکے کو یہاں پہنچا دے“ خلیل کہتے ہیں ”میں اس کے بعد باب الشام تک ہی آیا تھا کہ دیکھتا کیا ہوں کہ لڑکا کھڑا ہوا ہے۔“

رحمتِ خداوندی کی جستجو و طلب | ہمیشہ رحمتِ ایزدی کی طلب و جستجو میں سرگرم رہتے تھے ایک مرتبہ ایک

سقہ کے پاس سے گزر رہے تھے وہ کہہ رہا تھا "اللہ اُس پر رحم کرے جو اس پانی کو پنی کر جائے"
حضرت معروف اُس وقت روزہ سے تھے، لیکن یسُن کرتے گئے بڑھے اور پانی پنی کر فرمانے
لگے "کیا عجب ہے اللہ تعالیٰ اس سقہ کی دعا کو ہی قبول فرمائے"

حضرت علی بن ابی طالب | اخلاق فاضلہ میں سے ایک بڑا خلق یہ ہے کہ انسان کے دل میں اپنے
ہم جنسوں کے لیے جذبہ محبت و انسیت ہو یا اور وہ اُن کے دکھ درد میں پورا شریک بنا رہے۔
حضرت معروف کی ذات اس خلق عظیم سے بھی بہرہ وافر رکھتی تھی، حضرت سیری فرماتے تھے
"تم مجھ میں جو کچھ دیکھتے ہو وہ سب حضرت معروف کی برکات ہیں۔ میں ایک مرتبہ عید کی غار
سے واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں حضرت معروف مل گئے۔ اُن کے ساتھ ایک لڑکا تھا، پر لگا
ہوا، آشفتمند۔ میں نے پوچھا "حضرت! یہ کون ہے؟" ارشاد ہوا "سب بچے کھیل رہے تھے
یہ غریب دلگرفتگی کے ساتھ ایک طرف الگ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا "میاں
تم کیوں نہیں کھیلتے؟" بچہ بولا "میں یتیم ہوں" یسُن کر حضرت معروف نے بچہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے
ساتھ لے آئے۔ وہ اس سے بڑی محبت کرتے تھے اور اُس کی دیکھوئی کے لیے اخروٹ اور
بادام کے مغز جمع رکھتے تھے۔"

علم و فضل | حضرت معروف کا شمار اگرچہ کیا اور لیا اللہ میں ہوتا ہے اور وہ زیادہ تر اسی حیثیت
سے روشناس ہیں لیکن علم لدنی اور معرفت روحانی کے علاوہ وہ علم ظاہر میں بھی کم نہیں تھے
علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل اُن کے پاس لکھ
(مسلے مسائل یا احادیث) لکھتے تھے لیکن حق یہ ہے جس کا آئینہ قلب جمال حقیقت کی ضیاء

سے عکس پذیر ہو رہا جو اُس کے لیے علومِ ربیہ و ظاہریہ کی ایسی ضرورت ہی کیسا ہے اور اگر نہیں
 ان چیزوں کی کمی پائی بھی جائے تو اُس کے کمالاتِ معنوی و روحانی کے مقابلہ میں وہ
 چنداں قابلِ اعتنا نہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل کی مجلس میں حضرت معروف
 کا ذکر آیا۔ ایک شخص بول اُٹھا ”وہ تو کوتاہِ علم ہیں“ امام احمد کو یہ سنکر تابِ سکوت نہ رہی۔
 آپ نے فرمایا ”اے شخص خاموش رہ! خدا تجھ کو معاف کرے۔ حضرت معروف جن حقیقیوں
 سے آشنا ہیں کیا علم کا مقصد اُن کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟“ ایک دفعہ امام احمد بن حنبل کے
 صاحبزادہ نے اپنے پدر بزرگوار سے پوچھا ”کیا حضرت معروف عالم بھی تھے؟“ آپ نے
 درشا فرمایا ”اے بیٹے! كَانَ مَعَهُ رَأْسُ الْعِلْمِ، خَشْيَةُ اللَّهِ“ اُن کے پاس تو علم کی جڑ
 تھی سنی خدا کا خوف۔

کراماتِ دنیائی | علامہ بغدادی نے کراماتِ معروف کا ایک مستقل عنوان قائم کر کے حضرت
 معروف کرخی کے چند حیرت انگیز واقعات نقل کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بڑے
 صاحبِ کرامات بزرگ تھے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ انتہا درجہ کے فیاض
 سیرت، سہرورِ خلائق، اور مصیبت زدوں کے مددِ معاون تھے۔ ابو العباس اللہود
 بیان کرتے ہیں کہ میرے پردوس میں ایک ہاتھی رہتا تھا۔ یہ غریب نہایت مفلوک الحال
 اور عسرت زدہ تھا، ایک دن اس کے گھر میں ایک بچہ کی ولادت ہوئی۔ بیوی نے تنگ
 آکر کہا ”اس وقت میری جو کچھ حالت ہے تم پر اچھی طرح روشن ہے۔ صبح کو کھانے کے لیے
 کچھ نہیں ہے۔ اور میری ناطقاتی حد سے زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ

کھاؤں، اس وقت رات زیادہ گند چکی تھی۔ تو کل بغدادیہ غریب ہاشمی طلبِ رزق میں اسی
 وقت گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ایک بقال کے پاس آیا۔ اُس کو اپنی داستانِ مصیبت سنائی
 اور بطور قرض کچھ چیزیں طلب کیں۔ ہاشمی بقال کا پہلے سے مقروض تھا۔ اُس نے مزید قرض
 دینے سے انکار کر دیا۔ یہاں سے مایوس و ناکام ہو کر ہاشمی غریب نے ایک دوسرے بقال
 کی جواکان کا رخ کیا۔ اس سے پہلے سے کچھ جان پہچان تھی لیکن یہاں بھی وہی صورت
 پیش آئی۔ اب اس حسرت زدہ و ناکام کی سرسبکی و پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ زمین اپنی
 تمام وسعتوں کے باوجود تنگ نظر آتی تھی اور کوئی تدبیر اس فشارِ اِلم سے بچنے کی سمجھ میں نہ آتی
 تھی، اسی عالمِ حیرت و بخودی میں دریاےِ دجلہ کی طرف رخ کر دیا۔ لبِ ساحل پہنچ
 کر نہ کہ ملاح بغداد کے مختلف محلوں کا نام لے لے کر پکار رہا ہے کہ کسی کو ان محلوں میں سے
 کسی محلہ میں جانا ہو تو کشتی میں آجائے۔ ہاشمی نے ملاح کو آواز دی۔ اُس نے اپنی کشتی کنار
 سے لگا دی۔ ملاح نے پوچھا کہاں جاؤ گے؟ ہاشمی بولا ”مجھ کو پتہ نہیں، ملاح کہنے لگا میں نے
 تم سے زیادہ عجیب و غریب کوئی شخص کب تک نہیں دیکھا۔ ایسے ناوقت میں تم کو اپنی کشتی
 میں بٹھا کر لیجا رہا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ کہاں جاؤ گے۔ تم جواب دیتے ہو مجھے معلوم نہیں
 مظلومیت کے احساس نے دل و جگر کو محرومی و ناکامی کے دھوئیں سے دھان زار بنا دیا
 آنکھیں پریم ہو گئیں اور ہاشمی نے مجبور ہو کر ملاح کو بھی اپنی داستانِ غم کہہ سنائی۔ ملاح کا دل
 سچ اٹھا اور اُس نے تسلی دیتے ہوئے کہا ”گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں (صحاب السلاج کے
 محلہ میں پہنچائے دیتا ہوں، وہاں امید ہے تمہیں اپنے مقصد میں کامیابی ہوگی چنانچہ ملاح

ہاشمی کو لے کر اصحاب الساجدہ کی ایک مسجد میں آیا جہاں حضرت معروف کرخی تشریف رکھتے تھے۔ ہاشمی نے ملاح کی ہدایت کے بموجب وضو کیا، اور مسجد میں داخل ہو کر حضرت معروف کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ حضرت معروف اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد وہ ہاشمی کی طرف متوجہ ہوئے۔ علیک سلیک کے بعد آپ نے حال پوچھا، اور یہاں ایسے وقت میں آنے کی وجہ دریافت کی۔ ہاشمی نے اپنا پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے یہ سن کر پھر اپنی نماز شروع کر دی اتنے میں بادل اُٹے اور اس زور کی بارش برسی کہ جل تھل بھر گئے مفلسی میں آٹا گھلا۔ بچاے ہاشمی کے ہر سے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ بیوی کو مفلسانہ زچگی کے عالم بیکسی میں تنہا چھوڑ کر آیا تھا، مقصد ابھی تک حاصل نہیں ہوا تھا کہ رات تیرہ وتار، مسافت بعید، اور بارش موسلا دھار اب غریب کے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ فقر و فاقہ کے ساتھ ہی سہی، اپنی بیوی کے پاس تو پہنچ جائے۔ ہاشمی کا تو سن کر خیال فرط غم و الم میں انہی افکار پریشاں کے تھپیڑوں سے کھیل رہا تھا کہ یکایک مسجد کے دروازہ پر کسی سواری کی آہٹ محسوس ہوئی۔ چند لمحوں کے بعد ہی دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، اور حضرت معروف کرخی کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا ”میں فلاں شخص کا بھیجا ہوا قاصد ہوں۔ وہ صاحب آپ کے سلام کہتے ہیں، اور کہتے ہیں ”میں اپنے بستر پر سو رہا تھا، جسم پر فقط بنیان تھا، کہ ناگاہ میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے اوپر اشد کی ایک بڑی نعمت دیکھی۔ اب میں اسی کے شکرانہ میں آپ کے پاس یہ پانسو دینار کی ایک تمبیلی بھیج رہا ہوں، آپ اسے مستحقین میں تقسیم

کر دیجیے، حضرت معروف نے قاصد سے فرمایا ”تم یہ تیلی ان کو رہنمائی کو دیدو“ قاصد نے حکم کی تعمیل کی۔ ہنسی نے خوش ہو کر یہ تیلی کمر سے باندھی، اور کچھ اور گارے میں بکھتا، چلتا پھرتا رہی شکل سے بقال کی دکان پر آیا، اور یہاں سے شہد، شکر، خیرہ، چاول، اور روغن لے کر گھر آیا یہاں بیوی شدت انتظار میں جاں بلب ہو گئی تھی۔ ہنسی کو دیکھتے ہی بڑا بھلا کہنے لگی تب ہنسی نے اپنی پوری سرگزشت سنائی جس سے بیوی کی جان میں جان آئی۔ دونوں نے مل کر حضرت معروف کو رخصتی کر دیا۔ ہنسی نے ان دنائیر سے ایک جائدا خرید لی۔ فقر و مصیبت کے دن ختم ہوئے۔ اور پہلے جس گھر میں فلاکت و افلاس کا دور دورہ تھا وہ اب مسرت و شادمانی کا گہوارہ بن گیا۔

اسی طرح کا ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص حضرت معروف کو رخصتی کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا ”رات میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بچہ کی نگاہ آپ پر پڑے اور وہ میرے لیے سراپہ سعادت و برکت ہو۔ حضرت معروف نے فرمایا ”تم سو مرتبہ تمنا شاء اللہ کان“ پڑھو۔ یہ شخص سو مرتبہ پڑھ چکا تو آپ نے پھر دوبارہ اس کو سو مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا۔ غرض یہ ہے کہ اس طرح اس شخص نے پانسو مرتبہ یہ وظیفہ پڑھا۔ اس دفعہ یہ وظیفہ تمام ہوا ہی تھا کہ خلیفہ ہارون رشید کی مشہور بیوی زبیدہ کا ایک نوکر پانسو مرتبہ کی ایک تیلی لیے ہوئے حاضر ہوا۔ اور ملکہ کی طرف سے سلام و پیام پہنچاتے ہوئے کہنے لگا آپ ان درابم کو مستحقین میں تقسیم کر دیجیے۔ حضرت معروف نے یہ تیلی سب کی سب اس شخص کو دیدی، اور فرمایا ”اگر تم وظیفہ پانسو مرتبہ سے زیادہ پڑھتے تو تمہیں روپیہ بھی اس سے

زیادہ ملے۔

اسی سلسلہ میں ایک پر لطف و عجیب یہ واقعہ ہے کہ حضرت معروف کے خاندان میں کوئی تقریب شادی تھی۔ ان کے بھائی نے ان کو دکان پر بٹھا دیا تاکہ وہ اُسکی رکھوالی اور نگرانی کریں۔ یہاں سائلوں کا ناقابل بندہ گیا، اور حضرت معروف کسی سائل کو رد کرنا چاہا نہیں تھے جو آیا اور اُس نے جتنا مانگا وہ اُس کے حوالہ کر دیتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ دکان آٹے سے خالی ہو گئی۔ حضرت معروف کے بھائیوں نے پوچھا ”آٹا کیا ہوا؟“ آپ نے فرمایا ”بٹاؤ آٹا کتنے کا تھا۔ وہ دیکھو اُس صندوق میں اُس کی تمام قیمت محفوظ ہے۔ حضرت معروف کے بھائیوں نے صندوق کھول کر دیکھا تو واقعی اُس میں تمام آٹے کی قیمت جمع تھی۔

ایک یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جو محمد بن منصور الطوسی کا خود بیان کیا ہوا ہے کہ ہتر ہیں میں نے ایک مرتبہ روزہ رکھا اور عہد یہ کیا کہ سوائے مال طیب کے کسی اور چیز سے روزہ افطار نہیں کروں گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پے بہ پے تین دن گزر گئے اور محمد کو روزہ افطار کرنے کے لیے کوئی طیب چیز نہیں ملی جب چوتھا دن ہوا تو میں نے دل میں عزم باہترم کیا کہ آج شب کو کسی بزرگ کے ہاں جا کر جن کا کھانا سر بسر حلال و طیب ہو روزہ افطار کروں گا، چنانچہ میں حضرت معروف کرخ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہیں سلام کیا، اور پاس ہی جا کر بیٹھ گیا۔ آپ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد مسجد سے باہر آئے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ”اے طوسی! تم اپنے بھائی کے پاس جاؤ اور شب کا کھانا بھی اُن کے ساتھ ہی کھاؤ“ طوسی کا بیان ہے ”میں نے اپنے دل میں کہا کہ چار دن تو ہو گئے

سلسلہ روزہ رکھتے ہوئے اور اب بھی پتہ نہیں کہ کھانا کس قسم کا کھانا پڑیگا۔ حضرت معروفؓ کرفی سے میں نے عرض کیا ”حضرت! میرے پاس طعام شب ہے کہاں؟“ لیکن آپ نے میرے کہنے پر کچھ توجہ نہیں کی اور پھر اسی بات کا اعادہ کیا۔ میں نے بھی اُس کے جواب میں وہی کہا۔ دو مرتبہ ایسا ہی ہوا، تیسری بار پھر یہی گفتگو ہوئی تو حضرت معروفؓ میرا جواب سن کر تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہے، اور اس کے بعد ارشاد فرمایا ”اچھا تم میرے پاس آؤ“ میں ضعف و نقاہت کی وجہ سے بیدم ہو رہا تھا، بہ مشکل تمام اُٹھا اور حضرت کرفی کے بائیں جانب جا کر بیٹھ گیا۔ حضرت معروفؓ نے میرا داہنا ہاتھ پکڑا اور اُس کو اپنے بائیں ہاتھ کی آستین میں داخل کر دیا۔ مجھ کو آستین میں ایک سفرجل ملا جس پر دانت سے کاٹنے کے نشانات تھے۔ میں نے اُسے کھایا تو اُس کا ذائقہ عجیب و غریب تھا میں نے آج تک اس طرح کا کوئی میوہ نہیں کھایا۔ اور اس میوہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اُسے کھا کر میں پانی سے مستفی ہو گیا۔“

ہر پونہ سہری حضرت معروفؓ اپنے باطنی و روحانی کمالات کی وجہ سے اس درجہ ہر الغرینہ تھے کہ لوگ اپنے بچوں کا نام ان کے نام پر رکھتے تھے اور مقصد یہ ہوتا تھا کہ شرفِ ہنہائی سے برکت حاصل کریں۔ حضرت سفیان بن عیینہ کی خدمت میں بغداد کا ایک وفد حاضر ہوا، آپ نے اُس سے پوچھا ”کہاں سے آئے ہو؟“ انہوں نے جواب دیا ”بغداد سے“ بغداد کا نام سن کر آپ نے دریافت کیا ”تمہارے عالمِ اہل کا کیا حال ہے؟“ اہل وفد نے پوچھا ”وہ کون؟“ حضرت سفیان نے فرمایا ”ابو محفوظ معروفؓ“ بغدادیوں نے کہا ”وہ

بجائیت ہیں۔ حضرت سفیان نے ارشاد فرمایا ”جب تک وہ بغداد میں ہیگواہل بغداد
بجائیت ہیگئے۔“

وفات | سنہ ۲۱۸ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ بغداد میں ان کا مزار پرانوار
بہت مشہور ہے، لوگ اُس سے برکت و سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ابراہیم اُکھری کا
بیان ہے ”معروف کی قبر ایک آزمودہ تریاق ہے۔“

ابو بشر صالح بن بشیر المری

نام و نسب | صالح نام، ابو بشیر کنیت، والد کا نام بشر تھا جو عربی الاصل تھے لیکن ان کی ماں
خراسانی تھیں اور نام میمونہ تھا۔ صالح بنومرو بن الحارث کی ایک عورت کے ملوک غلام
تھے ان کی مالکہ نہایت نیک بخت اور ستودہ صفات خاتون تھیں۔ صالح کو بچپن
میں ہی تعلیم کے لیے ایک کنڈی شخص کے مکتب میں داخل کر دیا تھا۔ وہاں ایک دن
صالح کی مکتب کے کسی بچے سے لڑائی ہو گئی۔ بچے کے باپ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو غصہ
میں بھرا ہوا مکتب میں آیا، صالح کے بال پکڑ کر زد و کوب کیا، اور گالی دیتے ہوئے کہا آ
غلام جیٹ ”صالح کو اتنا مارا کہ اُن کی پیشانی سے خون بہنے لگا۔ یہ روتے ہوئے اپنی مالکہ
کے پاس آئے اور ساری داستان کہہ سنائی۔ مالکہ کو ان کی حالت زار پر رحم آگیا، اور اُس
نے ان کو اور ان کے بھائی کو دونوں کو آزاد کر دیا۔

تسلیم علم جیسا کہ اوپر گند چکا ہے، صلح پچن میں ہی تعلیم کے لیے ایک کتب میں بٹھا دیے گئے تھے۔ یہاں اُس زمانہ کے دستور کے مطابق انہوں نے تھوڑی بہت تعلیم حاصل کی، پھر بڑے بڑے محدثین کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے حدیث کا سماع کیا۔ چنانچہ انہوں نے جن بزرگوں سے روایت کی ہے ان میں یہ حضرات بھی ہیں، حسن بھری، ابن سیرین، قتادہ، ہشام بن حسان، سعید الجہری، ابو عمران الجونی، سلیمان التیمی لیکن حق یہ ہے کہ حدیث ان کا خاص فن نہیں تھا۔ اور نہ یہ اس اعتبار سے اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ امام بخاری اور ابن عدی ان کو منکر الحدیث قرار دیتے ہیں اور ابن حبان نے انہیں ضعیف میں شمار کیا ہے۔

زہد و اتقا ان کا اصل زیور اور طغرائے امتیاز زہد و اتقا، خشیت ربانی، اور وعظ گوئی تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ حدیث میں ثقاتِ محدثین کا مرتبہ عظمیٰ حاصل نہیں کر سکے۔ ابن حبان کا بیان ہے "صالح بن بشیر المری بصرہ کے بڑے عبادت گذار اور مشہور قاریوں میں سے تھے، اور یہ وہی ہیں جن کو صالح بن بشیر الناجی کہا جاتا ہے۔ ان کی آواز میں ہلادد تھا، اور طن کی قرأت بڑی اثر انگیز ہوتی تھی۔ ان پر خیر و صلاح کا اتنا غلبہ تھا کہ وہ حفظ حدیث میں بے غلطی حاصل کرنے سے بھی قائل کرتے تھے۔ اور حسن اور ثابت البہانی اور اسی نوع کے دوسرے اصحاب سے محض توہم کی بنا پر روایتیں نقل کر دیتے تھے۔ اسی بنا پر ابو اسحاق الجہری نے کہا ہے "اگر صالح بن بشیر کسی روایت کو بیان کرتے وقت ارسال کریں یعنی

یعنی اصل راوی کا نام نہ بتائیں تو ممکن ہے انہوں نے صحیح حدیث بیان کی ہو، ورنہ اسناد نقل کریں تو ان سے بچنا چاہیے۔

خوفِ خدا | ان پر خوفِ خدا کا بید غلبہ تھا۔ عفان کا بیان ہے: "کان شدید الخوف من اللہ کثیر البكاء" ایک مرتبہ انہوں نے خود بیان کیا "رونے کے بہت سے اسباب ہیں ان میں سے ایک سبب اپنے گناہوں کا خیال اور ان میں غور و فکر ہے۔ اگر نفس اس غرور فکر سے ہی گناہوں سے باز آجائے تو سبحان اللہ! ورنہ پھر تم اُس کو روزِ محشر کی یاد دلاؤ۔ دوسرا سبب قیامت کے شدا ئدِ محن کا تصور ہے۔ اگر نفس اسی سے نصیحت پذیر ہو جائے تو خیر! ورنہ پھر تم یاد کرو اُس وقت کیا حالت ہوگی جبکہ تم کو دوزخ کے طبقات میں الٹ پلٹ ہونے کے لیے چھوڑ دیا جائیگا۔ حضرت صالح نے اتنا ہی کہا تھا کہ ان پر رقت طاری ہوگئی، دائیں مار مار کر روئے لگے، اور بیہوش ہو گئے۔ اُن کی اس حالت کو دیکھ کر مسجد کے گوشوں میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی چیخ اُٹھے اور مسجد کا صحن ایک عرصہ آہ و بکا بن گیا۔

وعظ گوئی | چونکہ وہ خود بڑے صاحبِ باطن اور اہلِ دل تھے، اور ہر وقت خدا کی عظمت و جلالت کے تصور سے اُن پر کیفیتِ خوف و فزع طاری رہتی تھی اس لیے اُن کے وعظ میں بھی بڑا اثر ہوتا تھا۔ منہ سے جو بات نکلتی تھی سامعین کے دل پر تیر و شاں کا کام کرتی تھی حضرت عبدالرحمن بن ہمدی بیان کرتے ہیں "میں کبھی کبھی حضرت سفیان کے سامع و صلح کا ذکر کرتا تھا تو کہتے تھے "ہاں! صالح ایک اچھے نعتہ گو ہیں" اور یہ کچھ اس انداز سے کہتے تھے

جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ انہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ میں اور وہ دونوں علی الصبح بیدار ہو کر کسی ضرورت سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے، چلتے چلتے ہمارا گندہاں مسجد سے ہوا جس میں صلیح فجر کی نماز کے بعد وعظ بیان کرتے تھے۔ میں نے حضرت سفیان سے کہا ”آئیے اس مسجد میں نماز پڑھ لیں، وہ راضی ہو گئے، ہم دونوں نے مسجد میں نماز ادا کی نماز سے فراغت کے بعد حضرت صلیح کا وعظ سُننے کے لیے لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ ہم اپنی جگہ سے کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے اتنے میں حضرت صلیح تشریف لائے، اور وعظ شروع کیا، وہ وعظ کیا تھا! بلا کے اثر اور درد میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُسے سُن کر حضرت سفیان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے، بے قابو ہو کر رونے لگے جب مجلس وعظ برخاست ہو گئی تو میں نے حضرت سفیان سے پوچھا ”فرمائیے اب آپ صلیح کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں؟“ بولے ”یہ تو قصہ گو نہیں بلکہ قوم کے نذیر یعنی قوم کو ڈرانے والے ہیں۔“

سفیان بن مسلم بیان کرتے ہیں ”ہم لوگ حضرت صلیح کی مجلس وعظ میں شریک ہو کر اُن کا وعظ سُننے لگے، تو وہ اپنے حزن و غم اور فرطِ گریہ و بکا کی وجہ سے ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا وہ انتہائی خوف زدہ ہیں اُن کا گریہ اُس غم رسیدہ ماں کے گریہ کی طرح ہوتا تھا جو اپنے جوان بیٹے کی موت کا صدمہ برداشت کرنے کے لیے دنیا میں ایسی اچھوٹی سی جی ہوئے۔“

ابوالمعروف | حضرت صلیح حق کہنے اور امر بالمعروف میں نہایت جری اور بیباک تھے۔

بڑے سے بڑے بادشاہ یا امیر کی سطوت و شوکت انہیں اعلانِ حق سے باز نہیں رکھ سکتی تھی، ان کے عہد کا خلیفہ وقت ہمدی ان کی بڑی توقیر کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ ہمدی کی دعوت پر شاہی محل میں تشریف لائے تو سواری پر سوار تھے۔ ہمدی نے آپ کو دیکھتے ہی اپنے دونوں بیٹوں موسیٰ اور ہارون کو جو ولی عہد تھے حکم دیا "تم دونوں کھڑے ہو جاؤ اور آگے بڑھ کر اپنے چچا (صالح المری) کو سواری سے اتار دو دونوں بیٹوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ جب یہ حضرت صالح کے قریب پہنچے تو حضرت صالح اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوئے اور دل میں کہنے لگے "اے صالح! اگر تو نے یہ تمام اعمال خیر صالح اسی دن کے لیے کیے تھے تو یقیناً تو ہلاک و برباد ہو گیا۔"

حضرت صالح ہمدی کی اس غیر معمولی توقیر و تعظیم سے ذرا متاثر نہ تھے۔ اور کلمہ حق و خیر کہنے میں کبھی پس و پیش نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ہمدی کے پاس تشریف لے گئے جبکہ وہ بغداد کے محلہ رصافہ میں قیام پذیر تھا۔ آپ نے اُس کے سامنے پہنچتے ہی کہنا شروع کیا۔

"اے امیر المومنین! میں آج جو کچھ آپ سے کہنا چاہتا ہوں آپ اُسے ذرا صبر و تحمل سے سنیے۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک بہتر وہی شخص ہے جو سخت سے سخت نصیحت کی بات سن کر بھی چین بچیں نہ ہو۔ اور پھر جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرفِ قربت رکھتا ہو اُس کے لیے تو اور بھی سزاوار ہے کہ وہ اخلاق نبوی کا حامل ہو اور آپ کے مسلک پر چلے، اور اس پر طرفہ یہ ہے کہ خدا نے آپ کو علم کی سمجھ اور محبت کی روشنی کی

ایک ایسی میراث عطا فرمائی ہے جس کے بعد آپ کے لیے مذکر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پس یاد رکھیے آپ جب کبھی کسی ایسی حجت کا دعویٰ کریں۔ یا کسی ایسے شبہ میں مبتلا ہو جائیں جس کے مقابل میں اللہ کی برہان صحیح نہ ہو اور اُس کے ساتھ طبق نہ پاسکے۔ تو آپ کے تجاہل علمی کے بقدر اللہ کی ناراضگی آپ پر نازل ہوگی، اور آپ جان لیجیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فریق مخالف ہونگے اُس شخص کے جو آپ کی اُمت میں ہونے کے باوجود آپ کی مخالفت کرے۔ اور شریعت محمدیہ میں قطع و برید سے کام لے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کے خصم ہوں بس سمجھ لو کہ اللہ بھی اُس کا خصم (فریق مخالف) ہوگا۔ اگر تم اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی غصمت کی تاب لا سکتے ہو تو اس کے لیے ایسے دلائل و براہین کا انتظام کر لو جو تم کو نجات دلا سکیں اور ہلاکتوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ اور یاد رکھو سب سے زیادہ بد بخت وہ انسان ہے جو اپنی خواہشات کا کشتہ ہو اور اُس نے اُن خواہشات کی تکمیل تقرب الی اللہ کے بہانہ سے کی ہو۔ اس کے برخلاف قیامت کے دن اُس شخص کا قدم بڑی مضبوطی سے اپنی جگہ پر جا رہیگا جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمسک میں سب سے زیادہ قوی اور مستعد ثابت ہوگا۔ آپ جیسا بلند مرتبہ بادشاہ اگر کسی معصیت کا ارتکاب کرے تو کوئی شخص اُس کو منع کرنے والا نہیں ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ آپ کی بُرائیوں کو بھی اچھائی بنا کر پیش کیا جائیگا۔ اور جو خیانت شعار علماء ہیں وہ آپ کے افعال نازیبا کے استحسان کے دلائل بیان دینگے، اور یہ وہ دُردست جال ہے جس کے ذریعہ دنیا آپ ایسے لوگوں کا شکار کر لیتی

ہے "آخر میں آپ نے فرمایا" اے امیر المومنین آپ میری نصیحتوں کو برداشت کیجیے ہیں ان کے بیان کرنے کا حق ادا کر دیا ہے"

ہمدی پر حضرت صالح کی اس پر موعظت و نصیحت تقریر کا بیجا اثر ہوا اور وہ رونے لگا۔ ہمدی نے اس وعظ کو سننے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ اُس کو لکھوا کر سرکاری دفاتروں میں محفوظ کرادیا۔

حضرت صالح وعظ و نصیحت میں اس درجہ انہماک رکھتے تھے کہ وہ کسی موقع پر بھی اس سے تساہل نہیں برتتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے کسی ملاقاتی یا دوست کے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ آپ اُس کے پاس تعزیت کے لیے تشریف لے گئے، اور وہاں پہنچ کر فرمایا "اگر اس مصیبت (مرگ پر) نے آپ کے نفس میں کوئی عبرت اور بیداری پیدا نہیں کی ہے تو سمجھ لیجیے آپ کے نفس کی مصیبت بیٹے کی موت کی مصیبت سے زیادہ ہے، پس اسی کو رونا چاہیے"

بنداد میں درود اور درس حدیث | حضرت صالح بصرہ کے رہنے والے تھے وہیں انہوں نے نشوونما پائی۔ اور علم حاصل کیا۔ ہمدی نے ان کی شہرت سنی تو انہیں بغداد بلالیا، جہاں انہوں نے حدیث کا درس دیا۔

وفات | ۱۷۲ھ یا ۱۷۶ھ میں وفات ہوئی۔

۱۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۹ ص ۳۶ ۲۔ صفۃ الصوفیہ ج ۳ ص ۲۶۶

۳۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۹ ص ۳۱۰۔

ذوالنون مضرؒ

نام و نسب | **اثوبان** نام ابو الفیض کنیت، ذوالنون لقب، والد کا نام ابراہیم تھا جو اسحاق بن محمد الانصاری کے غلام تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ ذوالنون، ذوالکھل، عبد الباری، یحییٰ۔ حضرت ذوالنون کی پیدائش اہمیم میں ہوئی جو مصر کا ایک گاؤں ہے یہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پرانوا ہے۔

علم و فضل | علم و فضل کے لحاظ سے ان کا شمار اکابر اُمت میں ہوتا ہے۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کان اوحّد وقتہ علماً و ورعاً و حالاً و ادباً و هو معدودٌ فی جملۃ من رزى الموطأ عن الامام مالک رضی اللہ عنہ۔ ترجمہ: حضرت ذوالنون علم تقویٰ، حال اور ادب کے اعتبار سے اپنے زمانہ کے یگانہ روزگار فرد تھے، اور ان کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے خود امام مالک سے موطا کی روایت کی ہے۔

علم حدیث | انہوں نے امام مالک بن انس، لیث بن سعد، اور ابن اسیر سے حدیثیں روایت کی ہیں اور خود ان سے ضعیف اور دوسرے حضرات نے روایات نقل کیں۔ لیکن حضرت ذوالنون اُس سراپہ سعادت سے بہرہ اندوز تھے جو قوتِ بازو اور زورِ مہمت و جستجو سے

نہیں بلکہ محض خدا کے بخشندہ کے لطف خاص سے کسی کسی خوش قسمت انسان کو حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ معرفت و سلوک کے اُس مقام بند کے طائرِ سدرہ پر دراز تھے جہاں حجابات ظاہری یک ظلم مرتفع ہو کر شاہد کو علیہ مشہود سے ناظر کو تجلیات منظور سے اد چشم شوق آگئیں کو حقیقت مقصود و مطلوب سے ہم کنار کر دیتے ہیں۔ اُن کا قلب تجلیات و انوار الہی کا آمینہ اور اُن کی آنکھیں جالِ حقیقی کی مسلسل ضرغنائیوں سے روشن و منور تھیں۔ جو شخص حقیقتِ لم یزل سے بلا واسطہ شاد کام ہو رہا ہو، اس کو عالمِ مجاز کی رسم و راہ کا کیا خیال رہ سکتا ہے۔ اور جس کو مطلوبِ حقیقی سے بے حجاب و بے نقاب شرفِ مخاطب و ہم کلامی حاصل ہو۔ وہ کب کسی قاصد و مردِ درمیانہ کی منتِ پیغام رسانی کا ممنون ہو سکتا ہے۔ اربابِ ظاہر قیاس و تخمین کے اشاروں سے جس حقیقتِ مستور کا پتہ دیتے ہیں۔ وہ اپنی چشمِ باطن و بصیرت سے اُسے خود اپنے دل کی گہرائیوں میں دیکھ لیتا ہے۔ وگہ واسطہ در واسطہ رت کے ذریعہ جس تن کی عبارت تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنے اذعان و یقین کی لوح پر اُس کے تمام نقوش صاف صاف پڑھ لیتا ہے۔ نفسِ اسوت کے اسیرانِ بلا پر عالمِ روح کے حقائق و اسرار کو کتنا ہی کھول کھول کر بیان کیا جائے، تردد و تذبذب اور احتمال و شک کی خام پنہاں پھر بھی ختم نہیں ہوتیں۔ لیکن عالمِ لاہوت کا طائرِ برق پر دراز اپنی ایک جست میں ہی اذعان و یقین کے دائمی اطمینان و سکون سے ساداتِ اندوز ہو جاتا ہے پھر اُسے غفلتوں کی نہیں، مہنی کی، پیرایہ بیانیہ و اظہار کی نہیں اصلِ نشا و مطلب کی جستجو ہوتی ہے اور وہ اسی پر صبر کر کے راہوں کی عدالت و ثناء بہت، فن کے اصول

جرح و تعدیل، اور الفاظ کی تین تین شخص سے کوئی سروکار نہیں رکھتا، اس کے حجم و جان کو محنت و عمل کا آنشکدہ بنادینے کے لئے مرنے کی ایک جنبش لب کافی ہے۔ وہ کبھی پیام حبیب پر ایمان لانے کے لئے اس کا کھوج نہیں لگاتا کہ یہ پیام اُس تک کس کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اور وہ نفع ہے یا نہیں وہ مقصود حقیقی کے اندازِ کلام۔ طور گفتگو۔ اور اس کے آئین خطاب سے پورے طور پر آشنا ہوتا ہے۔ اسی لئے راوی کی ثقاہت و عدم ثقاہت سے قطع نظر وہ نفس کلام کو سن کر ہی معلوم کر لیتا ہے کہ یہ کلام کس زبان حق ترجمان سے صادر ہوا ہے ولی راوی می شناسد مشہور مقولہ ہے حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جو کبار اولیا اللہ میں سے ہیں حضرت ذوالنون مصری کی شان میں فرماتے ہیں۔

اے بیٹو اے اہل ملامت، اے شیعہ جمع قیامت، اے برہان موبہت و تجسید
اے سلطان معرفت و توحید اے حجت الفقر فخری ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ
اے لوگ طریقت، بود سالک راہ بلاد ملامت بود اسرار توحید نظر عظیم دقیق
داشت در روشنی کامل و ریاضات و کرامات و افاضہ

اہل فن اور ارباب جرح و تعدیل اپنے مقررہ اصول و ضوابط کے ماتحت حدیث کے باب میں ان کے اعتبار و استناد سے متعلق کلام کرتے ہیں، کوئی کتاب ہے، مروی عنہ من مالاک احادیث فی اسانیدہا نظرًا، کسی کا ارشاد ہے، ”ذوالنون اگر حدیثیں بیان کریں تو ان کی اسناد کو دیکھو اگر وہ درست ہو تو انہیں قبول کر لو“ اور اس میں شبہ نہیں

انہیں اس طرح کا کلام کرنے کا حق بھی ہے، کیونکہ یہ عالم عالم اسباب اور دنیا و نیا تو انہیں ہے اگر ایسا نہ کیا جائے اور محض کثرت و شہود کو حجت و برہان سمجھ لیا جائے تو عالم کا نظم و انتظام مختل ہو جائے۔ لیکن جس شخص کا قلب انوار و تجلیات ایزدی کا محیط ہو۔ اس کو خود اپنے اطمینان کے لئے کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں جو اہل نظر ہوتے ہیں وہ ان گدڑی میں پھپھے ہوئے نعل و جواہر کو ایک ہی نظر میں پہچان لیتے ہیں اور ان کی وقعت و عزت کرتے ہیں ابن جلاز کا بیان ہے ”میں نے چھ سو شیوخ سے ملاقات کی ہے لیکن مجھ کو ان میں چار جیسا کوئی نہیں ملا۔ انہیں چار بزرگوں میں سے ایک ذوالنون بھی ملا۔“

ذوالنون کے لقب کی وجہ | ان کے لقب ذوالنون کی وجہ ان کا ایک عجیب و غریب واقعہ کرامات ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ذوالنون ایک مرتبہ کشتی میں سفر کر رہے تھے ان کا ہم سفر ایک بہت بڑا سوداگر بھی تھا جو کئی قسم کے قیمتی جواہرات اور کثیر مقدار میں سونا اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ اتفاق سے سوداگر کے یہ تمام جواہرات چوری چلے گئے۔ کشتی میں حضرت ذوالنون کی مانند کوئی دوسرا غریب تھا نہیں۔ اس لئے کشتی کے لوگوں نے انہیں ملزم قرار دیا اور ان کو اذیت پہنچانے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت ذوالنون نے یہ دیکھ کر آسمان کی جانب دونوں ہاتھ اٹھائے اور التجا کی ”ایذا جو حقیقت حال ہے تو اس کو خوب جانتا ہے“ ان کا یہ کہنا تھا کہ کئی مچھلیوں نے دریا سے سرنکالے۔ ان میں سے ہر ایک کے منہ میں ایک ایک موتی تھا، حضرت ذوالنون نے یہ موتی ان مچھلیوں سے لے لئے اور

سوداگر کے حوالہ کر دیئے۔ اس عجیب و غریب واقعہ کو دیکھ کر نشی کے تمام مسافر حیران رہ گئے، اور فوراً سب نے آپ کے قدموں پر گر کر آپ سے مافی طلب کی۔ عربی زبان میں تو نون پہلی کہتے ہیں اس بنا پر لوگ حضرت ذوالنون کو ذوالنون یعنی پہلی والا کہنے لگے۔

استغراق فی التوحید | حضرت ذوالنون پر ہمہ وقت ایک عجیب محویت و استغراق فی التوحید کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ وہ کائناتِ عالم کو بے نگاہ مہربت دیکھتے۔ اور پھر خدا کی ذات و صفات میں محو ہو جاتے تھے۔ یہی استغراق ان کے لئے وجہ سکون و طمانیت تھا جسکے بعد انہیں دنیا و مافیہا سے مکمل استغناء حاصل ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ آپ دریا کے کنارے رات کے وقت تشریف لے گئے وہاں آسمان اور پانی کو دیکھ کر فرمانے لگے یہ سمان اللہ اے آسمان اور اے پانی تم دونوں کی شان کس قدر عظیم و جلیل ہے۔ نہیں بلکہ تم دونوں کو پیدا کرنے والا کس قدر عظیم الشان ہے۔ وہ یقیناً تم دونوں سے بہت زیادہ رفیع المرتبت ہے جب رات زیادہ تاریک ہو گئی تو آپ نے یہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔

اطلبوا لا نفسکم مثل ما وجدت انا

قد وجدت لی سکنا لیس فی ہوا لا عنا

ان بعدت قرآنہی اوقربت منه دنا

ترجمہ۔ تم بھی اپنے لئے ایسا ہی راہِ محبوبِ تلاش کرو جیسا میں نے پایا ہے۔ میں نے اپنے لئے ایک سکون کا امن پایا ہے جس کی محبت میں کوئی مشقت نہیں ہے۔ اگر میں اُس سے

دور ہوں تو وہ مجھ کو قریب کر لیتا ہے۔ اور اگر میں اُس سے قریب ہوں تو وہ اور
نزدیک آ جاتا ہے۔

کیفیت جذب و مال | وہ کیفیت جذب و مال سے ہمیشہ سرشار رہتے تھے، جب بلند اوہو پونچے
تو صوفیا کی جماعت کثیر نے اُن کا شاندار استقبال کیا۔ ان کیساتھ ایک قوال بھی تھا۔ لوگوں
نے پوچھا حضرت! آپ کی اجازت ہو تو قوال کچھ سنائے یہ آپ نے اجازت دیدی۔
قوال نے یہ اشعار پڑھے۔

مغیر ہواکِ مَدّ بنی فلیف بہ اذا احتسکا
وانت جمعت من قلبی هوئی قد کان مشترکا
اما تدنی ملکُتب اذا فحلت الخلی بکا

ترجمہ:- تیری تموڑی سی محبت نے ہی مجھ کو فدا میں مبتلا کر دیا۔ پس کیا حال ہو گا جبکہ یہ شدید
ہوگی (اے محبوبہ) جو محبت مشترک اور کی لوگوں میں تقسیم تھی۔ تو نے اُس کو میرے دل
سے سمیٹ لیا ہے۔ کیا تجھے اُس غمزدہ انسان پر رحم نہیں آتا جو اس وقت بھی روتا
رہتا ہے جبکہ عشق سے آشنا بنتا ہے۔

حضرت ذوالنون یہ اشعار سنتے ہی کھڑے ہو گئے۔ پھر منہ کے بل زمین پر گر پڑے
خون آپ کے جسم سے بہہ رہا تھا۔ لیکن یہ عجب بات ہے کہ زمین پر اُس کا کوئی اثر محسوس نہیں
ہوتا تھا۔ آپ کے بعد حاضرین مجلس میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور وجد کرنے لگا۔ حضرت

ذوالنون نے پڑھا اللہ یراک حین تقوم یہ سنتے ہی وہ شخص فوراً چمک گیا۔

آپ کے بھائی ذوالکفل کا بیان ہے ”ایک مرتبہ حضرت ذوالنون کا ایک غلام بغداد میں کسی قوال کے پاس جا پہنچا۔ قوال اُس وقت کچھ گارہا تھا۔ حضرت ذوالنون کی صحبت میں رہتے رہتے آپ کا غلام بھی صاحبِ وجد و حال ہو گیا تھا۔ غلام نے جو یہ اشارے اُس پر عجیب ایک کیفیت بخود ہی و سرشاری طاری ہو گئی۔ اسی حالت میں اُس نے ایک زور کی چیخ ماری۔ پھر جھپکایا تو وہ جد بے روح تھا۔ حضرت ذوالنون کو اس واقعہ کی خبر ہوئی آپ نے قوال کو طلب فرمایا، اور انہیں اشارے دوبارہ پڑھنے کی فرمائش کی تھیں ارشاد میں کیا دیر ہو سکتی۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ ان اشارے کے اثر سے چیخ تو مکی حضرت ذوالنون کے دہان مبارک سے۔ لیکن قوال پر یہ اثر ہوا کہ اُس کا مَلَقُ قُصِصِ جَم سے فوراً پرواز کر گیا حضرت ذوالنون نے فرمایا ”النفس بالنفس والنجس وح قصاص“

گر یہ دُزاری اور ہمت پذیری جو اہل اللہ ہوتے ہیں۔ گردشِ دُلاب پر بھی رقص کرنے لگتے ہیں اور بعض بہت معمولی معمولی چیزوں سے عبرت پذیر ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت ذوالنون کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک عورت ملی۔ اُس نے آپ کو پوچھا ”آپ کہاں سے آرہے ہیں؟“ فرمایا ”میں پردیسی مسافر ہوں“ عورت بولی ”انفوس! کیا اللہ کے موجود ہوتے ہوئے بھی غربت زدہ لوگ پائے جاتے ہیں۔ وہ تو پردیسیوں کا مونہ اور ضعیفوں کا دردگار ہے“ حضرت ذوالنون عورت کی زبان سے یہ حکیمانہ فقرہ سُکر رونے لگے۔

عورت نے پوچھا: آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا: میری بیماری جس نے ناسور کا حکم اختیار کر لیا تھا۔ اس کی جلد ہی دوا مل گئی، عورت نے کہا: اگر آپ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو پھر روئے کیوں؟ ارشاد ہوا: تو کیا سچا آدمی روتا نہیں ہے؟ وہ بولی وہ نہیں، آپ نے پوچھا: یہ کس طرح؟ عورت نے جواب دیا: یہ اس لئے کہ رونے سے دل کو راحت ملتی ہے۔ اور گریہ دیکھا طلب کے لئے ایک مامن کا حکم رکھتا ہے، دل کا راز مخفی رکھنے کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ انسان آہ و زاری کو ہناں خانہ قلب میں چھپائے سکے۔ آنسو بہانے سے دل ہلکا ہو جاتا ہے اور دل کی یہ سبکداری عقلندوں کے نزدیک کمزوری ہے، حضرت ذوالنون عورت کی اس گفتگو کو سنکر حیران رہ گئے، عورت نے پوچھا: آپ کا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا: مجھے آپ کے کلام پر تعجب ہوتا ہے، پھر حضرت ذوالنون نے سوال کیا: مجھ کو کوئی ایسی بات بتائیے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھ کو نفع دے، عورت بولی: تو کیا اب تک آپ کو جو فوائد ایک حکیم کے ذریعہ حاصل ہو چکے ہیں اُنکے ہوتے ہوئے آپ زوائد سے مستغنی نہیں ہوئے؟ فرمایا: نہیں، میں زوائد سے مستغنی نہیں ہوں، عورت نے کہا: آپ صحیح فرماتے ہیں، اچھا اپنے رب سے محبت کیجئے اور اس کا امتیاق رکھئے، کیونکہ ایک دن آئیگا جبکہ خدا اپنی کرمیت پر اپنے اولیاء اور اعبار کے لئے جلوہ نگوں ہو گا اور ان کو اپنی محبت کا ایک ایسا پیالہ عطا فرمائے گا کہ اس کے بعد ان کو نشنگی محسوس ہی نہیں ہوگی۔ حضرت ذوالنون یہ سنکر پھر ناز و قطار رونے لگے۔ اس کے بعد عورت نے ایک فقرہ کہا اور حضرت ذوالنون کو اسی حالت میں چھوڑ کر

ردائے ہوگی۔

دربار خلافت میں تہذیب و منزلت | حضرت ذوالنون کی ان عجیب و غریب کیفیات کو دیکھ کر پہلے پہل تو لوگوں نے ان پر طرح طرح کے شکوک و شبہات کئے۔ یہاں تک کہ ان پر احماد و زندقہ کے الزامات لگائے گئے۔ متوکل علی اللہ جو اُس زمانہ میں خلیفہ تھا اس نے بھی اسی طرح کے اعتراضات سے متاثر ہو کر ان کو قید خانہ میں بند کر دیا۔ ان کے تقویٰ و طہارت کا یہ ملہم تھا کہ جیل خانہ کا محافظ ایک مرتبہ چوری سے حضرت ذوالنون کے لئے عمدہ کھانا تیار کر کے لے آیا۔ اور خدمت سامی میں پیش کر کے درخواست کی آپ اس کو تناول فرمائیں۔ لیکن آپ نے اس کے تناول فرمانے سے انکار کر دیا۔

متوکل علی اللہ کو جلد معلوم ہو گیا کہ اس نے حضرت ذوالنون ایسے بالکمال و خدا رسیدہ بزرگ کو مجوس کیسے کس شدید غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ اس نے اُن کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ رہا کر دیا۔ متوکل کا اس زمانہ میں قیام سرمن راسی میں تھا۔ وہیں اُس نے حضرت ذوالنون کو طلب کیا۔ کچھ دنوں یہاں قیام کرنے کے بعد آپ بغداد چلے آئے۔ اور پھر یہاں سے مصر کثرت لے گئے۔

متوکل اب آپ کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ علامہ خطیب بغدادی نقل کرتے ہیں: "وكان المتوکل مولعاً به يُفَضِّلُهُ عَلَى الْعِبَادِ وَالزَّعَادِ" لیکن حضرت ذوالنون تو کثرت ہی سے درامر عوب نہ ہوتے تھے۔ متوکل کے سوالات کے جوابات آزادی اور جرات و جبارت کے

دیتے تھے۔ ایک مرتبہ متوکل نے دریافت کیا۔ اے ابو ایض! آپ اولیاء کے صفات بیان فرمائیے۔ ارشاد ہوا۔ اے امیر المؤمنین! یہ وہ قوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے بلند نور کا لباس پہنا دیا ہے اور جن کو اپنی کرامت کی چادروں سے رونق و زینت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر مسرت کے تاج رکھے ہیں اور اپنی مخلوق کے دلوں میں ان کی محبت پھیلا دی ہے۔ پھر اس کے بعد خدا نے ان کو دنیا میں اس شان سے بھیجا کہ ان کے دلوں میں غیب کے ذخیرے جمع تھے اور ان کے دل وصالِ محبوب کی تمنائیں سرگردان، اور ان کی آنکھیں جلالِ ربانی کے مشاہدہ میں غرق و محو تھیں، پھر اپنے احسانات میں چھپا لینے کے بعد ان کو علاج اور مرض دونوں کی معرفت و تشخیص کی قوت مرحمت فرمائی اور ان کے شاگردوں کو اربابِ تقویٰ و ورع بنایا اور ان کے لئے اس بات کی ضمانت کی کہ جب یہ دعا کریں گے اسے شرف قبول عطا فرمایا جائے گا؟

ایک مرتبہ متوکل علی اللہ نے آپ سے درخواست کی ”میرے لئے کوئی دعا لکھ دیجئے“ اور قاضی یحییٰ بن اکثم کو اس بات پر مامور کیا کہ حضرت ذوالنون جو کچھ بتائیں وہ لکھتے جائیں آپ نے یہ دعا لکھوائی۔ اس دعا کا لطف چونکہ عربی زبان میں زیادہ ہے اس لئے ہم اصل دعا نقل کرتے ہیں۔ پھر اس کا ترجمہ کریں گے:-

رَبِّ اَقْنِي فِي اَهْلِ دَوْلَتِكَ مَقَامَ مَرْجَاءِ الزَّيَادَةِ مِنْ مَحَبَّتِكَ وَاجْعَلْنِي لَهَا
بَذِكْرِكَ فِي ذِكْرِكَ وَفِي رَوْحِ بَحْجِ اسْمَائِكَ لَا سَمَاءَ وَهَبْ لِي قَدَمًا

۱۰ اَعَادِلْ بِمَا بَفَضَلِكْ اَقْدَامَ مَنْ لَمْ يَزِلْ مِنْ طَاعَتِكَ وَاحْقُقْ بِمَا اَمَرْتَنَا
 فِي الْقُرْبِ مِنْكَ وَاحْفَ بِمَا جَوَلَا فِي الشَّغْلِ بِكَ، مَا حَيِّيتُ وَمَا بَقِيتُ
 مَرَّتَ الْعَالَمِينَ اِنَّكَ مَرُّوْتُ رَحِيْمٌ۔ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَعُوْذُ وَالْوَدَّ وَالْاَمَلِ
 الْبَلَخَةِ اِلَى طَاعَتِكَ وَالْمُتَوَلَّى الصَّاحِبِ مِنْ مَرْضَاتِكَ وَانْتَ وَلِيَّ قَلْبِي
 ترجمہ:- اے رب تو مجھ کو اپنے اہل ولایت میں ایک ایسے مقام پر فائز کر جاں میں تیری عبت
 کی زیادتی کی امید کر سکوں اور مجھ کو اپنے ذکر کی وجہ سے اپنے ذکر کا دیوانہ بنا سکے
 کہ تیرے ہی ذکر میں مجھ کو امن و چین اور راحت نصیب ہو۔ اور اپنے اس احسنیٰ
 کے باغیچوں میں لجا کر مجھ کو اپنے نام کی لذت عطا فرما۔ اور مجھ کو ایسے قدم عطا فرما کہ
 تیری طاعت سے خوف نہ ہونے والوں کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ جا کھڑا ہوں
 اور میں تیرے قرب کی وجہ سے ایک لذت خاص محسوس کروں۔ اور میں ہمیشہ تیری
 یاد اور تیرے ذکر میں ہی سرگرداں رہوں۔ اے رب العالمین جب تک میں زندہ
 رہوں، میری یہی حالت رہے، تو بہت بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہو۔ اے
 اللہ میں تیری ہی پناہ چاہتا ہوں تیری طاعت تک پہنچنے کی امید کرتا ہوں
 اور تیری رضا مندی کے درست ٹھکانے کی توقع کرتا ہوں۔ تو ولی و قدر ہے۔

حضرت ذوالنون ہیں تک پہنچنے کے لیے کہ یحییٰ بن اکثم نے کہا: اے ابو القیص یہ ہی
 کافی ہے۔ آپ نے جواب دیا: اگر اللہ نے خیر کا ارادہ کیا تو ہاں بیشک متوکل ایسے شخص
 کے لیے یہی بہت ہے۔ آپ نے یہ فرمایا اور یحییٰ بن اکثم کو اوداع کہہ کر تشریف لے گئے۔

معرفت دسلوک میں ان کا مقام رفیع | حضرت ذوالنون معرفت دسلوک کے جس مقام رفیع پر ممکن
تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد الانصاری
فرماتے ہیں :-

حضرت ذوالنون اُن لوگوں میں نہیں ہیں کہ اُن کو کرامات سے آراستہ کیا جائے
یا مقام و حال کے مقامات سے ان کی تعریف کریں۔ وقت تو اُن کے ہاتھ میں پڑ
طور پر دراندہ و مخر تھا، وہ وقت کے امام، زمانہ کے یگانہ، اور اس گروہ (اولیاء اللہ)
کے سردار تھے اور سب کو ان کے ساتھ نسبت و اضافت ہے، ان سے پہلے بھی
بڑے بڑے مناسخ گزرے ہیں لیکن اس لحاظ سے وہ سب سے پہلے آدمی ہیں
کہ جو باتیں اب تک اشاروں میں کہی جاتی تھیں وہ انھوں نے صاف صاف لفظوں
میں بیان کر دیں۔

حضرت ذوالنون اپنے مقامات کی نسبت خود ایک موقع پر بیان فرماتے ہیں۔
”میں نے تین سفر کئے، اور تین علم حاصل کئے۔ پہلے سفر میں میں نے وہ علم حاصل
کیا جس کو خاص و عام دونوں نے قبول کیا۔ دوسرے سفر میں میں نے وہ علم حاصل
کیا جس کو خاص نے تو قبول کر لیا۔ لیکن عوام اُسے قبول نہ کر سکے۔ رہا تیسرا سفر؛ تو
اُس میں میں نے ایسا علم حاصل کیا جس کو نہ خاص نے قبول کیا اور نہ عام نے مہتر
یہ ہوا کہ لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگے اور میں تنہا رہ گیا، مجھ کو سب نے ہی چھوڑ دیا۔“

شیخ الاسلام ابو اسماعیل الہروی حضرت ذوالنون کے اس جملہ کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ آپ کا پہلا علم تو یہ تھا جس کو عام خاص دونوں نے قبول کیا۔ دوسرا علم توکل اور محالۃ محبت تھا جس کو خاص نے ہی قبول کیا، عام نے نہیں، تیسرا علم حقیقت تھا جو مخلوق کے علم و عقل کے دائرہ سے باہر تھا۔ اس بنا پر لوگ اُس کو سمجھ نہ سکے۔ اور اُلٹے اُن کے مخالف ہو گئے۔ ان مخالفوں کا یہ انکار حضرت ذوالنون کی وفات تک برابر جاری رہا۔

نصاحت | حضرت ذوالنون نہایت نصیح گفتار تھے۔ جب اپنی زبان حق ترجمان سے وعظ شروع کرتے تھے تو سخت سے سخت مخالف کا دل بھی موم ہو جاتا تھا۔ متوکل علی اللہ کی ناراضگی کا قلم اوپر گزر چکا ہے۔ اسی سلسلہ میں ابن الہمام الحنفی لکھتے ہیں ”متوکل علی اللہ کے پاس جب پہلے پہلے حضرت ذوالنون کے خلاف شکائیں پہنچیں اور اُن کو زندہ دھماکا کی تہمتوں سے متهم کیا گیا تو اُس نے انہیں ”سرمین راسی“ میں طلب کیا۔ لیکن حضرت ذوالنون نے متوکل کے سامنے پہنچنے ہی ایسا پروردگار و عطا کیا کہ متوکل میا خترہ رونے لگا۔ اور حضرت ذوالنون کو عزت و کرامت کے ساتھ لوٹا دیا۔

عکلاء مقولے | اُن کے عکلاء مقولے پشمار ہیں۔ سب کو نقل کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہی۔ ذیل میں چند منتخب مقولے درج کر دینا کافی ہو گا۔

ایک موقع پر آپ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندہ کو عقل کی خلعت سے بڑھ کر کوئی دوسری خلعت نہیں دی۔ اور اسی طرح علم سے زیادہ خوبصورت کوئی ہار عطا نہیں فرمایا،

اللہ کی عطا کی ہوئی زینتوں میں سب سے بہتر زینت برہنہ ہوتی ہے اور ان تمام چیزوں کا کمال تقویٰ ہے۔

ایک مرتبہ یوں ارشاد فرمایا: ہم پیار ہوتا ہے تو مرد و کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسی طرح دلوں کا روگ گناہ ہیں۔ جس طرح جسم کی بیماری کے وقت کمانا لہر نہیں معلوم ہوتا، اسی طرح دل گناہ گار ہو تو اُسے عبادت کی حلاوت محسوس نہیں ہوتی، ایک دفعہ آپ نے کہا: جو شخص نعمتوں کی قدر نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں نامعلوم طریقوں سے سلب کر لیتا ہے۔

ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا: حضرت! میں آپ سے رخصت ہونے والا ہوں مجھ کو ازراہ کم کم کوئی ایسی وصیت کیجئے کہ وہ میرے کام آتی رہے، آپ نے فرمایا: بس یہ خیال رکھنا کہ کہیں لوگوں کے عیوب کی چھان بین تم کو خود اپنے عیوب کو دیکھنے سے غافل نہ رکھے۔ یقین کرو کہ تمہیں لوگوں کا نگران بننا کر نہیں بچا گیا ہے، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محبوب وہ بندہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ عقلمند ہو۔ اور ایک انسان کی غایت عقلمندی اور تواضع کی علامت یہ ہے کہ کوئی شخص اُس کو کوئی بات بتائے تو وہ اُس کو بغور دیکھ کر سمجھ لے، اگرچہ وہ اُسے پہلے سے جانتا ہو۔ اور جب کوئی حق بات اُس کے رد و رد کی جائے تو وہ فوراً اُس کو قبول کر لے۔ اگرچہ یہ حق بات کہنے والا مرتبہ میں اُس سے کم ہی ہو، اور اگر اُس سے کسی خطا کا صدور ہو جائے تو وہ اس کا اعتراف بے چون و چرا کر لے۔

ایک دن آپ نے فرمایا: "انسان پر فساد چھ چیزوں سے آتا ہے۔"

(۱) آخرت کا عمل کرتے وقت نیت کا کمر در ہونا۔

(۲) اپنے تن بدن کو شیطان کے گروہ دینا۔

(۳) موت کے نزدیک ہونے کے باوجود حرص و ہوس کی درازی

(۴) مخلوق کی رضامندی کو خدا کی رضامندی پر ترجیح دینا۔

(۵) خواہشات نفسانی کی پیروی کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو

ترک کر دینا۔

(۶) بزرگوں کی مغزوں کو اپنے لئے محبت بنانا اور ان کے ہنروں کو دفن کر دینا۔

ایک مرتبہ فرمایا: "زندگی کا لطف انہیں باہت لوگوں کے ساتھ ہے جن کے دل تقویٰ

اور پرہیزگاری پر مائل ہیں اور جن کو ذکرِ مولیٰ سے نشاط و انبساط حاصل ہوتا ہے" ایک دفعہ

ارشاد ہوا: "ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی کرو جو تمہارے بل جانے سے خود متغیر نہ ہوں" اور اگر

تم چاہتے ہو کہ تمہیں دوستوں کی محبت کا صحیح لطف حاصل ہو تو ایسی محبت اختیار کرو جیسی حضرت

ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نصاجت کی تھی کہ دین اور دنیا دونوں میں

کسی ایک بات پر بھی مخالفت نہیں ہوتی۔ یقین ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ محبت

کی وجہ سے خود اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر کا صاحب ہو گا۔

ایک دعا میں آپ نے فرمایا: "خدا کی محبت کی علامت یہ ہے کہ انسان اخلاق و افعال

میں اور ادا و سن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو حبیبِ خدا ہیں ان کا تابع اور پیرو ہو" فرمایا

”خدا کے ساتھ صحبت نہ رکھو مگر موافقت کے ساتھ، مخلوق کے ساتھ تمہاری مصاحبت محض محبت کی راہ سے ہونی چاہئے، اور نفس کے ساتھ محض بطور مخالفت اور دشمن کے ساتھ بطور شہمنی مصاحبت ہونی چاہئے۔“ ایک جگہ فرمایا ”میں نے اُس طبیب سے زیادہ جاہل نہیں دیکھا جو سرمستی کے وقت مستوں کا علاج کرے۔ مراد یہ تھی کہ جو لوگ دنیوی لذتوں میں مست ہیں ان کو وعظ و نصیحت کرنا بالکل بے کار ہے۔ مست کے لئے کوئی دوا اُسی وقت موثر ہو سکتی ہے جبکہ وہ ہشیار ہو اُس وقت اُس کا علاج توبہ سے کرنا چاہئے۔“

ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا ”حضرت! عارف کس کو کہتے ہیں؟“ فرمایا ”عارف مام لوگوں میں سے ہوتا ہے، مگر اُن سے الگ بھی، عارف کو چاہئے کہ خائف ہو یعنی اللہ کا خوف کرتا ہے نہ یہ کہ وہ داصف ہو یعنی یہ کہ وہ اپنی معرفت شناسی کا حال بیان کرتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء“ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی درجے میں ہیں۔ پھر فرمایا ”عارف کو ایک ہی حالت پر برقرار رہنا زیبا نہیں ہے۔ کیونکہ اُس پر تو عالم غیب سے ہر ساعت ایک نئی حالت کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صاحب حالات کہلاتا ہے، نہ صاحب حالت۔ ایک موقع پر یوں ارشاد ہوا ”معرفت تین قسم کی ہوتی ہے ایک معرفت توحید۔ یہ مام مومنوں کو حاصل ہوتی ہے، دوسری معرفت حجت و بیان، یہ قسم حکماء، بختاء۔ اور علماء کے لئے مخصوص ہے۔ تیسری تم معرفت صفات و حدائیت ہے جو صرف اہل اللہ اور ارباب کشف و شہود کو حاصل ہوتی ہے، پھر اسی معرفت کے حاصل کرنے میں کسب و سی کو دخل نہیں ہے۔ بلکہ جب حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کی چشم بصیرت دا

کہہ جاتے ہیں تو یہ معرفت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔

یوسف بن ائمن بیان کرتے ہیں: ”ایک مرتبہ میں نے حضرت ذوالنون سے سنا فرما رہے تھے: ”صحابین کی صحبت سے زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے اور دنیا کی تمام بھلائیاں ایک ایسے دوست میں جمع ہیں جو تم کو اس وقت بھی یاد کرے جبکہ تم نے اُس کو بھلا دیا ہو اور اگر تم اُس کو یاد کر دوہ تمہاری امانت و امداد کرتے۔“

ذکات | دو شنبہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ کو بنگام جیزہ انتقال ہوا۔

یہ مقولے تذکرۃ الاولیاء ص ۸۶۵ سے اخذ ہیں۔

یہ متنہ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۸۸

علماء شعر و ادب

ابودلّامۃ زندین الجون

نام و نسب | زند نام ابودلّامۃ کنیت۔ بیضوں نے نام زید بتایا ہے مگر یہ غلط ہے۔ چنانچہ علامہ ابن خلکان اور خلیف بغدادی دونوں زند لکھتے ہیں، بنو اسد کا غلام تھا ابن خلکان میں ہے ”انہ کان اسود عبداً حبشیاً“ علامہ بغدادی نے اسی کا یہ قول نقل کیا ہے ”ابودلّامۃ حبشی غلام مکر نہایت فصیح زبان تھا، ایک عربی النسل نے ابودلّامۃ کے نسب پر طعن کرتے ہوئے کہا ہے:-

الا ابلغ لدیک ابادلاً مہ فلت من الکرام دلا کر امۃ

اذا البس العمامۃ کان قرءاً و خنزیراً اذا وضع العمامۃ

ترجمہ:- ارے ذرا ابودلّامۃ کو تم یہ پیغام تو پہنچا دو کہ تو دشمن آدیوں کی نسل سے ہے اور زحماً

تو دشمن ہے۔ ابودلّامۃ ہمارے سر پر رکھ لیتا ہے تو بندرین جاتا ہے اور اسے آتا رہتا ہے۔

تو سہرین جاتا ہے۔

غلامی سے آزادی | بعد میں اس کے آقائے اسے آزاد کر دیا تھا۔ ابو جعفر المنصور نے اس کی حاضری جلالی اور طلاق سانی سے متاثر ہو کر اسے اپنا صاحب بنالیا مگر معلوم ہوتا ہے ابودلّامۃ نے

ابو جعفر کی شایانہ معیت و محبت میں بھی اپنے آقا کو فراموش نہیں کیا تھا۔ چنانچہ ابودلّامہ نے منصور سے درخواست کی کہ وہ اس کے آقا کو بھی اپنے ملحقہ معاجین میں شامل کر لے۔ منصور نے ابودلّامہ کے پاس خاطر سے اُس درخواست کو منظور تو کر لیا۔ لیکن آئندہ کے لئے اس نوع کی سنارِش سے باز رہنے کی سخت تاکید کرتے ہوئے کہا کہ پھر دوبارہ اگر ایسی حرکت کی تو قتل کر دیا جائے گا۔

فضل و کمال | ابودلّامہ کا شمار عبد بنی عباس کے باکمال شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ فصاحت و بلاغت جزالت شعر، بدیہ گوئی اور زندانہ مضامین کے بیان کرنے میں اپنے ہم عصر شعراء میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔ علامہ بغدادی فرماتے ہیں۔

دردہ فطری شاعر تھا۔ اُس کے نوا اور بہت ہیں۔ فی البدیہ اشعار کہنے میں اُسے ملکہ خاص حاصل تھا، تمام فزون ہیں اُس کے اور دوسرے شاعروں میں چوہیں رہتی تھیں، شرب کے ذکر و وصف میں یکسانہ تھا۔ اسی طرح باغوں کا ساں باندھنے اور اُن کے منظر بیان کرنے میں اُس کا ہسر نہیں ہو سکتا تھا۔

بدیہ گوئی | ابودلّامہ کو بدیہ گوئی میں خاص کمال حاصل تھا۔ ایک مرتبہ خلیفہ ہمدی اور علی بن سلیمان دونوں نسا کے لئے گئے۔ ابودلّامہ اُن کے ہمراہ تھا۔ دورانِ نسا میں ہمدی نے ایک ہرن پر تیر چلایا اور کامیاب رہا۔ لیکن علی بن سلیمان نے بھی ایک ہرن کو نشانہ بنایا تو اس کا تیر خلا کر کے ایک کتے کے جا لگا۔ اور وہ وہیں مر کے رہ گیا۔ اس پر ہمدی کو بڑی فبی آئی اُس نے ابودلّامہ سے

موقع کے مناسب شعر کہنے کی فرمائش کی۔ ابودلامتہ نے برجستہ کہا۔

قد مدی المهدی طیباً شاک بالسهم فؤاداً

دعلی بن سلیمان سرمدی کلباً فصاداً

غنیاً لکائلاً امرئ یا کل نراداً

ترجمہ:۔ مدی نے ایک ہرن پر تیر چلا یا اور میرے اُس کا دل پھاڑ ڈالا اور علی بن سلیمان نے ایک کتے کے تیر مارا اور اس کا سکار کر لیا۔ پس تم دونوں کو مبارک ہو ہر شخص اپنا اپنا ٹوٹہ کھاتا ہے مدی اس سے بڑا خوش ہوا اور ابودلامتہ کو تیس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

ایک مرتبہ ایک گدھے پر ایک عورت میں اور ایک مرد میں جھگڑا ہو گیا۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ کی عدالت میں معاملہ پیش ہوا۔ عورت نے اپنی طرف سے ابودلامتہ کو اور اُس کے ساتھ ایک اور شخص کو گواہی میں پیش کر دیا۔ ابن ابی لیلیٰ نے قاعدہ و قافون کے مطابق ابودلامتہ کے شریک شہادت شخص کی تبدیل کی۔ یعنی اُس کے مستبرگواہ ہونے کا ثبوت مانگا جو بہم پہنچا دیا گیا۔ اس کے بعد ابودلامتہ کی باری تھی۔ لیکن قبل اس کے کہ قاضی اُس کی عدالت پر بحث کرے قاضی کے پاس جا کر یہ شعر پڑھے۔

إن الناس غطوني غطيت عنهم وإن بحثوا عني ففهم مباحث

وإن حضروا تجوزتُ بآرهم ليعلم قومي كيف تلك النبائت

ترجمہ:۔ اگر لوگوں نے میرے ساتھ پردہ پوشی کا معاملہ کیا تو میں بھی ان کے ساتھ پردہ پوشی کا معاملہ کر دینگا

اور اگر انھوں نے میرے ساتھ چھان بین کا سلوک کیا (تو میں بھی ایسا ہی کروں گا) کیونکہ

ان کے اندر بھی قبل و قال کی بہت گنجائش ہے۔ اگر انہوں نے میرا کنواں کھودا تو میں اُنکے
کنویں کھودوں گا۔ تاکہ میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ کنویں کھودنے کا کام کیا ہوتا ہے؟

ابن ابی لیلیٰ نے یہ شعر سن کر کہا۔ اَبودَلَامَۃُ! ہم نے تیری شہادت معتبران لی ہے۔ اُس کے
بعد اس نے مدعیہ سے پوچھا۔ تیرے گدے کی قیمت کیا تھی؟ وہ بولی۔ ”چار سو“ ابن ابی لیلیٰ نے
اُسے چار درہم دے کر رخصت کر دیا۔

ایک دفعہ خلیفہ منصور نے اَبودَلَامَۃُ سے کہا کہ تم کو ظہر اور عصر کی نماز پابندی سے جماعت کے
ساتھ پڑھنی چاہئے۔ دیکھو اس میں خلاف نہ ہو، اَبودَلَامَۃُ نے برجستہ کہا۔

يُكَلِّفَتِي الْاَوَّلِيَّ جَمِيعًا وَخَصَّرَ عَا وَمَالِي دَلَالِيَّ وَمَالِي دَلْعَصَّ
وَمَا ضَرَّكَ۔ وَاللّٰهُ يَنْفَضِ ذَنْبِيْ وَاَنْتَ ذَنْبُ الْعَلَمِيْنَ عَلٰى ظَهْرِيْ

”خلیفہ مجھ کو ظہر اور عصر کی نماز باجماعت پڑھنے کی تکلیف دیتا ہے حالانکہ ظہر اور عصر کی نماز
کا معاملہ صرف میری ذات سے متعلق ہے اللہ خلیفہ کی مغفرت فرمائے۔ اگر تمام عالم کے
گناہ بھی میری پشت پر لا دیئے جائیں تو اس میں خلیفہ کا کیا نقصان ہو گا۔

حاضر جوابی | بدیہہ گوتی کی طرح اَبودَلَامَۃُ کو حاضر جوابی میں بھی بڑا کمال تھا۔ اور خلفاء ابوالعباس
المنصور، ابو جعفر المنصور اور ابو عبد اللہ المہدی سے اُس کو اس درجہ اختصاص تھا کہ وہ حاضر جوابی
میں کوئی مرعوبیت محسوس نہیں کرتا تھا۔

حادثہ نمٹ جیسی خلیفہ منصور کی بیوی تھی اس کی وفات ہوئی تو منصور کو طبی طور پر بہت
سج ہوا۔ جنازہ سے پہلے قبرستان پہنچ گیا اور وہاں حمادہ کی قبر پر بیٹھ کر جنازہ کے پونچنے کا

اشارہ کرنے لگا۔ اس وقت ابودلانہ بھی پاس بیٹھا ہوا تھا۔ منصور کی نظر ابودلانہ پر پڑی تو اس نے
 قہر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا، ما اعددت لھذا المصرم؟ تو نے اس پہنڑنے کی جگہ کے لئے
 کیا چیز تیار کی ہے؟ ابودلانہ نے فوراً کہا، ”سادہ بنت عیسیٰ کو، منصور اس جواب پر بہت ہنسا
 اور اس کے ساتھ تمام حاضرین بھی نہیں پڑے۔“

ایک دفعہ منصور نے ابودلانہ کو حکم دیا کہ تم فوج کے ساتھ عبداللہ بن علی سے جنگ کرنے
 جاؤ، ابودلانہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اُس نے کہا، ”امیر المؤمنین! میں آپ کو قسم دیتا ہوں
 کہ مجھ کو لڑائی پر مجبوعین کیونکہ اس سے پہلے میں نو شکروں میں شریک ہو چکا ہوں اور وہ سب کے
 سب شکست کھا گئے، منصور کو اتنی ہنسی آئی کہ ضبط نہ ہو سکا اور ابودلانہ کو جنگی خدمت معاف کر دیا۔
 اسی قسم کا ایک اور واقعہ پیش آیا کہ روح بن حاتم اہلبی بصرہ کا گورنر تھا۔ یہ خراسان کی
 جنگ پر گیا تو ابودلانہ بھی ہر کاب تھا۔ جنگ کے اُن مایں دشمن کی صف سے ایک بہادر نکلا۔ اس
 طرف سے کئی جنگ آزمائا اُس کے مقابلہ کے لئے بڑے لیکن اُس نے ان سب کو قتل کر دیا۔ اب
 گورنر بصرہ نے ابودلانہ سے فرمائش کی کہ اُسے آگے بڑھ کر اس بہادر کا مقابلہ کرنا چاہئے، ابودلانہ
 نے معذرت کی لیکن اس کے انکار پر روح بن حاتم کا اصرار بڑھتا رہا تو ابودلانہ نے یہ شعر پڑھے

انی اعود بروج ان یقْدَ عینی	الی القتالِ فیخنی علی بی بنو اسد
انّ المَحَلَّ بَحَبّ الموتِ اور تم کو	ولم ادرت ان تحبّ الموت من احد
انّ الدّٰن لا الی الاعداء اغلّٰ	مما یخرف بین الروح والجمہد

یہ سب واقعات تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۸۹، ۴۹۰ سے اخذ ہیں۔

ترجمہ:- میں روح سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو جنگ میں دیجیے۔ درد میری وجہ سے
 بنوا سدا سوا ہو جائیگے۔ تمہارا حال تو یہ ہے کہ مطلب نے موت کی محبت تم کو درخت میں
 دی ہے لیکن میں نے یہ محبت کسی سے درخت میں نہیں پائی ہے، اور دشمنوں سے
 قریب ہونا میں جانتا ہوں ان چیزوں میں سے ہے جو روح اور جسم کے درمیان
 تفریق پیدا کر دیتی ہیں۔“

روح ان اشعار کو سننے کے بعد بھی نہیں پس جا اور اُس نے قسم دیکر کہا کہ نہیں، ہم کو ہر
 حال جنگ میں شریک ہونا پڑے گا۔ روح نے مزید برآں کہا کہ اگر تم غلیفہ کی طرف سے جنگ نہیں
 کرتے ہو تو وظیفہ شاہی کس بات کا پاتلے ہو؟ ابودلانہ نے جواب دیا میں وظیفہ اس بات کا
 پاتا ہوں کہ سلطان کی طرف سے مدافعت کروں۔ اس بات کا نہیں کہ اس بہادر کے مقابلہ میں
 آکر مقتولین سے جالوں، غرض یہ کہ ابودلانہ نے اپنی حاضر جوابی سے ہر چند گورنر کو قائل معقول کرنا
 چاہا مگر اس کی ایک مشنوائی نہیں ہوئی۔ اور ابودلانہ کو چار دن چار گھوڑے پہ بیٹھ، تلوار لگا۔ اور
 ناسشتہ باندھ مقابلہ میں جانا پڑا۔ لیکن اُس نے وہاں پہنچ کر قتل و قتال کے بجائے بہادر دشمن
 کو ایسی ٹپٹی پڑھائی کہ اُسے خود روح کے پاس ایک طالب امن کی حیثیت سے لے آیا جس کا غرہ
 یہ ہوا کہ خراسانی لشکر شکست کھا گیا اور روح کو کامیابی ہوئی۔

خلفاء سے راہ درسم | ابودلانہ اگرچہ غلام تھا، اور غلام بھی حبشی لیکن اپنے فضل و کمال، شاعری،

لغہ یہ قدر بڑی تفصیل سے ابن ملکآن ج ۱ ص ۱۹۰، ۱۹۱ میں لکھا ہے۔ لیکن ہم نے طوالت کے ڈر سے اس کی غیر
 ضروری تفصیلات قلم انداز کر دی ہیں۔

ماضرجانی، اور بد ہیہ گوئی کی وجہ سے خلفا کے دربار میں بڑی وقت حاصل تھی اور وہ اُس کی دلوئی و دلہی کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ شراب پینے کے جرم میں ابو جعفر منصور نے اُس کو قید کر دیا۔ اور قید کرایا بھی تو کہاں؟ مرغیوں کے بند ہونے کی جگہ میں تاکہ وہ اپنے نفس کو حقیر و ذلیل سمجھے۔ ابودلامتہ کو نشہ اُتر جانے کے بعد ہوش آیا۔ اور اُس نے اپنے آپ کو ایسی حالت میں دیکھا تو چند اشعار کا ایک قطعہ لکھ کر حافظ قید خانہ کے حوالہ کیا اور کچھ دینے دلانے کا وعدہ کر کے اُس کے ذریعہ وہ قطعہ خلیفہ تک پہنچا دیا۔ اس قطعہ کے آخر میں کہتا ہے۔

وقد کانت محمد ثنی ذلونی بانی من عذابک غیر ناج

علی انی وان لا قیت شرأ لخیوک بعد ذاک الشر ملج

ترجمہ: مجھ سے میرے گناہ بیان کرتے تھے کہ میں تیرے عذاب سے نجات نہ پاسکوں گا، اگر اس کے باوجود کہ تیری طرف سے آئی ہوئی مصیبت دکھی ہے میں اس کے بدترجسے غیر کی امید کرتا ہوں۔

امیر المومنین نے یہ اشارہ دیکھے تو خود ابودلامتہ کو بلا کر یہ اشعار اُس کی زبان سے سُنے اور سننے اور پھر اُس کو رہا کر دیا۔

حُرن طلب | عام درباری شاعروں کی طرح ابودلامتہ بھی حُرن طلب میں کمال رکھتا تھا اور خلفاء قدر و ان تھے۔ اس لئے اس کو کبھی اپنی طلب میں ناکامی نہیں ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ ابودلامتہ کے گھر میں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ اس رات کی صبح کو ہی خلیفہ منصور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیٹی کے پیدا ہونے کی اطلاع دی۔ منصور نے پوچھا: نام کیا تجویز کیا

ہے؟“ بولا۔ ام دلا متہ، خلیفہ نے کہا۔ اس سے کیا مراد ہے؟“ جواب دیا۔ تاکہ امیر المومنین اس کی وجہ سے میری امداد کریں۔ خلیفہ نے پھر سوال کیا۔ کیا تم نے اس لڑکی سے متعلق کچھ اشارے کیے ہیں ابو دلا متہ نے کہا۔ جی ہاں، اور پھر خلیفہ کی خواہش پر یہ اشارے سنائے۔

فما دلتك اُمّ مّ عیسیٰ ولہ یفلک لقمان الحکیم
ولکن قد تضمنت اُمّ سوء الیٰ لبّا تھشاد اب یلم

ترجمہ: اے بچی، تجھ کو نہ تو حضرت مریم نے جلا ہے اور نہ تیری کنالت لقمان حکیم نے کی ہے، لیکن تجھ کو ایک بری ماں اپنے سینہ سے لگاتی ہے۔ اور تیرا باپ یلم غیر شریف ہے۔

ابو جعفر منصور کو یہ اشارے سن کر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ پھر ابو دلا متہ نے چیتھڑوں سے سلاہوا ایک تھیلا نکالا، خلیفہ نے پوچھا۔ یہ کیا ہے؟“ ابو دلا متہ بولا۔ جو کچھ آپ مجھ کو غایت فرمائیں گے میں اس میں رکھ لوں گا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ یہ تھیلا درہم سے بھر کر دیا جائے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس میں دو ہزار درہم ساگئے ہیں۔

ایک دفعہ ابو دلا متہ خلیفہ ہمدی کے پاس گیا، اور ایک کتے کی فرائش کی۔ پھر بولا کہ اس کے لئے ایک نوکر کی ضرورت ہے جو نکار میں کتے کو لیکر چلے۔ ہمدی نے ایک غلام بھی دلا دیا۔ پھر ابو دلا متہ نے کہا۔ ایک سواری بھی تو چاہئے جس پر لاد کر نکار لایا جائے۔ خلیفہ نے اسے بھی منظور کر لیا اور ایک سواری دیدی۔ اس کے بعد ابو دلا متہ بولا۔ ”سرکار! ایک باندی بھی درکار ہے جو نکار کا گشت پھرائے، ہمدی نے اس فرائش کو بھی پورا کر دیا۔ اب اُس نے کہا۔ امیر المومنین! کوئی ایسا سارا بھی چاہئے جس کی وجہ سے میں ان سب چیزوں کے اخراجات برداشت کر سکوں

امیر المومنین نے اس کے جواب میں سو جریب آباد زمین اور سو جریب غیر آباد زمین دے دی۔ عربی میں غیر آباد زمین کو خامر کہتے ہیں خلیفہ کی زبان سے خامر کا لفظ نکلا تو ابو دلامتہ نے پوچھا یہ خامر زمین کو کنسی ہوتی ہے۔ ہمدی نے کہا۔ یہ وہ خراب زمین ہے جس میں کوئی چیز اگی نہ ہو۔ ابو دلامتہ کی جرات دے مکلفی دیکھنے کتا ہے۔ تو پھر اے امیر المومنین ہو اسد کی زمینوں میں سو پانسو جریب غیر آباد خامر زمین میں نے آپ کو دی، اس کے بعد خلیفہ نے پوچھا کیا اب بھی تمہارے دل میں کوئی حاجت رہ گئی ہے، ابو دلامتہ نے کہا۔ جی ہاں، خلیفہ نے پوچھا وہ کیا، ابو دلامتہ بولا۔ وہ یہ کہ میں آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دوں آپ مجھے اس کی اجازت دیدیجئے، ہمدی نے کہا۔ ایسا ہونا تو ناممکن ہے، ابو دلامتہ نے کہا۔ آپ نے میری ایسی کوئی حاجت رد نہیں کی جس کا رد ہو جانا اس حاجت (دست بوسی) کے رد ہو جانے سے زیادہ آسان ہو۔ یعنی یہ میری سب سے بڑی حاجت تھی جس کا منظور نہ ہونا مجھ کو بہت شاق ہے۔

غفار کی مسامت اور قدردانی نے ابو دلامتہ کو اس درجہ مبیاک اور گستاخ بنادیا تھا کہ بعض اوقات وہ زرطلبی کے لئے خلیفہ اور اس کی حرم کے ساتھ رکیک تم کا مذاق کرنے میں بھی پس و پیش نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابو دلامتہ خلیفہ ہمدی کے پاس آیا اور نگین صورت بنا کر کہنے لگا۔ امیر المومنین! ام دلامتہ (ابو دلامتہ کی بیوی) کا انتقال ہو گیا، اور اب میرا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہیں رہا۔ ہمدی نے انا اللہ کہا اور ابو دلامتہ کو دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا کہ تم اس رقم سے ایک باندی خریدو جو گھر کے کاموں میں تمہاری مدد کرے، ادھر ابو دلامتہ نے خود یہ حرکت کی۔ اور ادھر ام دلامتہ کو ہمدی کی بیوی نیز راء کے پاس بھیجا جس نے جاتے ہی خیر را

سے کہا "سرکارِ اودلانہ کا انتقال ہو گیا۔ اور میں بغیر سارے کے رہ گئی۔" خیزراں کو اودلانہ کی خبر موت سے بڑا رنج ہوا اور اُس نے اُم دلانہ کو ایک ہزار درہم دینے کا حکم دیدیا۔ اس واقعہ کے بعد ہمدی محل میں گیا تو اُس کے چہرہ پر حزن و الم کے آثار دیکھ کر خیزراں نے دریافت کیا "امیرِ اہلسین کیا بات ہے؟ جو آپ لول نظر آتے ہیں" خلیفہ بولا "اُم دلانہ کا انتقال ہو گیا، خیزراں نے کہا "نہیں بلکہ اودلانہ کا انتقال ہوا ہے۔ اب ہمدی کو شبہ ہوا کہ اُس کے اور خیزراں کے ساتھ کیا چال چلی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ صرت یہ کہہ کر کہ دونوں میاں بیوی نے ہم کو دھوکا دیا ہے، چُپ ہو گیا۔

ایک عجیب طیف | اودلانہ اپنی جرأت اور بیباکی سے فائدہ اٹھا کر بعض اوقات مذاق مذاق میں کلمہ حق بھی کہہ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اودلانہ کئی روز تک ابو جعفر منصور کے دربار میں حاضر نہیں ہوا، پھر وہ آیا تو خلیفہ نے تاکید کر دی کہ وہ محل شاہی میں روز حاضر ہو، اور ساتھ ہی مسجد میں جا کہ نمازِ باجماعت میں شرکت کرے، اور ایک شخص کو اس کی نگرانی پر مقرر کر دیا۔ اس کے بعد ابو جعفر کا وزیر ابوالیوب المرزبانی اودلانہ کے پاس سے گزرا تو اُس نے وزیر کو ایک سر مہر لٹافہ دیا اور اُس سے خلیفہ تک اُس کو پہنچا دینے کی درخواست کی۔ لٹافہ میں چند اشعار کا ایک قطعہ تھا جس میں لکھا تھا کہ مجھ سے نمازِ باجماعت کی پابندی نہیں ہو سکتی۔ منصور کو یہ رقعہ پڑھ کر نہی آئی اور اُس نے اودلانہ کو بلا کر کما تم خود اس قطعہ کو پڑھ کر سناؤ۔ اودلانہ جانتا تھا کہ اگر اُس نے خود اس قطعہ کو پڑھ کر سنایا تو چونکہ اس میں نمازِ باجماعت کے ترک کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہو۔ اس لئے خلیفہ اس پر حد جاری کر دیگا۔ اس خیال سے اودلانہ نے کہا "میں اس قطعہ کو اچھی طرح

احمد بن محمد بن عبد ربّہ

نام و نسب | احمد نام۔ ابو عمر کنیت، قرطبہ کا رہنے والا تھا۔ اس لئے قرطبی کہلاتا ہے۔ اس کا جید اعلیٰ سالم ہشام بن عبدالرحمن جو اندلس کے نوائیہ میں سے ہے، غلام تھا۔ ۱۱۰ رمضان ۳۷۲ھ میں ولادت ہوئی۔

علم و فضل | ابن عبد ربّہ کا شمار افاضل علماء اسلام میں ہوتا ہے۔ علامہ ابن حنکاح کہتے ہیں ”کان من العلماء المکتوبین من المحفوظات والاطلاء علی اخبار الناس“ وہ ان علماء میں سے تھا جن کی محفوظات کا ذخیرہ بہت وسیع ہو۔ اور جن کو اخبار و روایات کا علم بہت زیادہ ہو۔ حمیدی کا بیان ہے ”والابو عمر من اهل العلم والادب والشعر“

شاعری اور ادب | ابن عبد ربّہ کو عربی نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت تھی، نظم میں اسے تنوّل اور قصیدہ دونوں میں کمال حاصل تھا۔ غزل کی خصوصیت یہ کہ اس میں عشق و محبت کے مضامین سادہ انداز بیان کے ساتھ اس طرح ادا کئے جائیں کہ ان میں انسان کے حقیقی جذباتِ محبت کا عکس نظر آئے اور اس میں شاعرانہ مبالغہ پر داری سے زیادہ واقفیت کا رنگ نمایاں ہو۔ ابن عبد ربّہ کے غزلیہ اشعار میں یہ خصوصیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ مثال کے لئے اشعار ذیل دیکھئے

وَدَّ عَتَقِي بَرْقُفَةً وَاعْتَنَاقِي تَرْنَادَاتٍ مَتْنِي يَكُونُ التَّلَاقِي

وَبَدَاتُ لِي فَاشْرِقِ الصُّبْحُ مِنْهَا بَيْنَ تِلْكَ الْحَيُوبِ وَبَلَاهِوَاقِي

یا سقیم الجفون من غیر سقیم بین عینیک مصرع العشاق
ان یوم العنراق اعظم یوم لیفتی میت قبل یوم الفراق
توجملہ :- میری محبوبہ نے ٹھنڈی سانس بھرتے اور گلے ملتے ہوئے مجھ کو الوداع کہا پھر
اُس نے (بھرتی ہوئی آواز سے) کہا "اب کب ملاقات ہوگی؟"

وہ میرے سامنے آئی تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا اُس کے کریبان اور اُار کے درمیان صبح کی
پوچھٹ رہی ہے، یعنی اُس کی گردن کا پخلا حصہ جو قمیص کے کالر سے باہر نکلا ہوا تھا صبح
کی طرح چمک رہا تھا۔

(میں نے کہا) اے بغیر پیاری کے یا رملکوں والی محبوبہ تیری دونوں آنکھوں کے درمیان
ہی تو عاشقوں کی قتل گاہ ہے۔ کوئی مشبہ نہیں فراق کا دن سب سے زیادہ سخت اور کڑا
دن ہے مے کاش! میں جدائی کے دن سے پہلے ہی مر گیا ہوتا۔

رمز نشاںِ بلاغت جانتے ہیں۔ پہلے شعر میں "تھ" کا لفظ کس درجہ بر محل اور سخی خیز
ہے۔ "تھ" عربی زبان میں ترانی کے لیے آتا ہے، تو شاعر نے یہ کہہ کر اس نفسیاتی حقیقت کی طرف اشارہ
کیا ہے کہ محبوبہ نے پہلے پہل فرط اضطراب سے معاف کیا اور ٹھٹھے سانس بھرتی رہی پھر اُس سے
جب ذرا سکون ہوا، اور وہ چلنے لگی تو اُس نے پوچھا اب کب ملاقات ہوگی، پھر یہ بھی دیکھیے کہ
اگر بجائے "نادت" کے شاعر "قالت" کہتا تو شعر میں وہ خوبی پیدا نہ ہوتی جو "نادت" کے لفظ سے پیدا
ہوئی ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فرط اضطراب کی وجہ سے محبوبہ کی آواز بھراگئی
تھی، اور اس لیے اگرچہ وہ پاس ہی کھڑی ہوئی تھی، لیکن اضطرابی طور پر آواز اُس کے حلق سے

نہیں پڑہ سکتا ہوں، آپ خود ہی پڑھ لیجئے، ابو جعفر منصور بولا: اگر تم اس قطعہ کو پڑھ دیتے تو میں تمہیں ضرور پٹواتا، ابودلّامہ نے کہا: کیا خوب! درآخالیکہ قرآن مجید میں فرمایا ہے یقولون مالا یفعلون، یہ لوگ وہ بات کہتے ہیں جسے خود نہیں کرتے، یعنی جب آپ خود مسجد میں بیخوفتہ حاضر ہو کر ناز و اجاعت سے ادا نہیں کرتے تو پھر مجھ سے کیوں اصرار کرتے ہیں کہ میں ایسا کر دوں، ابودلّامہ کی زبان سے یہ بات سن کر خلیفہ منصور کو کسی قسم کی ناگواری نہیں ہوئی، بلکہ اسے ہنسی آگئی اور ابودلّامہ کی حاضر جوابی پر خوش ہو کر اُس نے اُس کو انعام دلایا۔

ایک دفعہ منصور نے کسی ضرورت سے چند گھروں کے ڈھانچے کا حکم دیا۔ ان میں ابو دلّامہ کا گھر بھی شامل تھا۔ ابودلّامہ کو اس کی خبر ہوئی تو اُس نے یہ شعر لکھ کر خلیفہ کی خدمت میں روانہ کئے۔

یا ابن عم النبی دعوتہ شیخ قد فاضلہم دارۃ دیوار

لکم الامراض کلّما فاعیروا عبدکم ما احتوی علیہ جد اسراء

ترجمہ:- اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم تو اُس بڑے کی فریاد سن جس کا گھر گرنے کے قریب

ہے اور اس کی ہلاکت و بربادی نزدیک ہو، تمہارے لئے تو ساری ہی زمین ہے، پس

تم اپنے قلم کو عاریت کے طور پر اتنی زمین دیدو کہ اس پر اس کی دیوار قائم ہو سکے

منصور نے یہ سن کر حکم دیا کہ ابودلّامہ کو اس گھر کے بدلے میں دوسرا گھر دیدیا جائے۔

خلفاء کی تہذیب و ادب کی وجہ سے حکومت کے عمال و اعیان بھی ابودلّامہ کا بڑا خیال رکھتے

اور اُس کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہتے تھے۔ ایک بار ابودلّامہ پر دو ہزار کے قریب درہم

کا قرض ہو گیا۔ قرضخواہ ایک اعرابی تھا۔ اُس نے مفتی کے ساتھ اپنے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا تو ابودلامتہ نجف پریشان ہوا اور اُس نے سعید بن دعلج کے نام جو بصرہ کا حاکم تھا ایک منطوم خط لکھ کر ہنداد سے اپنے چچا زاد بھائی کے ذریعہ اُس کے پاس بھجوا دیا، ابن دعلج نے فوراً ابودلامتہ کی خواہش کے مطابق مطلوبہ رقم اُس کے پاس بھجادی۔

ایک دفعہ ہمدی رمی سے ہنداد واپس آیا تو ابودلامتہ سلام و نہایت کی غرض سے حاضر ہوا خلیفہ نے اس کی مزاج پرسی کی۔ اس پر اُس نے یہ شعر سنائے۔

إِنِّي حَلَفْتُ لِبْنِ سَائِلٍ سَائِلًا لِقَائِي الْعِرَاقَ وَانْتِ ذُو دُفٍ
لَتَصِلَنِي عَلَى الْبَنِيِّ مُحَمَّدٍ وَلَتَمْلَأَنَّ دِرَاهِمًا جَمْرِي

ترجمہ:- میں نے اس بات کی قسم کھا رکھی تھی کہ اگر میں نے آپ کو عراق کے علاقوں میں صبح و ساءم دیکھ لیا۔ در آنحالیکہ آپ مسرور و مطمئن ہوں، تو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوة و سلام بھیجیں گے اور میری گود کو دراہم سے پُر کر دیں گے۔

ہمدی نے دفعتاً بابر سبیل مزاح اکما ”تمہاری پہلی قسم تو ٹھیک ہے، مگر دوسری نہیں“ ابودلامتہ بلا اللہ محمد کو آپ پر قربان کر دے، یہ دو ایسے کلمے ہیں جن میں تفریق نہیں ہو سکتی ہمدی نے حکم دیا کہ ابودلامتہ کی گود دراہم سے پُر کر دی جائے۔

وفات | اسلام میں انتقال ہوا، بعض کا خیال ہے کہ ابودلامتہ ہارون رشید کے تحت نشین نما ہوئے یعنی شامہ تک زندہ رہا۔ لیکن پہلی روایت ہی صحیح ہے۔

نصف یہ سب واقعات ابن خلکان اور تاریخ ہندادی سے ماخوذ ہیں۔

ترجمہ :- زینب کا گھر مٹ گیا، اور گویائی کے عوض اس کو ٹنگ دیا۔

متنبی کا اعتراض | ابن عبد ربہ کے کمال شاعری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عربی کا مشہور شاعر ابو الطیب متنبی جو اپنی سخن سنجی کے سامنے بڑے سے بڑے کامل الفن شاعر کو نظر میں نہیں لاتا تھا، وہ بھی ابن عبد ربہ کی فصاحت و بلاغت شعر کا صدق دل سے معترف تھا، اور اندلس کا کوئی شخص اس سے ملتا تو وہ فرمائش کر کے ابن عبد ربہ کا کلام سنا تھا۔ ایک مرتبہ خطیب ابو الولید بن عسال ج سے واپس ہوتے ہوئے مصر میں ٹھہرے تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر مسجد عمرو بن العاص میں متنبی سے بھی ملاقات کی۔ دونوں میں دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ اسی اثنا میں متنبی نے خطیب ابو الولید سے کہا کہ کیا آپ مجھ کو اندلس کے بیچ الکلام شاعر ابن عبد ربہ کے کچھ شعر سنیں سناؤ گے؟ انہوں نے کہا ضرور اور پھر یہ شعر سنائے۔

یا لولؤ ایسی العقول انیعا ورشاً بتقسیم القلوب رفیعا
ما ارن رأیت ولا سمعت بمثلہ ورداً یعود من البناء عقیقا
واذا انظرت الی محاسن وجہہ ابصرت وجہک فی سناء غریقا
یا من تقطع خصرۃ من مرد فیہ ما بال قلبک لا یکون رفیقا
ترجمہ :- اے صامت و شفاف موتی جو عقلوں کو گرفتار کر لیتا ہے۔ اور اے وہ ہرن جو
دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے رفیق بننا رہتا ہے۔

میں نے نہ کوئی ایسا گلاب کا پھول دیکھا اور نہ سنا جو اتھ میں ایسے ہی رفیق بن جاتا
ہو۔ اے مخاطب اگر تو اس کے چہرہ کی خوبوں کو دیکھے تو تجھ کو اپنا چہرہ اس کے چہرہ کی چمک

ذوق میں ڈبا ہوا نظر آئیگا۔

اے وہ کس کی کمر بستہ ہی نازک ہے..... تیرے دل کو کیا ہو گیا کہ وہ نرم

نہیں ہوتا۔

خطیب یہ اشعار سنا چکے تو متنبی نے ان کو کمر پڑھنے کی فرمائش کی، پھر فرط مسرت و کیف سے
تایاں بجائیں اور عالم تصور میں ابن عبد ربہ کو مخاطب کر کے کہا اے ابن عبد ربہ تیرے سامنے
تو عراق کے شعرا بھی زانو بستہ ہو کر آئینگے "اُس زمانہ میں عراق کو شعر و شاعری میں مرکز کا مرتبہ
حاصل تھا۔"

کلامِ عجمیت کا اثر [ابن عبد ربہ جس عہد کا شاعر تھا، اُس عہد میں عجمیوں اور بالخصوص ایرانیوں کے
ساتھ معاشرتی اختلاط رکھنے کے باعث عربی شاعری میں طرزِ ادا، خیالات، اور مبالغہ پردازی کے
اعتبار سے عجمیت کا کافی اثر پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ متنبی کے کلام میں بھی عجیب رنگ نمایاں طور پر
نظر آتا ہے۔ ابن عبد ربہ بھی اس اثر سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ اُس کے مجموعہ کلام میں غور کیا جائے
تو اس کی مثالیں کثرت سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ذیل کے قطعے سے واضح ہوتا ہے کہ اُس
کا معشوق مونس کے بجائے کوئی مذکر ہے۔ جو ایرانی شاعری کی خصوصیات میں سے ہے۔ وہ
قطعہ یہ ہے :-

يَا ذَا الَّذِي خَطَّ الْجَمَالَ مَجْنُونًا خَطَّيْنِ هَلْ جَاؤُوعَةً وَبَلَابِلًا
مَا صَحَّ عَيْنِي يَأْنِ لِحُطِّكَ صَادِقًا حَتَّى تَبْسِيتَ بَعَارِضِيكَ حَامِلًا

اس طرح نکل رہی تھی کہ گویا وہ کسی کو آواز دے رہی ہے۔

ایک دفعہ ابن عبد رب کے کسی محبوب ترین دوست نے سفر کرنے کا ارادہ کیا، اور روانگی کے لیے صبح کا وقت مقرر بھی کر دیا، لیکن اتفاق سے صبح کو زور کی بارش ہونے لگی جس کی وجہ سے دوست کو روانگی کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ اس پر ابن عبد رب نے چند اشعار لکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کیا، وہ اشعار یہ ہیں:-

هَذَا ابْتَكُرْتُ لِبَيْنِ اَنْتَ مَبْتَكُرْ	مِهْهَاتِ يَا بَنِي عَلِيكَ اللهُ وَاقْتَدِرْ
مَا زِلْتُ اَبْكِي حَذَرَ الْبَيْنِ مُلْتَهِفًا	حَتَّى رَثَالِي فَيْكَ السَّرِيحُ وَالْمَطَرُ
يَا بَرْدَةً مِنْ حَيَا مَزِنَ عَلَيَّ كَبِدًا	يَدْرَاغًا بِغُلِيلِ الشُّوقِ تَسْتَعْرِ
اَلَيْتُ الْاَرْضَ شِمْسًا وَلَا قَمَرًا	حَتَّى اِرَاكَ فَاَنْتَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

تو مجھ نے تم نے جدا ہو جانے میں جلدی کیوں نہیں کی۔ تم تو جلدی کرنے والے تھے، ان ہی رہنے بھی دو، اشد اور تقدیر تو دونوں تمہیں جانے سے روکنے والے تھے دھرم کس طرح جلد رخصت ہو سکتے تھے

میں حسرت زدگی کے ساتھ جدائی کے ٹد سے برابر توارا، یہاں تک کہ تمہارے معاملہ میں ہواؤں اور بارش کو بھی میرے حال زار پر ترس آگیا۔

سبحان اللہ! بارش کی اُس ہلکی پھوڑا لگایا کہنا جس نے تپش شوق سے مشتعل ہونے والی آگ میں جلتے ہوئے جگر کو ٹھنڈا کر دیا۔

میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تمہیں نہیں دیکھ لوں گا، سوچ اور چاند کو نہیں دیکھ لوں گا، کیونکہ

» دراصل میرے آفتاب و اہتاب تو تم ہی ہو۔

پہلے شعر میں شاعر نے جس محبت و آمیز طرز کے پیرایہ میں دوست کے سفر نہ کر سکنے پر اپنی خوشی کا اظہار نہایت لطیف انداز میں کیا ہے اسی یہ ہے کہ اس کی داد نہیں دی جاسکتی اس کا مطلب یہ ہے کہ تم تو جانے کی بڑی جلدی کر رہے تھے لیکن چلے نہیں گئے! اور اس جاتے کس طرح قدرت تو تمہارے نہ جانے کا اٹل فیصلہ کر چکی تھی۔

ان اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن عبد ربہ کی نگاہ حقیقت آشنائے انسانی جذبات و حیات کا مخفی سے مخفی گوشہ بھی پوشیدہ نہ تھا، پھر اس کی قدرت کلام کا یہ عالم ہے کہ مخفی احساسات کو اس انداز سے نظم کرتا ہے کہ وہ پیکر محسوسات میں جلوہ نہا جو کر سننے والوں کے سامنے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اور یہی شاعری کا منتہا کمال ہے۔

غزلیہ اشعار کے علاوہ ابن عبد ربہ نے بعض قصائد بھی کہے ہیں جو منذر بن محمد بن عبد الرحمن بن حکم کی مدح میں ہیں۔ منذر اندلس کے حکمران بنو امیہ میں سے تھا، ان میں سے ایک قصیدہ میں کہتا ہے۔

بالمند بن محمد شرف بلا والاندلس اندلس کے شہر منذر بن محمد کے ہم سفر اندوز ہو گئے
 ناظیر فہاسا کین واللحش فیہا تداؤنس پندوان شہر میں لگن ہیں اس جتنی بلودان میں ناؤں
 ایک ہم عصر شاعر الامادی التونس نے اس پر معارضہ کر کے اسی بحر و قافیہ میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

ربیع لزینب قد دہرس واعراض من فطی حوس

جن کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ پس اگر کوئی اس دنیائے چلا گیا ہے تو تو اس کے غم سے اپنی آنکھوں میں آنسوؤں کا سرمہ مت لگا، کیونکہ تو خود بھی جانے والا ہی ہے۔

العقد الفریض | اس میں شجرہ نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا منتخب اشعار سے واضح ہوتا ہے۔ ابن عبد ربہ عربی کا بہت باکمال شاعر تھا لیکن اس کی شہرت زیادہ تر نظم کے بجائے نثر میں ہے نثر میں اس کی مشہور اور ضخیم کتاب **العقد الفریض** عربی لٹریچر میں ایک نہایت بلند و قیع مرتبہ رکھتی ہے صاحب بن عبّاد جو خود عربی زبان کا بلند پایہ انشا پرداز اور ادیب تھا، اُس نے اس کتاب کا سلع کیا، تو ازراہ اشتیاق و قدردانی اس کا ایک نسخہ حاصل کر کے اپنے کتب خانہ میں رکھا اور یہ الفاظ کہے "هذه بضاعتنا رزقت الینا" یہ تو ہماری ہی پونجی تھی جو لوٹا کر ہم کو دیدی گئی ہے یہ

اس کتاب نے ابن عبد ربہ کو شہرت و عظمت کے آسمان کا مہر منیر بنا دیا اور ہر طرف اُس کی علمیت و قابلیت، وسعت معلومات، زور انشا، اور فصاحت و بلاغت کے چرچے ہونے لگے۔ حمیدی کے الفاظ یہ ہیں "ابو عمر کا علمی مرتبہ بہت بلند تھا، دیانت اور پاکیزہ نفسی کے باوصف ادب میں اُس کو ریاست و شہرت حاصل تھی۔ ییل و ہنار اُس کے موافق تھے۔ علم کی لایوں میں اُس کے نام کا سبک چلتا تھا، وہ علم و ادب میں غیر معمولی کمال رکھنے کے باعث ہی گمانی کے بعد سردار، اور فقر کے بعد صاحب ثروت اور عالم ہوا، فضیلت و ہنر میں اس کا عام چہچہا تھا۔"

تپنے دل کی آنکھ سے مشاہدہ کر، کیونکہ چشمِ ظاہر تو حقیقت سے بے خبر ہے اور تو سمجھ لے کر یہ نیب
دورِ رخ ہے جو بیاہ فام ہے، اور جو غصہ کے مائے پھنکارس مار رہی ہے اس دورِ رخ کو حجبِ ظالموں کے
یہ گرم کر دیا جائیگا تو یہ کسی ایک چیز پر نہ رحم کھا ئیگی اور نہ اُس کو باقی رہنے دیگی۔

اگر تیرے لیے موت کے سوا کوئی اور بھی نصیحت و پند نہ ہو تو یہی لذتوں سے روکنے کے لیے تجھ کو
کافی ہے۔

ابن عبد رب کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو عبرت و نصیحت کے اشعار اُس میں کثرت سے
پائے جاتے ہیں جس میں اُس نے دنیا کی بے ثباتی اور اس زندگی کی بے حقیقی اور ناپائنداری کا بہت
موثر الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ کہتا ہے۔

الا انما الدنيا غصارةٌ ايكنة	اذا اخضرت منها جانبة جفت جانب
هي الدار ما الا مال الا فناء ثم	عليها ولا اللذات الا مصائب
وكما شئت بالامس عيناً قريرة	وقرت عيون دمعها الان ساكب
فلا تكتحل عينيك منها بعبرة	على ذاهب منها فانك ذاهب

ترجمہ: اس سن لو کہ دنیا کی مثال دختِ بھاؤ کی سرسبز و شادابی کی سی ہے کہ جب اُس کی ایک
جانب سبز ہوتی ہے تو دوسری جانب خشک ہو جاتی ہے۔

یہ دنیا ایک ایسا گھر ہے جس کی آمد و میں محض پریشانیاں ہیں۔ اور جس کی لذتیں صرف مصیبتیں
ہیں۔

اس دنیا نے کل کتنی ٹھنڈی آنکھوں کو درج و غم سے گرم کر دیا، اور کتنی ٹھنڈی آنکھیں ہیں

کرنے کے بعد وہ سنجار آیا۔ اور پھر یہاں سے وہ حلب چلا گیا۔ جہاں آخری لمحہ زندگی تک وہ مقیم رہا۔
 مروجے دورانِ قیام میں یا قوت نے اپنی کتب معجم البلدان کے لیے بہت کچھ مواد فراہم کر لیا تھا۔
 لیکن اُس کی تکمیل وزیر جمال الدین القفطی کی مدد سے حلب میں ہوئی۔

یا قوت کی قد منزلت | حلب کے وزیر جمال الدین القفطی کو یا قوت سے بڑی ارادت تھی۔ اور وہ
 یا قوت کے علمی و ادبی کمالات کی بڑی قدر کرتا تھا۔ چنانچہ یا قوت نے وزیر کے نام موصول سے ایک
 طویل خط لکھا تھا جس کو علامہ ابن خلکان نے ازاول تا آخر نقل کیا ہے۔ اس خط میں یا قوت
 نے تالیفوں کے ڈر سے موصول بھاگ آنے اور دورانِ سفر میں اُس کو جو مشکلات پیش آئی
 ہیں اُن سب کو بڑی تفصیل سے اور نہایت مؤثر سیرایہ میں قلمبند کیا ہے۔ اس خط میں مروجہ کی
 علمی و ادبی سہولتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

تصنیفات | یا قوت نے چند در چند پریشان حالیوں اور شہر بشارے ماے پھرتے رہنے کے
 باوجود کئی ضخیم کتابیں تصنیف کیں جن کی وجہ سے بغا و دوام کی لورج پر اُس کا نام جلی جردون
 میں کندہ ہے۔ کتابوں کے نام اور اُن کی کیفیت حسب ذیل ہے

۱، ارشاد الارباب الی معرفۃ الادیب۔ یہ کتاب عام طور سے معجم الادب یا طبقات الادباء
 کے نام سے معروف ہے۔ کشف الطنون اور ابن خلکان میں اس کا نام ”ارشاد الالباء الی معرفۃ
 الادباء“ لکھا ہے۔ اس میں نحو، لغت و قرأت، علماء و اخبار و انساب، اور اربابِ شرف و انشا
 کے اور جنہوں نے ادب میں تصنیفات کی ہیں اُن سب کے حالات ہیں۔ یہ کتاب پہلے پروفیسر
 مارگولینو (D.S. Margolionth) اُستادِ عربی آکسفورڈ یونیورسٹی کے اہتمام سے سات

اجزاء میں گب میموریل کی طرف سے شائع کی گئی تھی مگر اس میں متعدد نقائص روکے تھے۔ اب دوبارہ مزید اضافوں اور نہایت اہتمام کے ساتھ ڈاکٹر احمد فرید فاضل کے زیر نگرانی مصرعے میں جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

(۲) "المشترک وضعاً والمفترق صقلاً" یہ کتاب شہروں کے حالات میں ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یاقوت نے یہ کتاب اپنی تصنیف معجم البلدان سے ہی اخذ کر کے حروف کی ترتیب کے اعتبار سے لکھی ہے۔ پروفیسر مسٹفلڈ کے اہتمام سے ۱۸۳۶ء میں ۳۷۰ صفحات پر شائع ہوئی۔

(۳) معجم البلدان، یہ جغرافیہ کی مشہور کتاب ہے جس میں شہروں، دیہاتوں، ویرانوں آبادیوں کے جغرافیائی حالات و واقعات نہایت تفصیل و تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ یاقوت اس کتاب کی تصنیف سے ماہ صفر ۶۲۱ھ میں حلب میں فارغ ہوا تھا اور اس کو جمال الدین لقطی وزیر حلب کے کتب خانہ کے لیے نذر کر دیا تھا، پہلے یہ کتاب چھ اجزاء میں مسٹفلڈ کے زیر اہتمام لیپزگ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چھ طبعی شہروں کے قبیلوں، اور عورتوں اور مردوں کے ناموں کی فہرست ہے، جو بارہ ہزار سے زیادہ ناموں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ یہ کتاب دس اجزاء میں سید امین الخاں کے زیر اہتمام مصر سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں ایک ذیل بھی ہے جو دو جلدوں میں ہے جس کا نام "معجم العمران فی المستدرک علی معجم البلدان" ہے جس میں صاحب ذیل نے موجودہ زمانہ کے مشہور مقامات، نیز یورپ و امریکہ کے ملکوں اور شہروں کے حالات بھی چکریے ہیں اور اپنی محلوں کی بنیاد جدید علماء جغرافیہ کے بیانات تحقیقات پر رکھی ہے۔

ابو عبد اللہ یاقوت الحموی

نام و نسب | یاقوت نام، ابو عبد اللہ کنیت، نسل آرمی تھا، اور بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی، لقب شہاب الدین تھا۔

ولادت | اردم کے شہر حماہ میں ۳۵۷ھ یا ۳۵۸ھ میں ولادت ہوئی

غلامی اور آزادی | یاقوت بچپن میں ہی گرفتار ہو کر غلام بنایا گیا، اور فروخت کر دیا گیا تھا۔ بغداد کے ایک بڑے تاجر نے جس کا نام عسکر بن ابی نصر الحموی تھا خرید لیا۔ عسکر لکھنا پڑھنا اور تجارتی حساب جانا سنیر تھا۔ اس لیے اُس نے یاقوت کو کاروبار میں مدد دینے کے لیے لکھنے پڑھنے کے کام پر مقرر کر دیا۔

یاقوت نے زیادہ عمر ہو جانے پر بخارا و لغت کی تعلیم حاصل کی اور اب عسکر نے یاقوت کو تجارتی سفرؤں پر لگادیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں یاقوت کو کیش اور عمان آنا جانا پڑا تھا اور پھر وہ شام واپس آ جاتا تھا بہت دنوں تک یاقوت یہ کام انجام دیتا رہا، لیکن سوئے اتفاق سے آقا اور غلام دونوں میں کسی بات پر ان بن ہو گئی اور آقا نے تنگ آ کر غلام کو آزاد کر دیا یہ واقعہ ۵۹۶ھ کا ہے۔

علمی مطالعہ | آزاد ہونے کے بعد یاقوت نے کتابت کر کے معاش پیدا کرنی شروع کی جس میں اُس کو بہت سی عمدہ اور مفید کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا کچھ مدت کے بعد جب عسکر کا غصہ فرو ہو گیا تو اُس نے یاقوت کو پھر اپنے پاس بلالیا اور اُس کو کچھ نئے دلائر کیش کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیج دیا

تاجم الادب کے طبع وناشر نے کتاب کے شروع میں یاقوت الحموی کے جو حالات و سوانح لکھے ہیں وہ سب تاریخ ابن خلکان ج ۲ از ص ۲۱۰ تا ص ۲۱۳ اور تذرات الذہب ج ۵ از ص ۱۰۵ تا ص ۱۰۶ سے اخذ ہیں۔ یاقوت کے حالات کے لیے ہارناخذ بھی ہی دونوں کتابیں ہیں۔

یا قوت اس سفر سے واپس آیا تو یہاں عسکر کا انتقال ہو چکا تھا۔ یا قوت نے کمیش کے سفر میں جو کچھ فتح حاصل کیا تھا، اُس کا ایک قلیل حصہ اپنے پاس رکھا، اور اس کے علاوہ جو کچھ بچا وہ سب اپنے اقا کی بیوی اور اُس کی اولاد کے سپرد کر دیا جس سے یہ سب لوگ راضی ہو گئے۔ یا قوت کو جو کچھ ملا تھا اُس کو اُس نے راس المال بنا کر تجارت شروع کر دی اور اس تجارت میں کتابوں کو بھی شامل کر لیا۔

خارجی عقیدہ | اس زمانہ میں یا قوت کی نظر سے چند خارجی عقائد و خیالات کی کتابیں گزریں جن سے یا قوت بہت زیادہ اثر پذیر ہوا۔ ۶۱۳ھ میں اُس نے دمشق کے ایک بازار میں مکان کھولی، اور وہیں اُس کو ایک بغدادی سے مناظرہ کا اتفاق ہوا۔ اس مناظرہ میں یا قوت کی زبان سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں بعض نہایت ناشائستہ الفاظ نکل گئے، مسلمان ان الفاظ کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ ایک گروہ نے اُس پر حملہ کر دیا اور اتنا زد و کوب کیا کہ وہ مرتے مرتے بچا لیکن اب دمشق میں اُس کا قیام دشوار ہو گیا۔ اور وہ یہاں سے جان بچا کر بھاگ نکلا۔

دمشق کے حاکم کو یا قوت کی بدذبانی کا علم ہوا تو اُس نے اُس کے تعاقب میں اپنے گماشتہ روانہ کر دیے لیکن یا قوت ان لوگوں کی دسترس سے باہر ہو چکا تھا، وہ دمشق سے فرار ہو کر حلب آیا۔ اور پھر یہاں سے جمادی الاخریٰ ۶۱۳ھ میں وہ موصل پہنچا، یہاں سے اربل، اور اربل سے خراسان میں داخل ہوا، خراسان پہنچ کر اُس نے اپنا تجارتی کاروبار شروع کر دیا اور ایک مدت تک مرو میں قیام پذیر رہا۔ آخر کار اُس کو یہاں سے بھی منتقل ہونا پڑا، اور وہ نسا ہوتا ہوا خوارزم پہنچا۔ یہاں اُس کو تازیوں کے حملے کی خبر ملی جس نے اُس کے رہے سے اوسان خطا کر دیے۔ اب وہ پریشان ہو کر پھر موصل آیا۔ دوران سفر میں اُس کو لباس و طعام کی تنگی نے بہت دل شکستہ کیا ایک مدت مدید تک موصل میں قیام

ان کتابوں کے علاوہ علامہ ابن خلکان نے یاقوت کی کئی اور کتابوں کے بھی نام لکھے ہیں جو حسبِ دلیل ہیں :-

۱، کتاب اللبید و المال فی التاریخ ۲، کتاب الذوق ۳، مجمع کلام ابی حلی الفارسی ۴، عنوان کتاب الاغانی ۵، المقضب فی النسب ۶، کتاب اخبار المتنبی یاقوت کے ملی کارناموں یاقوت کے عمیق ذوقِ مطالعہ اور اُس کے تجرّف کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے مختصر تصرو اگر اگرچہ اُس کو کسی ایک مقام پر بھی اطمینان سے ٹھہرنے کا موقع نہیں ملا تاہم اُس نے اپنا مطالعہ برابر جاری رکھا۔ اُس کی دو ضخیم ضخیم کتابیں ”مجمع الادبا“ اور ”مجمع البلدان“ ہماری نظر سے گذری ہیں۔ اُن کو دیکھ کر یہ ہوشیور کہا جاسکتا ہے کہ یاقوت غیر معمولی قوتِ انشاء و وسعتِ علم اور مہارتِ ادبیات کا مالک تھا۔ یاقوت کو صرف مرو میں کسی قدر اطمینان سے قیام کا موقع ملا تھا۔ اُس نے ان لمحاتِ فرصت کو ضائع نہیں جانے دیا۔ اور ان سے پورا فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے۔

”میں نے مرو کے قیام کے زمانہ میں علوم و آداب کی، اور اربابِ فہم و خود کی ایسی کتابیں پائیں جنہوں نے مجھ کو بال بچوں اور وطن کی یاد سے، اور اپنے دوستوں اور ہر قسم کی رات و آسائش کے خیال سے بے پروا کر دیا۔ یہاں مجھ کو گویا میری دولتِ گمشدہ مل گئی، اور میں نے اپنا مقصد دیرینہ حاصل کر لیا، میں ایک حریف اور لچائے ہوئے انسان کی طرح ان کتابوں کے مطالعہ پر متوجہ ہو گیا۔ میں ان کتابوں کی چراگاہوں میں لطف اندوز ہوتا پھرتا تھا، اور اس لطف و راحت کی بہرہ ور ہوتا تھا۔“

مجم الادباء کے شروع میں یا قوت نے ایک مقدمہ لکھا ہے، جس میں بتایا ہے کہ شعراء و ادباء کے حالات میں مجھ سے پہلے بھی متعدد علماء ادب و انشاء نے کتابیں لکھی ہیں، مگر وہ سب نامتوم ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے جس خوبی سے یا قوت علماء و ادباء کے حالات اور ان کے نمونہ کلام بیان کرتا ہے اس طرح اس سے پہلے کسی اور مصنف نے بیان نہیں کیے۔ چنانچہ آج بھی علماء ادب و انشاء کے حالات میں سب سے بڑا ذریعہ معلومات یہی کتاب ہے۔ پھر اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یا قوت نے محض سنی سنائی باتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جو کچھ لکھا ہے کمال تحقیق اور فائیت ژرف نگاہی سے لکھا ہے۔ ایک ایک ادیب کے حالات کی تحقیق میں اس نے شہر بشہر پھر کریکڑوں لوگوں سے ملاقات کی ہے، اور پھر اس کا سنہ پیدائش و وفات، اور دوسرے احوال و سوانح جامعیت سے قلمبند کئے ہیں۔ وہ مقدمہ میں خود کہتا ہے:-

”میں نے اس کتاب میں علماء و نحو لغت، علماء انساب، مشہور قرآ، علماء تاریخ و اخبار و مؤرخین، مشہور نسخ، معروف انشاء پرداز، ارباب تصنیف و تالیف، ان سب کے حالات اختصاراً و ایجاز کے ساتھ جمع کر دیے ہیں، اور میں نے تاریخائے پیدائش و وفات اور ان کی تقیفا کے ذکر میں کوئی کوتاہی نہیں کی، ان چیزوں کے ساتھ میں نے ان ادباء کے پسندیدہ احوال، ان کے نسب نامے اور ان کے اشعار بھی لکھے ہیں۔ وہ ادباء جن سے میں نے خود ملاقات کی ہے، یا جن سے ملاقات کرنے والوں سے مجھ کو ملاقات کا موقع ملا ہے ان کے احوال اور معانی اخبار و عوام میں نے اس طرح قلمبند کیے ہیں کہ اس کے بعد آپ کو کسی اور چیز کے معلوم کرنے کا شوق باقی ہی نہیں رہیگا۔ رہے وہ ادباء و فضلا جن کا عہد میرے عہد سے پہلو گذر

چلے، تو ان کے حالات کی تحقیق میں میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے۔ شہر مشہور ملک
بلک کے سفروں میں لوگوں سے مل کر جو تحقیق و تفتیش کر سکتا تھا میں نے اس میں کوئی
 کوتاہی نہیں کی۔ ایسے اصحاب سے متعلق معلومات کے اخذ کرنے میں میں نے مستند علماء کی
 کتابوں پر اعتماد کیا ہے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یا قوت نے اس کتاب میں کسی خاص عہد اور کسی خاص ملک کے
ادب کا ہی نہیں بلکہ بصرہ، کوفہ، بغداد، خراسان، حجاز، یمن، مصر، شام اور مغربی ممالک ان سب
کے اور ہر زمانہ کے علماء و ادبا کا تذکرہ کیا ہے۔

یا قوت نے چونکہ اس کتاب کو نہایت محنت اور جانفشانی سے مرتب کیا تھا اس
لیے وہ اُسے سید عزیز رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ چند افاضل کی جماعت اس کے
پاس آئی اور درخواست کی کہ اپنی کتاب کے نسخے لکھواد دیجیے تو اُس نے صاف انکار کر دیا۔
یا قوت نے اس واقعہ کو ایک نظم میں نہایت بلیغ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ آخر شعر میں کہتا ہے۔
وامنعہا ابھتال فہی حبیبۃ جریٰ حبہا مجریٰ دمی فی مفاصل

توجہ:- میں اس کو جاہلوں کی باز رکھتا ہوں کیونکہ یہ مجھے اس قدر محبوب ہے کہ اُس کی محبت
خون کی طرح میرے بدن کے جوڑوں میں جاری و ساری ہے۔

ایک اور نظم میں اس کتاب کے ساتھ اپنی غیر معمولی محبت کا اظہار اس طرح کرتا ہے:-

ولوائی انصفۃ فی محبتی بحسب لہ جلدی و ضدۃ عظمیٰ
عزیر علیٰ فضلی بالآلہ الطیعۃ علیٰ بذلہ للطائقین علیٰ العیلم

ولو آتني استطع من فوط حيتہ لما نزل من کتبی ولا غاب عن کتبی

ترجمہ: اگر میں اس کتاب کی محبت میں انصاف سے کام لیتا، تو اپنی جلد کو اس کی جلد اور اپنی ہڈیوں کو اس کا صندوق بنا دیتا، یہ کتاب مجھ کو اپنے فضل کے باوجود اس درجہ عزیز ہے کہ میں طلبائے علوم کے لیے اس کو خرچ کر ہی نہیں سکتا، اس کتاب کی فوط محبت کی وجہ سے اگر میں استطاعت کرتا ہوتا تو یہ کبھی میرے ہاتھ اور میری آستین سے غائب نہیں ہوتی۔

اس کتاب میں جن حضرات کے حالات لکھے گئے ہیں ان کی تعداد ایک ہزار چاس کے قریب ہے۔ دوسری اہم کتاب معجم البلدان ہے مصنف کو اس کے لکھنے کا خیال ایک عجیب واقعہ کی بناء پر پیدا ہوا جس کو خود اس نے اس طرح بیان کیا ہے: "شاذ میں جبکہ یاقوت مروی قیام پذیر تھا، ایک دن شہید فخر الدین کی مجلس میں شریک تھا کہ وہاں کسی شخص نے لفظ "جَبَاشَہ" کی نسبت سوال کیا (یہ لفظ ایک حدیث میں آیا ہے اور عبد جاہلیت عرب میں جو بازار لگتے تھے ان میں سے ایک بازار کا نام ہے) یاقوت نے جواب دیا "یہ لفظ جَبَاشَہ" بضم الحاء ہے جَبَاشَہ بفتح الحاء نہیں، یا قوت کا خیال یہ تھا جَبَشْتُ لَجَبَاشَہ کے معنی جمع کرنا تھے ہیں، اس لیے فَعَالَتُہ کے وزن پر جَبَاشَہ بضم الحاء کے معنی ہیں وہ جگہ جہاں مختلف قبیلے اکٹھے ہو گئے ہوں۔ لیکن ایک محدث جو اس وقت وہاں موجود تھے انہوں نے یاقوت کی بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس پر ہی مصر ہے کہ یہ لفظ جَبَاشَہ ہے، حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں تھی۔ اب یاقوت کے لیے مجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ غائب احادیث اور دواوین لغات سے اپنے دعوے کی کوئی سند پیش کرے۔ مروی کتابوں کا بڑا ذخیرہ موجود تھا، یاقوت نے تلاش شروع کر دی، اور آخر کا محنت بسیار کے بعد اسے اپنے دعوے کی قوی دلیل مل گئی۔ اس معاملہ

میں یا قوت کو کامیابی تو حاصل ہو گئی لیکن اُسی وقت سے اُس کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ حوام تو حوام ملا، تک کو ایک ایسی کتاب کی شدید ضرورت ہے جس میں دنیا کا جغرافیہ مع شہروں، قبائل، قصبوں اور پہاڑوں وغیرہ کے ناموں کی تصحیح کے صحیح صحیح بیان کیا گیا ہو۔ چنانچہ یہ کتاب بھی معجم الادب اور کی طرح حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے اس میں پہلے مصنف لفظ کا صحیح تلفظ بتاتا ہے پھر اُس کا جائے وقوع۔ اور دوسری ضروری جغرافیائی معلومات بہم پہنچاتا ہے اور موقع موقع اُس مقام کی مناسبت سے اشعار نقل کر کے ایک خشک علمی موضوع کو دلچسپ بنا دیتا ہے۔

یا قوت نے معجم البلدان کے شروع میں بھی ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں جغرافیہ کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس میں لکھتا ہے کہ عالم خواہ کسی مرتبہ اور درجہ کا ہو اُس کو جغرافیہ کا جاننا از بس ضروری ہے۔ مثلاً یا قوت نے اپنے زمانہ کے ایک نامور ادیب کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مقامات حریری کی شرح بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ لکھی ہے، اور جن کے ادیب کامل ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس ادبی مہارت کے باوجود انہوں نے اپنی شرح میں ایسی جغرافیائی غلطیاں کی ہیں جن کے باعث اُن کا اصل کمال بھی چھپ گیا، اور خود ارباب فن کے لیے سامانِ تسمن بن کر رہ گئے ہیں۔ مثلاً مقامہ کرچیہ میں شارح فاضل لکھتا ہے کہ کرج ہمدان اور آذربائیجان کے درمیان ایک شہر ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے، بلکہ وہ ہمدان اور اصفہان کے درمیان ہے۔ اسی طرح تبریز مقامہ میں شارح نے لکھا ہے کہ تبریز عوام شام سے ہے اور اس میں اونچ میں بیس فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ شارح کا یہ لکھنا بھی غلط ہے کہ تبریز تو بہت مشہور شہر ہے اور ہمارے زمانہ میں وہ آذربائیجان کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے، غرض یہ ہے شارح مقامات نے اپنی جلالتِ علم و ادب کے باوجود جغرافیہ کی

کے میدان میں قدم قدم پر ایسی ٹھوکریں کھائی ہیں کہ مباحثہ ہمسی آجاتی ہے۔

یا قوت نے اس کتاب کو بھی ہانتائی امکا نی تحقیق اسی وکادش سے مرتب کیا ہے۔ مخم العمران کے فاضل مرتب سید محمد امین انصاری نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ گزشتہ سالوں اور دنوں کے کسی شخص کی نسبت غلطی سے محفوظ رہنے کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف ابو عبد اللہ یا قوت المحوی الرومی کی ذات ہے۔

وفات | پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ یا قوت آخر میں حلب میں فروکش ہو گیا تھا یہیں اس کو فرشتہ اجل کا پیغام پہنچا، اتوار کے دن ۳۰۔ رمضان ۶۳۲ھ کو وفات پائی۔ وفات سے قبل یا قوت نے اپنا کتب خانہ بغداد کی مسجد الزیدی کے لیے وقف کر کے اس کی کتبی تاریخ ابن اثیر کے مشہور فاضل مصنف شیخ عزالدین ابو الحسن علی بن الاثیر کے سپرد کر دی تھیں۔ زندگی میں تو یا قوت کی کچھ ایسی زیادہ قدر نہیں ہوئی البتہ وفات کے بعد لوگ اس کے فضل و ادب کا ذکر کر کے اس کا ماتم کرتے تھے اور اس کی ثناء کے گیت گاتے تھے۔

ابوالذر یا قوت بن عبد اللہ الرومی

نام و نسب | یا قوت نام، ابوالذر کنیت، والد کا نام عبد اللہ تھا، لقب حمزہ الدین تھا، لہذا رومی تھا لیکن سن شعور و تیز کو پہنچنے کے بعد اس نے اپنا نام عبد الرحمن رکھ لیا تھا چنانچہ ابن ذہبی نے کتاب الذیل میں اس کا شمار ان لوگوں میں کیا ہے جن کا نام عبد الرحمن تھا۔ ابو منصور محبلی

کا غلام تھا۔

پیدائش اور تعلیم بغداد میں پیدا ہوا، اور وہیں مدرسہ نظامیہ میں داخل ہو کر پہلے قرآن مجید حفظ کیا، خط کی مشق کی اور علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔ عربی ادب سے اس کو قلبی لگاؤ تھا چنانچہ اس کو نہایت محنت و مشق سے حاصل کر کے اس میں اتنا کمال بہم پہنچا کہ آج اس کا شمار عربی کے بہترین غزلگو شعراء میں ہوتا ہے۔

شاعری علامہ ابن خلدون اس کی نسبت لکھتے ہیں "یا قوت نے اشعار کثرت سے کہے ہیں اس کے اشعار زیادہ حسن و عشق کے رموز، اور محبت و الفت کے واردات قلبی مشتمل ہوتے ہیں اور خوب ہوتے ہیں۔ یہ اشعار عراق اور بلاد شرق و شام میں بہت رائج ہیں، اور شام کے فقہاء تک انہیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔

یا قوت کی خصوصیت زبان کی سلاست، انداز بیان کی دلکشی اور بے ساختگی ہے بعض پیش پا افتادہ مضامین کو اس خوبی اور جدت اور اسے بیان کرتا ہے کہ سننے والے پر ایک عجب کیفیت شکر طاری ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک نظم میں کہتا ہے۔

ان غاض دمعك فالاجاب قلبا فا فكل ما تدعى زودا وبهتان

وكيف تانس او تنسى خيا لهم وقد خلا و هم ر بعم و اوطان

لا اوحش الله من قوم نا و اناى عن النواظر اتماسر و اعصان

سار افسار فوادى اثير طعنه و بان جیش اصطبارى ساعه بانوا

توجہ: جتنے دوست تھے، سب چلے بھی گئے۔ اب اگر تیرا آنسو خشک ہو جائیں تو تیرے

تمام دھوے سرا سر جھوٹ اور گپ ہیں۔

(۳) تو کس طرح چین سے بیٹھ سکتا ہے، یا کس طرح ان احباب کے خیال کو بھول سکتا ہے، جبکہ ان سے مکالمات اور وطن و دنوں خالی ہو گئے۔

(۴) خدا اس جماعت سے متوحش نہ کرے جو ہم سے دور ہو گئی، اور جس کے دور دورے ہی لایا محسوس ہوا کہ کوئی کتنے ہی چاند اور گپتی ہوئی ڈالیاں نظروں سے اوجھل ہو گئی ہیں (۵) جب وہ چلے تو دل ان کے پیچھے پیچھے ہی چل پڑا۔ اور جس گھڑی وہ جدا ہونے میرے میر کا لشکر بھی مجھ سے جدا ہو گیا۔

یا قوت صاحب دیوان شاعر تھا۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں ”مجھ کو ۶۶۷ھ میں دمشق کے قیام میں یا قوت کے دیوان کے دو نسخے ملے تھے۔ یہ دیوان زیادہ ضخیم نہیں ہے۔ وفات | یا قوت کی وفات کا واقعہ عجیب قسم کا ہے۔ اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ تھی کہ بدو کے دن بتاریخ ۱۔ جمادی الاولیٰ ۶۲۲ھ کو اسے ایک مکان میں مروہ پایا گیا۔“

تمام شد